

# فتاویٰ شیخ الاسلام

حضرت شیخ الاسلام  
مولانا سیدین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

مولانا مفتی محمد سلمان، منصور پوری

تحقیق و تخریج:

حضرت مفتی محمد وہاب منگلوری

ڈائریکٹر الفرید فقہی اکیڈمی میٹاورہ

# فتاویٰ شیخ الاسلام

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب منصور پوری

تحقیق و تخریج:

حضرت مفتی محمد وہاب منگلوری

ڈائریکٹر الفریڈ فقیہی اکیڈمی میٹکورہ



رہمان پلازہ محلہ منڈی اردو بازار، لاہور فون: 042-37361339

E-Mail: [jamiatbooks@gmail.com](mailto:jamiatbooks@gmail.com)

**Fatawa Sheikh ul Islam**  
**By**  
**Maulana Mufti Mohd. Salman Mansoor puri**  
**ISBN : 978-969-9753-03-9**

### جملہ حقوق محفوظ

فتاویٰ شیخ الاسلام (تخریج شدہ)	:	نام کتاب
شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	:	افادات
مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری	:	مرتب
ستمبر ۲۰۱۳ء	:	اشاعت اول
جولائی ۲۰۱۵ء	:	اشاعت دوم
محمد ریاض درانی	:	ناشر
محمد بلال درانی	:	بہ اہتمام
اشتیاق اے مشتاق پریس، لاہور	:	مطبع
روپے /-	:	قیمت

قانونی مشیر : سید طارق ہمدانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

# تحقیق و تخریج

زیر سرپرستی

حضرت مفتی محمد وہاب منگلوری مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

ڈائریکٹر الفریڈ فقہی اکیڈمی بینگورہ (سوات)

تصحیح

مولانا محمد عارف

(سابق استاد جامعہ مدنیہ، کریم پارک راوی روڈ، لاہور)

## فہرست

۱۵	مسواک کس لکڑی کی ہو
۱۵	سوتے وقت وضو یا تیمم
۱۸	آنحضرت ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بحالت جنابت مسجد سے گزرنے کی ممانعت سے مستثنیٰ کیوں رکھا
۲۱	شیعہ کے وضو کا بقیہ پانی
۲۲	ریاح نکلنے کا وہم ناقض وضو نہیں ہے
۲۲	ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا
۲۳	ناپاکی میں نماز پڑھانے کا وبال امام پر ہے
۲۳	ناپاکی میں نماز پڑھانا سخت جرم ہے
۲۴	نماز کب فرض ہوتی ہے
۲۴	نماز میں ستر عورت
۲۵	نماز میں اگر کوئی عضو کھلا رہ گیا؟
۲۵	کون سی عورتیں اقتداء کر سکتی ہیں
۲۵	اول وقت نماز پڑھنا
۲۶	توبہ کے بعد بھی قضا ضروری ہے
۲۷	رفع یدین کا ثبوت ہے یا نہیں
۳۳	نماز کی قبولیت و صحت کا مدار
۳۴	نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں
۳۴	قراءت فاتحہ خلف الامام
۳۶	ظہر کی نماز دو مثل پر
۳۶	الصلوٰۃ معراج المؤمنین کے معنی

۴۱	نماز تہجد کا صحیح وقت کیا ہے
۴۲	تہجد کی رکعات
۴۲	رمضان میں تہجد کی جماعت
۴۴	تہجد کی رکعات کتنی ثابت ہیں
۴۵	صلوۃ الاوابین
۴۵	قنوت نازلہ
۴۶	لاؤڈ اسپیکر پر نماز
۴۷	خطبہ جمعہ میں لاءؤڈ اسپیکر
۴۷	مسافت قصر
۴۸	قضاء عمری کا طریقہ
۴۹	کون سی نمازیں قضاء کرنی ہوں گی
۴۹	فرض کے ساتھ سنتوں کی قضا
۵۰	قضاء نماز محض توبہ سے معاف نہ ہوگی
۵۰	کیا تارک نماز کافر ہے
۵۲	کیا امامت پر تنخواہ لینا غلط ہے
۵۳	مدرس کا تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کرنا
۵۳	تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا
۵۴	ختم تراویح کے وقت مٹھائی کی تقسیم
۵۵	تراویح پر اجرت
۵۵	نماز جنازہ
۵۶	رویت ہلال
۵۷	رمضان کے روزوں کی قضا
۵۸	صدقہ اور قرضہ
۵۸	کفار سے لی گئی زمین میں عشر نہیں
۵۹	زکوٰۃ بنی ہاشم کے متعلق ابو عاصمہ کی روایت کی تحقیق

۶۰	حاجی کو پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے یا مکہ مکرمہ
۶۱	حرم کی اشیاء باہر لانا
۶۱	حرم شریف سے بطور تبرک پتھر لانا
۶۱	تبرکات وغیرہ کی بیع
۶۲	مدینہ منورہ میں قیام کی کم از کم مقدار
۶۲	اپنے حج سے پہلے والد صاحب کو حج کرانا
۶۲	حج بدل
۶۳	سفر حج موٹر پر
۶۳	مدینہ منورہ کی بالقصد حاضری
۶۴	روضہ اقدس پر حاضری
۶۵	کامل دسترس
۶۷	<b>اذکار و آدابِ دعا و غیرہ</b>
۶۹	اجتماعی مجالس ذکر
۷۱	ذکر جہری کب افضل ہے
۷۱	ذکر کرتے وقت پان کی گلوری منہ میں رکھنا
۷۲	قضا حاجت کے وقت ذکر
۷۲	قضا حاجت کے وقت سر کھلا رکھنا مکروہ ہے
۷۲	شب براءت
۷۴	شب براءت کے اعمال
۷۶	مردوں کو ایصالِ ثواب کا کیا طریقہ ہے
۷۷	رسول اللہ ﷺ کے لیے ایصالِ ثواب
۷۸	درود شریف پڑھنے کے آداب
۷۹	درود شریف کے بعض احکامات
۸۰	کیا درود شریف کے الفاظ متعین ہیں
۸۰	الفاظ درود شریف میں وائل بیت کا مصداق کون ہیں

- ۸۱ دعا کی قبولیت کیسے
- ۸۶ دعا کب قبول ہوتی ہے
- ۸۶ الہی بحق فلاں کہہ کر دعا مانگنا
- ۸۹ کیا خلافت صرف ۳۰ سال رہی
- ۹۰ کیا ہر خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہے
- ۹۲ سانپ سے بچاؤ
- ۹۳ محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں حضرت رضی اللہ عنہما کا موقف
- ۹۴ محمد بن عبد الوہاب کے متعلق سابقہ موقف سے رجوع
- ۹۵ آنحضرت ﷺ واسطہ فیض الہی ہیں
- ۹۵ اہلسنت کو آنحضرت ﷺ سے اعلم کہنے والا شخص کافر ہے
- ۹۶ ذکر ولادت شریعہ کے متعلق وہابیہ اور دیوبندیوں کے موقف میں فرق
- ۹۷ مشرکوں کا جھوٹا پاک ہے
- ۹۷ لیلۃ البراءۃ سے کون سی رات مراد ہے
- ۹۸ حدیث بدالاسلام غریباً کی تشریح
- ۱۰۱ سادات کو سید کہنے کی وجہ
- ۱۰۲ چند سوال و جواب
- ۱۰۵ حدیث رد اللہ علی روحی کا مفہوم
- ۱۰۸ کفر و شرک اور ظلم و عصیان
- ۱۱۰ تکفیر میں احتیاط لازم ہے
- ۱۱۱ شرک اور اس کے معنی
- ۱۱۳ توحید و رسالت دونوں پر ایمان ضروری ہے
- ۱۱۵ ایمان فرعون
- ۱۱۶ قواعد کلیہ شرعیہ جو کہ قطعی طور پر اس کے بطلان کے شاہد ہیں
- ۱۱۹ فرعون کے متعلق آیات خصوصہ بھی جمہور ہی کی تائید کرتی ہیں
- ۱۲۲ کیا گائے کا گوشت جناب رسول اللہ ﷺ نے تناول فرمایا ہے

۱۲۲	حدیث اولیائی تحت قبائی کا مطلب
۱۲۵	خلق اللہ آدم علی صورتہ کے معنی
۱۲۸	الالایۃ افضل من النبوة کے معنی
۱۳۰	انا مدینۃ العلم کی تحقیق
۱۳۲	علم حدیث کی تعریف
۱۳۳	وحی کیا ہے
۱۳۴	تدوین حدیث
۱۳۷	تصور شیخ
۱۳۷	تصور شیخ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں
۱۴۵	مساجد میں کیا کیا امور جائز ہیں
۱۴۶	مساجد و معابد کے متعلق ایک شرعی مسئلہ حضرات علماء کرام سے استفتاء
۱۶۸	حضرت شیخ الاسلام <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کو ناظم مظاہر علوم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا خراج عقیدت
۱۶۹	<b>نکاح و طلاق</b>
۱۷۱	مہر فاطمی کے بارے میں حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا موقف
۱۷۳	نکاح میں شیعوں کی گواہی
۱۷۴	کابین نامہ
۱۷۵	نکاح کا خطبہ بیٹھ کر پڑھنا
۱۷۵	مرد کے لیے تعداد ازدواج کی حکمت
۱۷۶	نکاح میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں
۱۷۶	کفر سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے
۱۷۷	ناشرہ عورت کا نفقہ شوہر پر نہیں ہے
۱۷۸	اسلام لانے کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں
۱۷۸	ایک مجلس میں تین طلاقیں
۱۸۰	داڑھی نہ رکھنے پر عتاب
۱۸۱	جائز و ناجائز افعال

۱۸۳	ایک وقف کی آمدنی اور سری جگہ خرچ کرنا
۱۸۳	دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ جس کا حوالہ دیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے
۱۸۶	مسجد میں غیر مسلم کے چندہ کا استعمال
۱۸۷	مدرسہ میں غیر مسلم کا مال صرف کرنا
۱۸۷	داڑھی کا وجوب
۱۹۲	پانچامہ پہننے کا ثبوت
۱۹۳	سجدہ تعظیسی
۱۹۷	قیام تعظیسی کی ممانعت
۱۹۷	اجارہ علی الطاعات
۱۹۸	سیاسی معاملات میں غیر مسلموں سے مدد لینا
۲۰۰	عیسائی ملکوں کا ذبیحہ
۲۰۱	دفع ظلم کے لیے جھوٹ بولنا
۲۰۲	مجبوری میں رشوت دینا
۲۰۳	تصویر کشی حرام ہے
۲۰۳	کس کروٹ پر سوئیں
۲۰۴	غیر اسلامی حکومت پر قناعت
۲۰۴	حرام آمدنی سے چندہ
۲۰۴	ابائیل حلال ہے
۲۰۵	تمباکو کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک
۲۰۵	غیر واجبی ٹیکس
۲۰۶	حقوق العباد
۲۰۶	ڈاکٹری علاج
۲۰۶	مشت زنی وغیرہ کی ممانعت
۲۱۰	والدین کی اطاعت
۲۱۱	عورتیں جماعت میں کیسے شریک ہوں

۲۱۱	ولد الزنا کی اولاد
۲۱۲	اونچی ایڑی کا چپل پہننا
۲۱۲	عورتوں کا لباس
۲۱۳	نظر کی حفاظت
۲۱۳	اجنبی سے پردہ
۲۱۴	محرموں سے پردہ کی حد
۲۱۴	میاں بیوی میں پردہ نہیں ہے
۲۱۵	عورتوں سے مصافحہ
۲۱۵	محرم عورتوں کے ساتھ رہن سہن
۲۱۶	مردوں کا لباس
۲۱۶	محکمہ پولیس میں ملازمت
۲۱۷	عمل سیکھنا اور اس کی اجرت لینا
۲۱۸	والد اور بیوی کی خوشنودی کے لیے لمبے بال رکھنا
۲۱۹	<b>دار الحرب اور سود</b>
۲۲۱	کیا ہندوستان دار الحرب ہے
۲۲۲	ہندوستانی بنکوں کے سود کا حکم
۲۲۳	کیا امام ابوحنیفہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> سود کو جائز کہتے ہیں
۲۲۴	ہندوستان دار الحرب ہے
۲۲۵	دار الحرب میں سود
۲۲۶	دار الحرب میں جمعہ کا قیام
۲۲۶	کیا سیکولر اسٹیٹ دارالاسلام ہے
۲۲۷	مشترکہ بنکوں سے سود لینا ممنوع ہے
۲۲۸	سرکاری بنکوں میں روپیہ جمع کرانے کا حکم
۲۲۸	دار الحرب میں سود کے متعلق چند سوال و جواب

۲۳۱

## رد بدعات و عقائد فاسدہ

۲۳۲

ایصالِ ثواب کا طریقہ

۲۳۶

گیارہویں شریف کا کھانا

۲۳۶

جماعت اسلامی

۲۳۷

مودودی جماعت گمراہ ہے

۲۴۱

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جانشین کیوں بنایا

۲۴۸

میلاد میں قیام

۲۴۸

میلاد میں قیام کی حقیقت

۲۴۹

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا

۲۵۱

کیا شیعہ کافر ہیں

۲۵۱

سنی کی جانماز پر شیعہ کے نماز پڑھنے کا حکم

۲۵۲

شیعوں کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے

۲۵۲

عیدین کے بعد مصافحہ کا حکم

۲۵۲

مرزا قادیانی اور عنایت اللہ مشرقی بے دین ہیں

۲۵۳

کیا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ختم نبوت کے منکر تھے

۲۵۳

مسئلہ علم غیب

۲۵۶

اعتراف کمال

## عرض ناشر

حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ علم و عمل کی جامع شخصیت تھے۔ آپ تفسیر، حدیث اور فقہ کے اُن اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں جن کے فرامین سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ مسند تدریس پر ایک محدث تھے۔ تورات کو مصلے پر ایک زاہد شب زندہ دلیہ تھے۔ آزادی کی جنگ میں مجاہد فی سبیل اللہ تھے تو قومی و ملی امور کے طے کرنے میں ایک مدبر اور مفکر تھے۔ سیاسی امور میں ایک نظریہ ساز مفکر تھے اور مسٹر شدین کی تعلیم و تربیت کے معاملے میں ایک شیخ اور مرشد تھے۔ آپ اپنے مریدوں کا ہر طرح خیال رکھتے۔ اُن کے سوالات کے جوابات رقم کرتے۔ ان کو اپنی مجالس اور تقاریر کے ذریعے ہدایات دیتے اور اپنے عمل سے وہ تبلیغ و تلقین کرتے جو بہت سے تقریروں سے زیادہ مؤثر تھے۔

حضرت والا اپنے مسٹر شدین اور متعلقین کو دیگر تصانیف کے علاوہ خطوط کے ذریعے راہ مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتے رہے۔ انھیں سیاسی، روحانی، فکری، عملی اور شرعی امور میں حسن عمل کا وہ راستہ دکھاتے جو سنت ثابتہ کے جادہ قوعہ پر چلنے والا شیخ ہی دکھا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے خطوط کا ایک بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ بے شمار خطوط جمع و تدوین کے مراحل سے گزر کر محفوظ ہو گئے۔ بہت سے خطوط ابھی کسی مرتب کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔ یقیناً غیر مدونہ اور غیر مطبوعہ خطوط جمع ہو جائیں تو آپ کی زندگی اور فکر کے بہت سے گوشے روشنی میں آ جائیں گے۔

آپ کے مکتوبات میں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق خطوط ملتے ہیں۔ ان سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے ان کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا لازمی ہے۔ اس کے لیے طویل فرصت درکار ہے۔ ہمیں احسان مند ہونا چاہیے حضرت کے نواسہ حضرت مولانا سلمان منصور پوری کا کہ انھوں نے حضرت کے فقہی معاملات سے متعلق خطوط کو یکجا کر دیا ہے۔ یوں حضرت کا ایک ذخیرہ فتاویٰ جمع ہو گیا ہے۔ یہ فتاویٰ ہمیں زندگی کے بہت سے گوشوں سے متعلق راہنمائی عطا کرتے ہیں۔ اس مجموعے کی افادیت کو دیکھتے ہوئے ہم نے سوچا کہ اس کی تخریج کروائی

جائے تاکہ یہ مجموعہ تحقیقی اعتبار سے بھی نافع بن سکے اور ہمارے عہد کے مفتیوں کے لیے بھی آسانی پیدا ہو سکے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ مفتی محمد عبدالوہاب منگلوری مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد فرید حسین ڈائریکٹر فقہی اکیڈمی میٹکورہ نے اپنی نگرانی میں تخریج کا اہم کام مکمل کرایا۔ آج ہم یہ اہم کام اپنے ادارے کی طرف سے پیش کرتے ہوئے رب ذوالجلال کے حضور سربسجود ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ فتاویٰ بزرگان دیوبند کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کے اس سلسلے کی اہم کڑی ہے جو فتاویٰ رشیدیہ سے شروع ہوا اور اب تک مسلسل جاری ہے۔ امید ہے قارئین کے وسیع حلقہ میں یہ کام علم نافع کا درجہ حاصل کرے گا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

محمد ریاض درانی

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

# فتاوى شيخ الاسلام

## مسواک کس لکڑی کی ہو

﴿س﴾

وضو کرتے وقت مسواک کس لکڑی کی استعمال کرنی چاہیے۔

﴿ج﴾

وضو میں مسواک کسی لکڑی کی ہو جائز ہے۔ مگر وہ لکڑیاں جن میں کڑواہٹ اور کھٹاپن ہو وہ مفید تر ہوتی ہیں اس لیے ان کا استعمال انسب ہے۔ پیلو کی مسواک سب سے افضل ہے (۱) مگر دوسری لکڑیاں بھی جائز ہیں۔ (۲)  
(مکتوبات ج ۱، ص ۷۶)

## سوتے وقت وضو یا تیمم

﴿س﴾

کیا سوتے وقت با وضو لینا چاہیے۔

﴿ج﴾

شب کو اور قیلولہ کے وقت میں اگر ممکن ہو تو وضو و نہ تیمم کر کے سوئیں۔ (۳)

(مکتوبات ج ۱، ص ۷۶)

(۱) شامی میں ہے کہ پیلو کی مسواک افضل ہے اس کے بعد زیتون کا درجہ ہے۔ وافضلہ الاراک ثم الزیتون (شامی ج ۱، ص ۱۱۵) ومثله فی الطحطاوی علی المراقی۔ ص: ۳۷

(۲) قوله (ویکرہ بمؤذ) قال الشامی ویستاک بكل عود الا الرمان والقصب وافضلہ الاراک ثم الزیتون روی الطبرانی نعم السواک الزیتون من شجرة مبارکة وهو سواکی وسواک الانبیاء من قبلی، ردالمختار ۲۵۲/۱ بیان سنن الوضوء رشیدیہ۔ ومثله فی الطحطاوی علی المراقی ص ۶۷ فی سنن الوضوء قدیمی۔

(۳) قال فی الشامی: وکذا یقوم التیمم مقام الوضوء لنحو نوم و دخول مسجد (شامی ج ۱، ص ۹۳) وقال فی الطحطاوی: قوله وندب الوضوء للنوم علی طهارۃ ظاہرہ انه لا یأتی بذلك المندوب الا اذا اخذہ النوم وهو متطهر (طحطاوی ج ۱، ص ۴۶)

آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بحالت جنابت مسجد سے گزرنے کی  
ممانعت سے مستثنیٰ کیوں رکھا گیا۔

﴿س﴾

درج ذیل حدیث شریف کے متعلق تشریح فرمادیں۔

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لعلی یا علی : لا یحل لاحد ان یجنب فی  
هذا المسجد غیری وغیرک وقال علی بن المنذر : قلت لضرار بن صرد ما معنی هذا الحدیث ؟  
قال لا یحل لاحد یتطرقة جنبا غیری وغیرک (۱)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا  
کہ اے علی میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے اس مسجد میں جنابت کی حالت میں رہنا جائز نہیں ہے۔ علی ابن  
منذر کہتے ہیں کہ میں نے ضرار ابن صرد سے اس حدیث کا مطلب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ مطلب یہ ہے  
کہ جنبی ہونے کی حالت میں مسجد سے گزرنا میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے روا نہیں ہے۔“ سوال یہ ہے  
کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بحالت جنابت دخول مسجد کی ممانعت سے مستثنیٰ کیوں رکھا گیا حالانکہ  
آپ بشریت سے خارج نہیں ہیں؟

﴿ج﴾

حالت جنابت میں استطراق مسجد کے امام شافعی رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر ائمہ سب کے لیے قائل ہیں ان کا  
استدلال آیت ﴿یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون ولا جنبا  
الا عابری سبیل حتی تغتسلوا﴾ (الایۃ) (۲) (اے ایمان والو! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ  
میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت تک کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے۔ یہاں تک کہ  
غسل کر لو) سے ہے، یہ حضرات جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے قائل ہیں۔ بطور صنعت استطراق صلوٰۃ سے اول میں  
حقیقت نماز اور ثانی میں موضع صلوٰۃ یعنی مسجد مراد لیتے ہیں اور عابری سبیل سے استطراق یعنی حقیقی معنی مراد

(۱) ترمذی مع العرف الشذی ابواب المناقب ج ۴ ص ۲۱۳

(۲) سورہ نساء آیت نمبر ۴۳

لیتے ہیں۔ (۱)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ جمع بین الحقیقتہ والمجاز کے مانع ہیں صلوٰۃ کو ہر دو امور میں حقیقت پر حمل کرتے ہیں اور عبور سبیل کو سفر پر حمل کرتے ہیں اور حالت سفر میں بغیر غسل تیمم سے نماز کی اجازت دیتے ہیں۔ اس لیے کہ عدم وجدانِ ماء سفر میں عذر ہے حضر میں نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیز حضر میں عموماً نہیں پائی جاتی۔ (۲)

دوسری توجیہ حنفیہ کے یہاں عبور سبیل کی مخصوص اس حالت کے ساتھ ہے کہ کسی کو مسجد میں جنابت بالاحتلام عارض ہوگئی اس کو بالتیمم اور بعض ائمہ (غالباً امام بخاری بھی ان ہی میں سے ہیں) بغیر تیمم اس آیت سے عبور سبیل اور خروج عن المسجد کی اجازت دیتے ہیں۔ (۳)

(۱) قال ابن رشد فی بدایة المجتهد: وقوم منعوا ذلك الالعابز فيه لا مقيم ومنهم الشافعي (بدایة المتجهد ج ۱ ص ۴۷ الباب الثالث فی احکام هذین اعنی الجنایة والحیض: رشیدیہ۔ وقال وهبة الزحيلي يحرم علی الجنب قراءة القران ودخول المسجد: المطلب السادس ما يحرم علی الجنب وتحوه الفقه الاسلامی وادلته ج ۱ ص ۳۸۳ بیروت، الاعتكاف فی المسجد اجماعاً، ودخول المسجد مطلقاً ولو عبوراً أو مجتازاً عند الحنیفة والمالکیة: لما اخرجہ ابوداود وغيره عن عائشة، قالت: جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبيوت الصحابة شارعاً فی المسجد، فقال: وجهوا هذه البيوت عن المسجد، فأتى لا أحل المسجد للحائض ولا للجنب ولحديث أم سلمة قالت دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرحاً المسجد، فنادى بأعلى صوته! ان المسجد لا يحل لحائض ولا للجنب والمراد لعابري سبيل فی الآية: المسافرون، فالمسافر مستثنى من النهي عن الصلوة بلا اغتسال، وبيئت الآية ان حكمه التيمم، الفقه الاسلامی ج ۱ ص ۳۸۵ ص بیروت۔

(۲) قال فی البدائع: ولا يباح للجنب دخول المسجد وان احتاج الي ذلك يتيمم ويدخل سواء كان الدخول لقصد المكث اولاً جتيازاً عندنا وقال الشافعي يباح له الدخول بدون التيمم اذا كان مجتازاً واحتج بقوله تعالى يا ايها الذين آمنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون ولا جنباً الا عابري سبيل حتى تغتسلوا قيل المراد من الصلوة مكانها وهو المسجد كذا روى عن ابن مسعود وعابر سبيل هو المار يقال عبر اي مر نهى الجنب عن دخول المسجد بدون الاغتسال واستثنى عابري السبيل وحكم المستثنى يخالف حكم المستثنى منه فيباح له الدخول بدون الاغتسال ولنا ما روى عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال سدوا الابواب فأتى لا احلها للجنب ولا لحائض والهاء كناية عن المساجد نفى الحل من غير فصل بين المجتاز وغيره، واما الآية فقد روى عن علي وابن عباس رضی اللہ عنهما ان المراد هو حقيقة الصلوة وان عابر السبيل وهو المسافر الجنب الذي لا يجد الماء فتيمم فكان هذا اباحة الصلوة بالتيمم للجنب المسافر اذا لم يجد الماء وبه نقول۔ وهذا التاويل اولی لان فيه بقاء اسم الصلوة علی حالها۔ (بدائع الصنائع، ج: ۱، ص: ۳۸)

(۳) نقل العلامة الشامي: ولو اصابته جنابة فی المسجد قيل لا يباح له الخروج من المسجد من غير تيمم اعتباراً بالدخول وقيل يباح (شامی ۱/۳۴۵)

بہر حال جب کے لیے استطر اق مسجد مطلقاً ممنوع ہی نہیں تاکہ اشکال کیا جائے۔ جو احادیث ممانعت پر دال ہیں وہ صراحۃً یا بعض مراد دخول کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں اور مسئلہ عنہا روایت استطر اق پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے مخالفت اصل مذاہب نہ ہوگی اس صورت میں اوروں کو منع کرنا حقیقت میں فتح ابواب الی المساجد سے کنایہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا حجرہ نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بلکہ جملہ ازواج کے حجرے سب کے دروازے مسجد ہی کی طرف تھے اور علاوہ نماز کے جملہ امور مسلمین مسجد میں انجام پاتے تھے۔ مجلس قضاء بھی یہیں ہوتی تھی۔ مجالس تعلیم و مشاورت بھی یہیں منعقد ہوتی تھیں اور دیگر امور متعلقہ بالامت یہاں ہی انجام پاتے تھے۔ اس لیے ہر وقت مسجد میں آمد و رفت کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس لیے بخاری نے ابواب مسجد میں ان جملہ امور کے لیے ابواب منعقد کئے ہیں۔ بناء علیہ آپ ﷺ کے لیے ضروری تھا کہ مسجد ہی کی طرف دروازہ رکھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوقت مواخاۃ آپ ﷺ نے اپنا حلیف اور اخ (بھائی) بنایا، اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بعد از بدر نکاح کر دیا اور ان کی آمد و رفت اور دوسری ضروریات مقتضی تھیں کہ ان کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف رکھا جائے۔ دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے دروازے مسجد کی طرف بنائے اس حدیث میں ان کو دروازے بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی علت فرمائی گئی ہے کہ دروازوں کا مسجد کی طرف رہنا مرور فی المسجد فی حالة الجنابة کو مستلزم ہے اور یہ درست نہیں ہے مگر چونکہ حسب قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات (۱) جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے ایسی ضرورتیں تھیں جس کی بناء پر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے اس لیے اور دروازے بند کر دیئے جائیں صرف یہ دروازے کھلے رہیں۔ (۲)

اس کے بعد سب لوگوں نے اپنے اپنے دروازے دوسری طرف کھول لیے۔ مگر چونکہ نمازوں میں اور جماعات کے اوقات میں شرکت جماعت میں مشکلات حائل ہوئیں تو کھڑکیوں کی اجازت چاہی چنانچہ اس کی اجازت دیدی گئی کہ اس میں استطر اق فی حالة الجنابة کی نوبت نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر آخر میں ان خوخت (کھڑکیوں) کو بھی بند کر دیا گیا اور صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خونے کی اجازت دی گئی۔ جس سے ائمہ نے خلافت کی طرف اشارۃً استنباط کیا ہے۔

مساجد کی تعظیم اور ان کو امتہان سے بچانے کا حکم بھی تدریجاً ہوا ہے۔ چنانچہ یہ روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے حالت جنابت میں باہتمام مرور کی اجازت اور خاص خاص احوال میں اجازت۔ ائمہ نے مجموعہ احادیث

(۱) شرح المجلہ ج ۱ ص ۵۵ المارہ ۲۱: مر رشیدیہ

(۲) قال الشامی: وفيه: وقد علم ان دخوله ﷺ المسجد جنبا ومكثه فيه من خواصه وكذا هو من خواص

علی رضی اللہ عنہ کما ورد من طرق ثقات تدل علی ان الحدیث صحیحہ (شامی ۳۳۵/۱)

سے جو کہ آخری استقرار حکم پر دلالت کرتی ہیں استنباط کیا ہے۔ واللہ اعلم (مکتوبات ۲۳۰/۱-۲۳۲)

## شیعہ کے وضو کا بقیہ پانی

﴿س﴾

کسی شیعہ مذہب رکھنے والے نے وضو کیا اور لوٹے میں اس کے وضو کرنے کے بعد پانی بچ رہا ہے تو وہ پانی طاہر ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

شیعوں کے متعلق پوری معلومات تو مولانا عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہیں ان سے دریافت کرنا چاہیے مگر میرے خیال میں ان کے وضو کا بقیہ پانی پاک ہے۔ (مکتوبات ۲۷۸/۱)

﴿س﴾

خاکسار کو تقریباً ۱۲ برس سے بوا سیر خونی کا عارضہ ہے، چھوٹا استنجاء کر لینے یا پاخانے کے بعد ریاح کی کچھ دیر کے لیے کمی ہو جاتی ہے، اس طرح کسی صورت سے نماز ادا کرتا ہے۔ لیکن بعض وقت اس قدر ریاح کی کثرت رہتی ہے کہ ایک وضو سے ۴ رکعت پڑھنا غیر ممکن ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں تا بعد ادا کیا کرے۔

﴿ج﴾

جب تک نماز کے پورے وقت میں اتنا وقت نہ مل سکے کہ وضو اور فرض کو بلا عذر نہ ادا کر سکیں، جب تک انسان معذور شرعی شمار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بار بار ہی وضو کرنا ہوگا۔ (۱)

البتہ ریاح کو صرف اسی وقت ناقض وضو شمار کیا جائے گا، جبکہ ظن غالب ہو جائے کہ ریح خارج ہوئی۔ (۲)

(مکتوبات ۹۱/۳)

(۱) یہ حکم اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے، ولا فرق بین الكبير والصغير والمسلم والكافر ذکرة صاحب مراقی الفلاح تحت حکم الاسار انه طاهر مطهر۔ مراقی الفلاح مع الطحطاوی ۲۹/۱ فی احکام سور قدیمی۔ سور الآدمی طاهر ویدخل فی هذا الجنب والحائض والنفساء والكافر عالمگیری ۲۳/۱ مر رشیدیہ بعد الفصل الثانی فیما لا یجوزہ التوضوء وقال قاضیخان؛ هؤر طاهر لا کراهیة فیہ وهو سور الآدمی علی ای صفة کان: فتاویٰ قاضیخان موضوع علی هامش الہندیہ ۱۸/۱ فصل فی الآسار مر رشیدیہ وقال وهبة الزحیلی - سور طاهر مطهر بلا کراهة وهو الذي شرب منه الآدمی ولا فرق بین ان یکون الآدمی صغیراً أو کبیراً مسلماً أو کافراً۔ یدل طهارة سور الآدمی مطلقاً: مارواه أبو هريرة قال! یا رسول الله لقیتم وانا جنب، فکرت ان اجالسک، فقال صلی اللہ علیہ وسلم! سبحان الله، ان المؤمن لا ینجنس وروی مسلم عن عائشة قالت: کنت أشرب وانا حائض، فأنا وله النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیضع فاه علی موضع فی الفقه الاسلامی ج ۱ ص ۱۳۰ المطلب الاول فی حکم الآسار:

(۲) قال فی البحر: فالحاصل ان صاحب العذر ابتداء من استوعب عذره تمام وقت صلوة: البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۰ باب الحيض: مر رشیدیہ ومثله فی المراقی مع الطحطاوی ص ۱۵۰ باب الحيض والنفس والا ستحاضة ومثله فی الہندیة ص ۴۰ ج ۱ بعد الفصل الرابع فی احکام الحيض والنفس والاستحاضة

## ریاح نکلنے کا وہم ناقض وضو نہیں ہے

﴿س﴾

بعض وقت ایک عجیب قسم کی ریح چلتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ گے اندر سے چلی اور پھر پاخانہ کے مقام تک آ کر واپس ہوتی ہے نہ ہوا خارج ہوتی ہے نہ آواز لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاخانہ کے مقام تک ریح کا دورہ ہو گیا نماز ہوئی یا پھر سے وضو کر کے نماز پڑھے۔

﴿ج﴾

نماز ہو جائے گی وہم نہ کرنا چاہیے۔ (۱) (مکتوبات ۹۱/۳)

## ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا

﴿س﴾

ایک ناواقف آدمی نے حالت جنابت میں نمازیں پڑھ لیں، تو کیا اس کی ناواقفیت کو عذر قرار دے کر اس کی نمازیں صحیح کہی جائیں گی۔

﴿ج﴾

جو نمازیں ناواقفیت کی وجہ سے حالت جنابت (ناپاکی) میں پڑھی گئی ہیں وہ سب واجب الاعدہ ہیں (۲) ناواقفیت مسلمان کے لیے اس ملک اور اس زمانہ میں عذر نہیں ہے۔ (۳) (مکتوبات ۱۶/۳)

(۱) ولو ایقن بالطہارة وشك بالحدث او بالعكس اخذ بالیقین درمختار ۳۱۰/۱ مطلب فی ندب مراعاة الخلاف اذا لم يرتكب مكرورة مذہبہ وفي الفقه الاسلامی: وقال الجمهور غير المالكية وهو الأولی لا ینقض الوضوء بالشك، فمن تیقن الطہارة وشك فی الحدث، او تیقن الحدث وشك فی الطہارة بنی علی الیقین، وهو الطہارة فی الأولی، والحدث فی الثانية، لحديث عبد الله بن زید قال شكی الی النبی ﷺ الرجل یخیل الیه أنه یجد الشیء فی الصلوة فقال لا یتصرف حتی یسمع صوتا او یجد ریحاً ولأنه اذا شك تعارض عنده الأمران، فیحجب سقوطهما، كالبیعتین اذا تعارضتا تساقطتا ویرجع الی الیقین وبناء علیہ قرر

الفقهاء قاعدة عامة وهي: الیقین لا یزول بالشك ۱۰ ص ۲۸۲ المطلب السابع - نواقض الوضوء بیروت

(۲) قال النبی ﷺ لا تقبل صلوة بغير طهور الخ

(۳) فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون الآیه.

## ناپاکی میں نماز پڑھانے کا وبال امام پر ہے

﴿س﴾

ناواقفیت کی وجہ سے امام نے ناپاکی کی حالت میں نمازیں پڑھادیں، یہ بھی صحیح معلوم نہیں کہ کن کن لوگوں نے اس کی اقتداء کی ہے تو اب وہ کیا کرے۔

﴿ج﴾

جو نمازیں ناواقفیت کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں پڑھائی گئی ہیں وہ سب بھی واجب الاعدادہ ہیں۔ (۱) مقتدیوں کی نمازوں کا بار بھی امام ہی پر ہے اور اگر وہ معلوم نہیں ہیں تو امام کو اللہ تعالیٰ کے سامنے صدق دل سے دعا کرنی چاہیے ان مقتدیوں کا ذمہ بری ہے امام کو اپنے اور ان سب مقتدیوں کے لیے دعا کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا اور رونا چاہیے بجز توبہ و استغفار اور کوئی صورت نہیں۔ (مکتوبات ۱۶/۴)

## ناپاکی میں نماز پڑھانا سخت جرم ہے

﴿س﴾

حضرت والا! بندہ سے یہ قصور ہو گیا ہے کہ میں نے بدنامی کے خوف سے ناپاکی کی حالت ہی میں کچھ نمازیں پڑھادیں، مجھے کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

میرے محترم! آپ نے ناپاکی کی حالت میں جو نمازیں پڑھائیں اس میں آپ نہایت سخت جرم کے مرتکب ہوئے ہیں (۲)۔ یہ اللہ تعالیٰ پر (جو کہ پوشیدہ اور ظاہر سب پر مطلع ہے اور ہر وقت ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے) انتہائی جرأت ہے۔ آپ کو ہرگز ہرگز ایسا جان بوجھ کر نہیں کرنا چاہیے تھا، اللہ تعالیٰ کے سامنے تنہائی میں رویئے اور پشیمانی ظاہر کر کے معافی طلب کیجئے اور آئندہ کبھی بھی ایسا نہ کیجئے چاہے کتنی بھی بے شرمی محسوس ہوتی

(۱) وان لم یکن كذلك واحتمل انه قال علی وجه التورۃ والاحتیاط اعدوا صلواتہم۔ (عالمگیری ۸۷/۱)  
 (۲) قصد اے وضو نماز پڑھنا اگرچہ ظاہر الروایۃ میں موجب کفر نہیں ہے لیکن حنفیہ کی ایک نادر الروایۃ یہ ہے کہ ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے۔ اس سے اس عمل کی شاعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وان الکفار روایۃ النوادر وفی ظاہر الروایۃ لایکون کفراً (شامی ۱۹۱/۱ فی اول کتاب الطہارۃ)

ہو، اثنائے نماز میں اگر ناپاکی کا علم ہو جائے یا وضو ٹوٹ جائے تو فوراً نماز توڑ دیجئے، اور مقتدیوں سے کہہ دیجئے کہ میری نماز ٹوٹ گئی تم نماز پڑھ لو، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے سامنے ہیچ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھ کر مایوس نہ ہوئے مگر اس قہار و جبار عالم الغیب والشہادت کی پکڑ اور اس کے غیظ و غضب سے کبھی مطمئن نہ ہوئے فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخسرون (خدا کی خفیہ تدبیروں اور گرفتوں سے سوائے خاسر لوگوں کے کوئی مطمئن نہیں ہوتا)۔ (مکتوبات ۱۹/۴-۲۰)

## نماز کب فرض ہوتی ہے

﴿س﴾

آدمی پر نماز کب فرض ہوتی ہے۔

﴿ج﴾

لڑکی اور لڑکے پر نماز بلوغ سے واجب ہوتی ہے بلوغ کی پہچان احتلام ہونا ہے یا بیوی کو حاملہ کر دینا۔ اور اگر یہ دونوں چیزیں نہ معلوم ہوں تو پندرہ برس کی عمر کا اعتبار ہوگا اور عورت میں بلوغ کی علامت حیض کا آنا یا احتلام کا ہونا یا حاملہ ہو جانا ہے اور اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پندرہ برس پورے ہو جانے کافی ہوں گے، اسی وقت سے تمام احکام شرعیہ لڑکی اور لڑکے پر واجب ہو جاتے ہیں۔ (۱) (مکتوبات ۲۲/۴)

## نماز میں ستر عورت

﴿س﴾

نماز میں عورت کو اپنا کتنا حصہ بدن چھپانا ضروری ہے۔

﴿ج﴾

نماز میں عورت کو اپنے تمام جسم کا چھپانا فرض سے نحر چہرہ، دونوں ہتھیلیوں اور دونوں قدموں کے۔ (۲)

(مکتوبات ۸۶/۴)

(۱) بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجارية بالاحتلام والحیض والحبلى فان لم يوجد فيهما فحتى

يتم لكل منهما خمس عشرة سنة يفتى (تنوير الابصار مع الدر المختار ۱۵۳/۶)

(۲) وبدن الحرة عورة الا وجهها وكفيها وقدميها (كنز الدقائق مع البحر ۲۶۹/۱ عالمگیری ۵۸۱)

## نماز میں اگر کوئی عضو کھلا رہ گیا؟

﴿س﴾

نماز کے دوران اگر عورت کا کوئی عضو کھل گیا تو نماز کب فاسد ہوگی۔

﴿ج﴾

اگر نماز میں کسی عضو کا چوتھائی حصہ اتنی دیر کھلا رہے گا جتنی دیر میں وہ کوئی فریضہ نماز ادا کرتی تو نماز باطل ہو جائے گی حتیٰ کہ اگر سر کے بالوں کا چوتھائی حصہ یا گردن یا بائبا نہہ کا چوتھائی حصہ کھل جائے گا تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ یہ کھلنا گھر میں ہو یا باہر، اندھیرے میں ہو یا روشنی میں، کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔ (۱)

(مکتوبات ۸۶/۴)

## کون سی عورتیں اقتداء کر سکتی ہیں

﴿س﴾

اگر عورتیں مرد کی اقتداء میں نماز پڑھنی چاہیں، تو کیا ان میں رشتہ داری کی ضرورت ہے یا ہر عورت اقتداء کر سکتی ہے۔

﴿ج﴾

اقتداء ہر عورت، خواہ اجنبی ہو یا رشتہ دار، ذی رحم محرم ہو یا جائز النکاح کر سکتی ہے اور نماز ہر دو کی صحیح ہوگی، ہاں اس کو امام کے پیچھے کھڑا ہونا ہوگا، یعنی اگر ایک ہی مقتدی ہے تو مردوں کی طرح امام کے داہنے نہیں کھڑی ہو سکتی اگرچہ اپنی ماں ہی ہو۔ (۲) (مکتوبات ۸۵/۴)

## اول وقت نماز پڑھنا

﴿س﴾

نمازیں اول وقت پڑھنی چاہئیں یا اس میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے۔ احادیث سے کیا معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ویمنع حتی انعقادھا کشف ریم عضو قدر اداء رکن بلا صنعه من عورة غلیظة او خفیفة علی المعتمد (درمختار ۱۰۰/۲)

(۲) اما الواحدة فتتأخر (درمختار ۳۶۸/۲)

﴿ج﴾

اول وقت پر نماز بیشک بہتر ہے مگر جن روایات میں اول وقت کا ارشاد ہے ان میں اول وقت جواز مراد ہے یا اول وقت استحباب۔ بر تقدیر شق اول بہت سی روایات صحیحہ کا ترک لازم آتا ہے اور تقدیر شق ثانی پر جمع بین الروایات ہو جاتا ہے۔

وهو الاوفق لظاهر الرواية عن ابي حنيفة (۱) (مکتوبات ۱/ ۳۱۱)

توبہ کے بعد بھی قضا ضروری ہے

﴿س﴾

راقم الحروف (مرتب مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ سے قضا عمری کے متعلق یہ شبہ پیش کیا تھا کہ جب توبہ کر کے کوئی نماز کا پابند ہو گیا اور اب قضا نہیں ہوئی تو پھر توبہ نے ما قبل کو بھی ذمہ سے ساقط کر دیا اب پھر قضا عمری کی کیا ضرورت ہے۔

﴿ج﴾

نمازوں کے قضا ہونے کی وجہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک وہ گناہ جو عدول حکمی کی بناء پر ہوتا ہے دوسری چیز اشتغال ذمہ جو کہ وجوب نماز اور وقت کی بناء پر ہوا تھا، توبہ اور اس کی قبولیت کی بناء پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے زائل ہو جائے گا، مگر امر ثانی یعنی فراغت ذمہ توجہ ہی ہوگی جبکہ مَا وَجِبَ كُودَاءِ كَرْدِيَا جَاءِ اس لیے قضا ضروری ہے (۲) دنیاوی دیون ناس پر خیال فرمائیے۔

(مکتوبات ۱/ ۳۱۳)

(۱) قال ابن عابدین رحمہ اللہ ذکر شراح الهدایة وغیرہم فی باب التیمم ان اداء الصلوة فی اول الوقت افضل الا اذا تضمن التأخیر فضیلة لا تحصل بدونہ کتکثیر الجماعة (ردالمحتار هامش الدر المختار ص ۳۶۶ جلد ۱ باب التیمم - مطلب فی الفرق بین الظن وغلبة الظن)۔

(۲) قال فی الدر المختار: اذا التأخیر بلا عذر کبیرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة او الحج الخ وفي الشامی قوله بل بالتوبة ای بعد القضاء اما بدونہ فالتأخیر باق فلم تصح التوبة منه (الدر المختار مع شرحه ردالمحتار ص ۲۶۶ جلد ۲ کتاب الصلوة علی صدر باب قضاء الفوائت)۔

## رفع یدین کا ثبوت ہے یا نہیں



مشکوٰۃ اور مسلم میں ہے اور یہ مشکوٰۃ کے حاشیہ سے لیا گیا ہے۔

(۱) عن جابر بن سمرة رضى الله عنه قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال مالي اراكم رافعي

ايديكم كانوا اذ ناب خيل شمس اسكنوا في الصلوة (۱)

(۲) قال سمعت عن جابر بن سمرة رضى الله عنه يقول كنا صلينا خلف النبي ﷺ قلنا

السلام عليكم السلام عليكم ورحمة الله وبركاته و اشار بيده الجانبين فقال رسول الله ﷺ علام

تومون بايدكم كانوا اذ ناب خيل شمس انما يكفي احدكم ان يضع يده على فخذاه ثم يسلم

على اخيه عن يمينه وعن شماله (۲) یہ حدیث (یعنی حدیث نمبر ۱) محمد بن طرف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (فی

رواية (۳) المسلم قال صليت مع رسول الله ﷺ فكنا اذا سلمنا قلنا بايدنا السلام عليكم السلام

عليكم فينظر الينا رسول الله ﷺ فقال ما شانكم تشيرون بايدكم ) یہ حدیث نمبر ۲ عبد اللہ بن قبطیہ

سے ہے یہ دونوں حدیثیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں حالانکہ یہ دونوں حدیثیں ایک نہیں ہیں اس حدیث

(یعنی حدیث نمبر ۱) میں رفع یدین کی ممانعت ہے اور اس حدیث (یعنی حدیث ۲) میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے

کی ممانعت ہے۔ اس حدیث (یعنی نمبر ۱) میں خرج علينا رسول الله ﷺ ہے یعنی نکلے ہم پر رسول اللہ ﷺ

حصص نماز میں شامل نہیں تھے اور حدیث (نمبر ۲) میں كنا صلينا مع رسول الله ﷺ ہے یعنی ہم رسول

اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے و اشار بيده الي الجانبين یعنی اشارہ کیا سلام پھیرتے وقت دونوں ہاتھوں

سے۔ پس عرض یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہیں یا علیحدہ علیحدہ اور رافعی ایديكم سے رفع یدین عند

الركوع وغيره مراد ہے؟ اور کیا تکبیر تحریمہ میں بھی رفع یدین کرنے کی ممانعت اس سے ثابت ہوتی ہے؟ اور

اسكنوا في الصلوة علیحدہ چیز ہے یا اشار بيديه الي الجانبين کا مقصد ایک ہے کیوں کہ پہلی حدیث میں رفع

یدین کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ہے پس اس کا جواب مدلل تشفی

بخش تحریر فرما کر ارسال فرمائیں۔ بینواتو جروا۔

(۱) مشکوٰۃ ص ۵۷ باب صفة الصلوة الفصل الاول حاشیہ نمبر ۷ م قدیمی مسلم شریف ج ۱، ص ۱۸۱ باب الامر

بالسكون في الصلوة م قدیمی۔

(۲) مسلم شریف ج ۱، ص ۱۸۱ باب الامر بالسكون في الصلوة م قدیمی

(۳) مسلم شریف ج ۱، ص ۱۸۱ باب الامر بالسكون في الصلوة م قدیمی



(۱) عن تمیم بن طرفه عن جابر بن سمره رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج علينا رسول اللہ ﷺ ونحن رافعوا ايدينا في الصلوة فقال ما بالهم رافعين ايديهم في الصلوة كأنها اذنان الخيل الشمس اسكنوا في الصلوة۔ (۱)

ترجمہ: تمیم بن طرفہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نکل کر ہمارے پاس جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس حال میں جبکہ ہم نماز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے تو فرمایا کہ ان کو کیا ہوا کہ نماز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں جیسے کہ چمکنے والے گھوڑوں کی دُمیں ہوتی ہیں نماز میں سکون اختیار کرو۔

(۲) عن تمیم الطائنی عن جابر بن سمره رضی اللہ عنہ قال دخل علينا رسول اللہ ﷺ والناس رافعوا ايديهم قال زهير اراه قال في الصلوة فقال مالي اراكم رافعي ايديكم كأنها اذنان خيل شمس اسكنوا في الصلوة الحديث۔ (۲)

ترجمہ: تمیم طائنی جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس جناب رسول اللہ ﷺ ایسی حالت میں داخل ہوئے کہ لوگ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے یعنی نماز میں تو فرمایا کہ مجھ کو کیا ہوا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ایسی طرح کہ گویا وہ چمکنے والے گھوڑوں کی دُمیں ہیں نماز میں سکون کرو۔

(۳) عن عبيد الله بن القبطية عن جابر بن سمره رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كنا نصلی خلف النبی ﷺ فنسلم بايدينا فقال ما بال هولاء يسلمون بايديهم كأنها اذنان خيل شمس اما يكفي احديهم ان يضع يده على فخذه ثم يقول السلام عليكم السلام عليكم۔ (۳)

ترجمہ: عبید اللہ بن قبطیہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے سلام کیا کرتے تھے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ اپنے ہاتھوں سے اسی طرح سلام کرتے ہیں کہ گویا وہ چمکنے والے گھوڑوں کی دُمیں ہیں کیا ان کو یہ کافی نہیں ہے کہ اپنی رانوں پر ہاتھ رکھیں پھر کہیں کہ السلام علیکم السلام علیکم۔

(۱) نسائی شریف ج ۱، ص ۱۷۶: کتاب السهو باب اتلام بالایدی فی الصلوة م قدیمی

(۲) ابوداؤد ج ۱، ص ۱۵۰ باب فی السلام: م امدادیہ ملتان

(۳) سنن نسائی ج ۱، ص ۱۷۶: کتاب السهو باب السلام بالایدی فی الصلوة۔ م قدیمی

(۴) عن عبید اللہ بن قبطیہ عن جابر سمرة رضی اللہ عنہ قال کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ ﷺ احدنا اشار بیدہ من عن یمینہ ومن عن یسارہ فلما صلی قال ما بال احدکم یومی بیدہ کانہا اذ ناب خیل شمس انہما یکفی احدکم ان یقول ہکذا و اشار باصبعہ یسلم علی اخیہ من عن یمینہ ومن عن شمالہ (۱)

ترجمہ: عبید اللہ بن قبطیہ جابر بن سمرة رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو جب ہم میں سے کوئی سلام پھیرتا تھا تو اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتا تھا داہنے والوں اور بائیں والوں کی طرف تو جب جناب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو کیا ہوا کہ وہ اس طرح اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتا ہے جس طرح چمکنے والے گھوڑوں کی دم ہوتی ہے کیا ہر ایک کو کافی نہیں کہ اس طرح کرے اور اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ الخ

(۵) عن عبید اللہ بن القبطیہ عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال کنا اذا صلینا مع رسول اللہ ﷺ قلنا السلام علیکم ورحمة اللہ والسلام علیکم ورحمة اللہ و اشار بیدہ الی الجانبین فقال رسول اللہ ﷺ علام تو مون بایدیکم کانہا اذ ناب خیل شمس انہما یکفی احدکم ان یضع یدہ علی فخذہ ثم یسلم علی اخیہ من علی یمینہ و شمالہ (۲)

ترجمہ: عبید اللہ بن قبطیہ جابر بن سمرة رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم جب جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو کہتے تھے السلام علیکم ورحمة اللہ والسلام علیکم ورحمة اللہ اور اشارہ اپنے ہاتھوں سے دونوں جانبوں پر کرتے تھے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم کیوں اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہو کہ گویا وہ میں چمکنے والے گھوڑوں کی ہیں کیا تم میں سے کسی کو یہ کافی نہیں ہے کہ وہ اپنی ران پر ہاتھ رکھے پھر اپنے بھائی کے لیے سلام داہنی طرف اور بائیں طرف پھیرے۔

(۶) عن عبید اللہ عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال صلیت (صلینا) مع رسول اللہ ﷺ فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم والسلام علیکم فنظر الینا رسول اللہ ﷺ فقال ما شانکم تشیرون بایدیکم کانہا اذ ناب خیل شمس اذا سلم احد فلیلتفت الی صاحبہ ولا یومی بیدہ (۳)

(۱) ابوداؤد ج۱، ص ۱۵۰ عن عبید اللہ ابن القبطیہ عن جابر بن سمرة الخ باب فی السلام: م امدادیہ ملتان

(۲) مسلم شریف ج۱، ص ۱۸۱ باب الامر بالسکن فی الصلوۃ م قدیمی

(۳) مسلم شریف ج۱، ص ۱۸۱ باب الامر بالسکون فی الصلوۃ م قدیمی

ترجمہ: عبید اللہ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے (ہم نے) جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو ہماری عادت تھی کہ جب ہم سلام پھیرتے تھے تو اپنے ہاتھوں سے کہتے تھے السلام علیکم السلام علیکم تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ تمہاری کیا شان ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہو کہ گویا وہ چمکنے والے گھوڑوں کی ڈ میں ہیں جب تم میں سے کوئی سلام پھیرا کرے تو اپنے ساتھی کی طرف التفات کیا کرے اور اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہما کے دو شاگرد تمیم بن طرفۃ طائی اور عبید اللہ قطیبیہ اس حدیث کو اپنے استاد حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ صحاح میں یہ روایت مسلم ابوداؤد، نسائی میں موجود ہے ہم نے تینوں کے الفاظ نقل کر دیئے ہیں تاکہ صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ کیوں کہ روایات کے طرق متعددہ کے الفاظ روایات کی توضیح کرتے ہیں اس لیے مندرجہ ذیل امور غور طلب ہیں (اول) یہ کہ آیا ہر دو روایتیں ایک ہی واقعہ کی حکایت کرتی ہیں یا واقعات مختلفہ پر روشنی ڈالتی ہیں؟ جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمیم کی روایت کے تمام طرق کے الفاظ اور کلمات کے مدلولات عبید اللہ کے الفاظ اور کلمات کے مدلولات سے مختلف ہیں تو یقین ہوتا ہے کہ ہر دو کے واقعات علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(الف) تمیم کی روایت کے تمام طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لائے اور عبید اللہ کی روایت کے طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز میں شریک تھے۔

(ب) تمیم کی روایت کے تمام طرق بتلاتے ہیں کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اپنی نمازیں پڑھ رہے تھے اور سب منفرد تھے اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ نماز باجماعت تھی جناب رسول اللہ ﷺ امام تھے اور صحابہ کرام آپ کے مقتدی تھے۔

(ج) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو صحابہ کرام نماز میں رفع یدین کر رہے تھے اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ صحابہ کرام نماز سے فراغت پر سلام کرتے ہوئے ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے کسی میں رفع یدین کا تذکرہ نہیں ہے۔

(د) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے نماز میں رفع یدین کرنے پر انکار فرمایا اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سلام کرتے ہوئے ہاتھوں سے اشارہ کرنے اور اس کے اٹھانے (رفع) پر انکار فرمایا۔

(ہ) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سکون کا حکم فرمایا اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سلام کرتے ہوئے ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے اور

انگلیوں سے اشارہ کرنے اور عدم التفات الی الاخوان کا حکم فرمایا۔

(و) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا انکار رفع یدین پر اس وقت ہوا جب کہ صحابہ کرام نماز میں تھے اور رفع یدین کر رہے تھے اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا منع فرمانا سلام پھیرنے اور نماز ختم کرنے کے بعد ہوا۔

(ز) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو نوافل اور سنن اور منفرد نماز میں ہدایت فرمائی اور عبید اللہ کی روایت کے طرق دلالت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کو فریضہ اور باجماعت نماز کے متعلق ارشاد فرمایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وجوہ مذکورہ بالا سے دونوں روایتوں کا تغایر معلوم ہوتا ہے۔ پھر ان کو ایک ہی واقعہ بتلانا کس قدر ظلم صریح ہے جن حضرات نے اس کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے سیاق و سباق سے بے توجہی فرما کر اپنے مذہبی تعصب کی بناء پر ایسے ظلم کو اختیار فرمایا ہے۔ راوی صحابی یعنی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما کا ایک ہونا واقعہ کی وحدت کا متقاضی نہیں ہے ایک ہی راوی مختلف امور کو نقل کرتا ہے اور احوال مختلفہ کو اوقات مختلفہ میں مشاہدہ کر کے ہر حال کو ذکر کرتا ہے۔ سیاق و سباق پر غور کرنا اور ہر ایک کو اپنے مقام پر رکھنا فقیہ کا فریضہ ہے۔ بہر حال تمیم بن طرفہ کی روایت نص صریح ہے جو کہ نماز میں مطلقاً رفع یدین سے منع کرتی ہے خواہ بوقت رکوع ہو یا بوقت سجود ہو اور خواہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ہو یا سجدہ سے سر اٹھاتے وقت ہو اور خواہ عند القیام الی الثانیہ ہو یا عند القیام الی الثالثہ والرابعہ ہو یہ سب ممنوع ہے۔

(۲) دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اسکنوا فی الصلوٰۃ عام اور مطلق ہے کسی وضع اور حالت سے مقید نہیں کیا گیا ہے اور چونکہ اصول کا متفق علیہ مسئلہ ہے العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص المورد اس لیے اگر فرض کر لیا بھی جائے کہ یہ ارشاد رفع یدین عند السلام کے لیے واقع ہوا ہے تب بھی لازم ہے کہ الفاظ کو اپنے عموم پر ہی محمول کیا جائے اور نماز کے ہر حصہ میں رفع یدین کو ممنوع اور سکون کو واجب قرار دیا جائے یہاں پر یہ شبہ کہ اگر ایسا ہوتا تو رفع عند التکبیر التحريمہ (یعنی ابتداء نماز میں) بھی ممنوع ہوتا حالانکہ وہ بالاتفاق مطلوب اور مشروع ہے بالکل بے موقع ہے اور غلط ہے کیوں کہ تکبیر تحریمہ نماز سے خارج اور شرط ہے۔ شرط صلوٰۃ نہیں ہے۔ اس پر لفظ فی الصلوٰۃ صادق نہیں آتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ و ذکر اسم ربہ فصلی (۱)۔ آیت مذکورہ میں فصلی کو ذکر اسم ربہ پر عطف کیا گیا ہے تو اگر تکبیر تحریمہ نماز کے اجزاء میں سے ہے تو کلمہ فصلی کا عطف علی الجزء لازم آتا جو کہ جائز نہیں ہے نیز یہ عطف حرف فاء سے کیا گیا ہے جو

کہ تعقیب پر دلالت کرتا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ نماز تکبیر تحریمہ کے بعد متحقق ہوتی ہے جو کہ مرتبہ شرط متصلہ کا ہے۔ اجزاء اور شرط نہیں ہے اس لیے تکبیر تحریمہ کو رکن نماز اور جزء نماز قرار دینا جیسا کہ شوافع اور مالک نے کیا ہے غلط ہے۔ (۱) الغرض یہ شبہ اس روایت تمیم پر بالکل وارد نہیں ہوتا نیز تکبیرات عیدین پر بھی وارد نہیں ہوتا کیوں کہ:

(الف) رفع یدین فی تکبیرات العیدین متفق علیہ نہیں ہے امام مالک اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما اس کے مخالف ہیں۔

(ب) نماز عیدین دائمی نمازوں میں سے نہیں ہے اس لیے وہ ان قواعد کلیہ سے خارج ہیں جیسے صلوة النهار عجماء سے خارج ہے۔

(ج) تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کرنے کی اور اس کے ممانعت کی کوئی روایت موجود نہیں بخلاف رفع یدین عند الركوع و رفع الرأس منہ وعند السجود و رفع الرأس منہ وغیرہ کے کہ اس میں روایات متعددہ موجود ہیں۔ بہر حال تمیم بن طرفہ کی روایت صحیح اور تمام شبہات سے خالی اور قابل اعتماد ہے۔

(۳) تیسرا امر قابل غور یہ ہے کہ جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں رفع یدین سلام کے وقت مشروع اور جاری تھا نیز ہر انتقال پر بھی مشروع تھا جیسا کہ ابن عباس اور عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیدہ عند کل تکبیرۃ (۲) اور مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے اور اس سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین ہوتا تھا (۳) ابن عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم رفع یدین عند القيام الی الثانیۃ اور الی الثالثۃ اور رکوع کرنے کے اور اس سے سر اٹھانے کے وقت ذکر فرماتے ہیں (متفق علیہ) یہ حالتیں یقیناً ابتدائی ہیں۔ مگر بعد کو رفع یدین سلام کے وقت منسوخ کر دیا گیا (دیکھو روایت عبد اللہ بن القبطیہ) اور رفع یدین عند السجود اور سجدہ سے سر اٹھانے کے وقت بھی منسوخ کر دیا گیا دیکھو روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی طرح رفع یدین عند القيام الی الثانیۃ والی الثالثۃ کو بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ منسوخ تسلیم کرتے ہیں اور ان روایتوں کو پیش فرماتے ہیں جس میں اس کی نفی ہے اگرچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسی طرح رفع یدین عند الركوع اور اس سے سر اٹھانے کے وقت میں ابن مسعود، براء ابن عازب تمیم بن طرفہ عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ وغیرہ منسوخ قرار دیتے ہیں جس میں نزاع ہو رہا

(۱) کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ، تکبیرات الصلوة المسنونہ، بیروت (دار الفکر الجدید)

(۲) پواہ ابن ماجہ ص ۶۲ باب رفع الیدین اذا رکع رأسہ من الركوع: ۶: م قدیمی

(۳) نسائی شریف ص ۱۶۵: باب رفع الیدین: م قدیمی

ہے۔ اب قابل غور یہ امر ہے کہ جب کہ ثابت ہے کہ پہلے ہر تکبیر و سلام کے وقت رفع یدین تھا اور پھر اس کو منسوخ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نماز کو تدریجاً حرکت سے سکون کی طرف لایا گیا۔ جس میں ایک درجہ تک تسبیح کو سب تسلیم کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ یہ ہی طریقہ رفع یدین عند الركوع وعند رفع الرأس منہ بھی تسلیم کیا جائے اور تمیم کی روایت کو حقیقی معنوں میں معمول بہ قرار دیا جائے اور ابن مسعود اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایتوں کو اسی کی مؤید قرار دیا جائے اور علاوہ تکبیر تحریمہ ہر جگہ رفع یدین کو سکون فی الصلوٰۃ کا مورد قرار دیا جائے۔ تکبیر تحریمہ کا رفع یدین تو سکون فی الصلوٰۃ کے ماتحت ہے ہی نہیں کما ذکرناہ سابقاً۔ واللہ اعلم

(مخطوطات مبارکہ ص ۱۲۹ تا ۱۳۳)

## نماز کی قبولیت و صحت کا مدار

﴿س﴾

نماز کی قبولیت اور صحت کا مدار کس چیز پر ہے۔

﴿ج﴾

قبولیت نماز اور چیز ہے اور صحت نماز اور چیز ہے، صحت نماز موقوف ہے نماز کے شرائط، فرائض اور واجبات کے ادا کرنے پر، موانع صحت مثل نجاست ظاہری حدث وغیرہ کے دور کر دینے پر، اس صورت میں (شرائط وغیرہ کا خیال رکھنے کی شکل میں) نماز صحیح ہو جائے گی اور شریعت کا مطالبہ ادا ہے فریضہ کا ساقط ہو جائے گا۔

اور قبولیت نماز خداوند کریم کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ ممکن ہے نماز بالکل صحیح اور مکمل ادا کی جائے اور اس بے نیاز مالک الملک کی بارگاہ عالی میں قبولیت کا شرف نہ حاصل ہو۔ اور ممکن ہے کہ وہ اکرم الاکرمین کسی ناقص سے ناقص نماز کو اپنی بارگاہ میں ہزاروں اور کروڑوں مکمل نمازوں سے بڑھادے، مگر حسب حکمت و رحمت عادت خداوندی یہی ہے کہ اگر بندہ نے اپنی سکت بھر تمام شروط و ارکان وغیرہ کی رعایت کی ہو، اور جان بوجھ کر کوئی خلل نہ ڈالا ہو تو اس کو ضرور قبول فرماتا ہے (ان اللہ لایظلم الناس شیئاً ولکن الناس انفسهم یظلمون (۱)) ”اللہ تعالیٰ ذرا بھی آدمیوں پر ظلم روا نہیں رکھتا، لیکن آدمی خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔“

صحت نماز کے لیے حضور قلب کا صرف ادنیٰ درجہ شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ کم از کم کسی رکن میں خیال ہو کہ میں نماز ادا کر رہا ہوں، اور اپنے آقا مالک الملک، احکم الحاکمین کی اطاعت بجالا رہا ہوں۔ اس سے زیادہ حضور

قلب کمال نماز اور اس کے احسان اور اچھے کرنے کی شرط ہیں، نماز میں خطرات اور وساوس اور احادیث نفس کا آنا مفسد نماز نہیں ہے البتہ اس میں نقصان پیدا کرتے ہیں خصوصاً جبکہ اختیار و ارادہ سے ہوں (۱) ایسے احادیث نفس اور خیالات زیادہ نقصان پیدا کرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ ایسی نمازیں جو شرعی نقطہ نظر سے صحیح ہوئیں ان کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ (مکتوبات ۱۷/۴)

## نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں



کبھی ذہن میں خیال آتا ہے کہ ہماری نمازیں قبولیت کے لائق نہیں۔ اس لیے پڑھنے سے کیا فائدہ؟



جو نمازیں قضا ہیں ان کو پڑھ لینا چاہیے اور صحت نماز کے شرائط کو جہاں تک ممکن ہو محفوظ رکھتے ہوئے ادا کر لینا چاہیے۔ قابلیت قبول کی امید پر مؤخر کرنا ہرگز نہ چاہیے اور جبکہ آپ نے صحت کے شرائط کی پابندی کر لی تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی امید رکھنی چاہیے کہ وہ قبول ہوگی ہے نا امید ہونا جائز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ جہاں تک مجھ میں طاقت تھی میں نے تابعداری کی، پروردگار اس چیز میں میری گرفت نہ فرما جو کہ میری طاقت سے باہر ہو۔ (مکتوبات ۱۸/۴)

## قراءت فاتحہ خلف الامام



ایک اشکال مجھ کو اس حدیث میں ہے جو کہ (۲) ترمذی، ابوداؤد (۳) دونوں میں ہے۔ هل قرأ منکم معی أحد قالوا نعم قال لا تفعلوا الا بام الامام القرآن فانہ لا صلوة لمن لم یقرء بہذا اس کا جناب والا نے ایک مطلب یہ بھی بتلایا تھا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ کوئی نماز ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ کثیرۃ الدور ان ہونے کی وجہ سے اس کے پڑھنے میں ثقل ہوگا اور اس پر دلیل نفی و

(۱) قال العلاء بن عابدین نقل العلامة الشامی عن القہستانی: یجب حضور القلب عند التحریمة فلو اشتعل قلبہ بتفکر مسئلة مثلاً فی اثناء الارکان فلا تسخب الاعارة وقال البقالی لم ینقص اجرہ الا اذا قصر

(ردالمختار علی الدر المختار جلد ۱۱۶۲ مطلب فی حضور القلب والخشوع۔ م رشیدیہ)

(۲) باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام: ص ۶۹، ج ۱: ترمذی شریف

(۳) ص ۲۶، ج ۱: باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ: ابوداؤد شریف

استثناء کی بیان فرمائی تھی اب اشکال یہ ہے کہ جب مختصر حدیث جو تمام صحاح کی کتابوں میں ہے اور یہ مطول حدیث متحد ہیں ابن حجر بھی متحد مانتے ہیں اب بر تقدیر اتحاد۔ مختصر حدیث میں مسلم (۱) ابوداؤد وغیرہ میں معمر اور سفیان نے جو زیادتی فصاعداً کی زیادہ کی ہے اور صحیح ہے اس زیادتی کو اس مطول حدیث کے ساتھ اگر ملایا جائے تو عبارت اس طرح ہوگی۔ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم هذا یا رسول اللہ ﷺ قال لا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لا صلوة لمن لم یقر بها (فصاعداً) اس تقدیر پر مذکورہ بالا معنی حدیث کے سمجھ میں نہیں آتے۔



اس حدیث کے متعلق یہی تو اشکال ہے کہ اس کا سیاق سباق کے مخالف ہے یعنی جملہ اولیٰ تو دلالت کرتا ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ کو امام کے پیچھے جہر یہ میں مت پڑھا کرو اور جملہ اخیرہ دلالت کرتا ہے کہ ہر نماز میں ما زاد اور فاتحہ دونوں ضروری ہیں بغیر ان دونوں کے نماز ہوتی ہی نہیں اس لیے یہ حدیث اپنے متعارض مفہوم کی وجہ سے قابل استدلال ہی نہیں ہے۔ مگر یہ اشکال اس معنی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو کہ محدثین اور شوافع وغیرہ اس حدیث کے لیتے ہیں کہ لا صلوة الا بفاتحة الكتاب کو انشاء اور حکم قرار دیتے ہیں اور مختصر کرنے کی وجہ سے یہی متبادر ہوتا ہے جو کہ لفظ فانه کے حذف کی وجہ سے اور قوی ہو گیا ہے اور اگر اس جملہ کو خبر قرار دیں جو کہ مدلول مطابق اسی جملہ کا ہے اور لفظ فانه اس پر شاہد قوی ہے جس سے علت حکم سابق کی بتلانا منظور ہے تو معنی بالکل صحیح ہو جاتے ہیں اور حدیث مذکور کے اول و آخر کا تعارض جاتا رہتا ہے یعنی امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت منازعت فی القرأة کی وجہ سے ہے اور وہ ام القرآن میں نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ ہر نماز میں خواہ سری و جہری منفرداً ہو جماعت خواہ رکعت اولیٰ ہو ثانیہ اور ثالثہ و رابعہ، نافلہ ہو یا فریضہ، سب میں پڑھی جاتی ہے تو کثیر الدوران ہوئی بخلاف ما زاد کے کہ وہ کثیر الدوران نہیں ہے رکعات اخیرہ ثالثہ رابعہ میں پڑھا ہی نہیں جاتا اور جن رکعتوں میں پڑھا بھی جاتا ہے وہ ایک نہیں ہے اس لیے وہ کثیر الدوران نہیں ہے کبھی کوئی سورت اور کبھی کوئی سورت دوسری ہے کبھی کوئی آیت کبھی دوسری آیت اس لیے ما زاد کو بھول جانا ضروری ہوگا بخلاف فاتحہ کہ اس میں کثیرہ الدوران ہونے کی بناء پر مخالفت اور نسیان نہ ہوگا اس لیے ما زاد امام کے پیچھے مت پڑھو البتہ فاتحہ کی اجازت ہے پس استثناء ام القرآن کا کیا گیا جس کی اباحت لفظ الامام القرآن سے کی گئی تھی لان استثناء من النہی اباحة کما صرح بہ الاصولیون۔

بہر حال ابتداء حدیث میں امام کے پیچھے پڑھنے سے نہی کی گئی اور استثناء کر کے ام القرآن کو مباح کر دیا گیا پھر فانا سے اس اباحت کی علت ذکر کر دی گئی کہ ہر نماز میں فاتحہ اور مازاد پائی جاتی ہے تو فاتحہ کثیر الدوران اور غیر مفضی الی المنازعت والمخالجت ہوئی اور مازاد کثیر الدوران نہ ہوئی اس لیے باعث مخالجت ہوگی اس تقریر پر جملہ ”فانه لاصلوة الابفاتحة الكتاب“ سے فرضیت فاتحہ الكتاب اور انشاء حکم نکالنا بالکل غلط اور حدیث کو مہمل بنانا ہے جس کا منشاء حدیث کا اختصار مخل ہے اگر اس حدیث کا صدر حذف نہ کیا جاتا یا کم از کم لفظ فانا ہی حذف نہ ہوتا تو اس قدر خلل نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ روایت بالمعنی اور اختصار روایت میں تفقہ کی اشد ضرورت سمجھی گئی جس کا اقرار خود محدثین کو بھی ہے۔ (دیکھو نخبۃ الفکر)

(تاہم) جناب رسول اللہ ﷺ کو اس حکم کے بعد فاتحہ میں بھی مخالجت محسوس ہوئی تو پھر اس کو بھی منع کیا گیا جیسا کہ روایات حضرت جابر اور ابن اکیمہ وغیرہ دلالت کرتی ہیں۔ (مکتوبات ۵۳/۳-۵۵)

## ظہر کی نماز دو مثل پر

﴿س﴾

جو نماز ظہر صاحبین رضی اللہ عنہم کے مفتی بہ مذہب کے خلاف دو مثل پر پڑھی جائے کیا اس نماز کا اعادہ ضروری ہے؟

﴿ج﴾

احتیاطاً پہلی مثل میں نماز ظہر ادا کرنی چاہیے اور جو نمازیں دوسری مثل میں ادا ہوئی ہیں ان کے قضا کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۱) (مکتوبات ص ۲۱۷، ج ۲)

## الصلوة معراج المؤمنین کے معنی

﴿س﴾

الصلوة معراج المؤمنین (نماز مومنوں کی معراج ہے) اس کے معنی حضرت والا کے نزدیک کیا ہیں۔

(۱) رد المحتار علی الدالمختار (وعلیہ عمل الناس الیوم) والاحسن ما فی السراج عن شیخ الاسلام ان الاحتیاط ان لا یؤخر الظہر الی المثل ص ۴۰، ج ۲ کتاب الصلوة مطلب فی تعبده علیہ الصلاۃ والسلام قبل البعثۃ: وفی الكنز: والظہر من الزوال الی بلوغ الظل مثلیہ سوی الفنی: علی صدر کتاب الصلوة: کنز مع البحر ص ۴۲۳، ج ۱ مر رشیدیہ



الصلوة معراج المؤمنین کے متعلق دو توجیہیں اس وقت خیال میں ہیں۔  
 (الف) لفظ معراج علی وزن المفتاح صیغہ آہ ہے۔ اس قضیہ میں حمل حقیقی ہے یعنی نماز مومنوں کے لیے آہ عروج ہے، کیوں کہ بہمیت سے ملکیت کی طرف، مادیت سے تجرد کی طرف، بعد سے قرب خداوندی کی طرف، غیوبت سے حضور کی طرف عروج اس نماز کے ذریعہ ہوتا ہے، طہارت جسمانی بالوضوء والغسل وغیرہ انسان کو تشبہ بالملائکہ اور ان سے قرب پیدا کرنے والی اور انجاس ظاہری کے ساتھ انجاس باطنیہ یعنی ذنوب اور ان کے ثمرات کو دور کرنے والی ہیں۔ قطرات وضو اور غسل کے ساتھ ساتھ، ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، دماغ وغیرہ کے ذنوب نکل جاتے ہیں۔ حتیٰ یخرب نقیاً من الذنوب الحدیث (۱) (یہاں تک کہ وہ گناہ سے پاک صاف ہو جاتا ہے) یہی طہارت ظاہری قیامت میں غر و تخیل کی باعث ہوگی ملائکہ جن کو بالذات طہارت اور روشنی سے محبت ہے اور نجات اور ظلمات سے نفرت ہے، وہ اس کی وجہ سے نمازی کے ساتھ تعلقات پیدا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ فیہ رجال یحبون ان یتطهروا واللہ یحب المطہرین۔ (۲)

(اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو) یہ آیت اہل قبا کی ظاہری طہارت استنجاء بالماء بعد الاستنجاء بالحجارہ کے متعلق نازل ہوئی۔ الطہور شطر الایمان (۳) (پاکی نصف ایمان ہے)

ارشاد نبوی ہے: اسباغ الوضوء علی المکارہ (۴)

اور اس طہارت کی تحصیل میں مالی اور جسمی فدائیت نہ صرف رضاء باری عزوجل کی سبب ہے، بلکہ اخلاق خبیثہ رزیلہ البخل والکسل وغیرہ کو زائل کرنے والی اور آئندہ کو قابل ہم نشینی و ہم کلامی بنانے والی بھی ہے، علی ہذا القیاس دیگر شروط صلوة بالخصوص توجہ الی القبلة یکے بعد دیگرے غفلت کو دور اور بارگاہ ذی الجلال سے قریب کرنے والی بھی ہے (یہ اعمال) توجہ باری عزوجل کو کھینچنے میں مقناطیسی اثر رکھتے ہیں، جس کے لیے ارشاد: اینما

(۱) مشکوٰۃ شریف ج ۱، ص ۳۸: کتاب الطہارة الفصل الاول: مسلم شریف ج ۱، ص ۱۲۵: باب خروج الخطایا مع

ماء الوضوء: مرقدیمی

(۲) پ السورۃ توبہ آیت: ۱۰۸

(۳) مشکوٰۃ شریف ص ۳۸، ج ۱ کتاب الطہارة الفصل الاول: مرقدیمی

(۴) مشکوٰۃ شریف ص ۳۸، ج ۱ کتاب الطہارة الفصل الاول: مرقدیمی

تولوا فثم وجه الہ توجہ الی اللہ وارد ہے پھر نماز کے اسرار زاہمہ میں فرمایا گیا ہے ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر (۱)۔ (بیشک نماز روتی ہے بے حیائی اور بری بات سے) ترک فحشاء اور منکرات کا اثر جس قدر بھی قرب خداؤں اور بُعد رذائل بہمیت و نفسانیت میں ہوگا اظہر من الشمس ہے۔ نماز میں جس قدر قرأت اور ادعیہ وغیرہ ہیں ان میں جناب باری عزاسمہ سے ہم کلامی اور مخاطب پذیر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگر انسان اس مخاطب کو سمجھتا ہو حضور قلب کے ساتھ خشوع و خضوع کو ملحوظ رکھتا ہے (جو کہ مومنین کی نماز ہے) جب تو اس عروج کا حاصل ہونا ظاہر ہے ہی مگر اس میں کوتاہی کرنے میں بھی نفع موجود ہے۔ الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل اور ادعیہ ماثورہ اور درود شریف کی تاثیریں سمجھنے پر موقوف نہیں ہیں۔ گل بنفشہ جان کر لیجئے یا بغیر جانے ہوئے اسہال بلغمی کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل حامل تاثیرات ہیں جو کہ بے سمجھے ہوئے بھی حاصل ہوتی ہیں، اگرچہ کمزور بہ نسبت سمجھنے کے ہوں۔ من قرأ حرفاً من القرآن کانت لہ عشر حسنات لا اقول الہ حرف بل الف حرف و لام حرف و میم حرف (۲) جس نے قرآن سے ایک حرف پڑھا اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں بڑھ جاتی ہیں، اس کے یہ معنی نہیں کہ الہ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے ارشاد فرمایا گیا: اِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْزُقُ قَلْبَهُ وَجْهَهُ فَإِنَّ اللَّهَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ (۳) وفی روایة فان الرحمة تواجهه احدكم او كما قال عليه الصلاة والسلام (۴) جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اس کو لازم ہے کہ اپنے سامنے نہ تھو کے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان حائل ہوتا ہے، یا اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ اسی طرح التفات کے متعلق ارشاد ہے کہ جب تک بندہ نماز میں التفات نہیں کرتا ہے اس وقت تک بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ متوجہ رہتا ہے یہ توجہ اور قرب خداوندی نماز کی وجہ سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین ولعبدی ماسأل فاذا قال العبد الحمد رب العلمین قال اللہ حمدنی عبدی فاذا قال الرحمن الرحیم قال اللہ اثنی علی عبدی فاذا قال العبد ملک يوم الدين قال اللہ مجدنی عبدی فاذا قال العبد ایاک نعبدو ایاک نستعین قال اللہ هذا بینی و بین عبدی ولعبدی ماسأل الحدیث (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

(۱) پ ۲۱ سورۃ العنکبوت آیت: ۲۵

(۲) اس مفہوم کی روایت ترمذی شریف باب ماجاء فی فضل القرآن ۱۱۹/۲ میں ہے۔

(۳) ان احدکم اذا قام فی صلوتہ فانه یناجی ربہ و ان ربہ بینہ و بین القبلة فلا یبزقن احدکم قبل قبلتہ (بخاری شریف ۵۸۷) باب حک البزاق بالیدین من المسجد۔

(۴) ترمذی شریف میں یہ جملہ حدیث کے اس ٹکڑے کے ساتھ وارد ہے۔ فلا یمسح الحصى فان الرحمة تواجهه (ترمذی شریف ۸۷۱) باب کراہیة مسح الحصى فی الصلوٰۃ۔

میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہوگا جو اس نے مانگا، پس جب بندہ کہتا ہے الحمد لله رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی ہے اور جب کہتا ہے الرحمن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثنا کی میرے بندے نے میری اور جب ملک یوم الدین کہتا ہے تو خدا کہتا ہے میرے بندے نے میری عظمت بیان کی، اور جب ایساک نعبدو ایساک نستعین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ آیت میرے اور میرے بندے کے لیے ہے اور جو میرا بندہ مانگے وہ اس کے لیے ہے (۱) یہ نعمت کاملہ اور مناجات بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں جاری ہونا کس قدر عروج اور ترقی انسانی ہے، اسی مکالمہ میں انسان اپنے لیے نعمت ہدایت جو کہ سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی ضرورت انسانی ہے طلب کرتا ہے۔ جس کو وہ اپنا نصب العین قرار دیتے ہوئے اس انعام و ہدایت سے خالص کرنا چاہتا ہے جو کہ مغضوب علیہم اور اہل ضلال پر ہوا تھا، (موسوئین و عیسوئین) اور ایسی کھری اور خالص ہدایت (ایصال الی المطلوب) مانگتا ہے جو کہ اہل اجتناب و اصطفیٰ کو عطا کی گئی۔ حسب ارشاد اخادیت صحیحہ اس کو عطا کر دیا جاتا ہے اور بندے کو کہہ دیا جاتا ہے کہ تم کو ایسی ہدایت خالصہ عطا کر دی، ہماری یہ کتاب جس کو ذالک الکتاب لا ریب فیہ ہدی، لہم متقیین (الآیۃ) کہا گیا ہے یہی ایسی ایصال الی المطلوب ہے جس میں الفاظ اور حروف کے لباس اور کسوت میں اپنی صفت ازلیہ کلام نفسی کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ صفت کا موصوف کے ساتھ کس قدر قوی اور شدید تعلق ہے، بالخصوص جبکہ وہ واجب الوجود تعالیٰ شانہ کی ہو اور پھر وہ صفات ذاتیہ میں سے ہو۔ ایسا انعام کسی امت اور کسی پیغمبر پر اس سے پہلے نہیں ہوا۔ بے شک کتابیں اتاری گئیں مگر کلام خداوندی قدیم نہیں اتارا گیا یہ نعمت مومن محمدی کو دی جاتی ہے اور بارگاہ ذوالجلال سے قبولیت دعا و ہدایت کے بعد قرآن پڑھنے اور اپنے نفس اور حاضرین کو سنانے کا اسی ریتہ پر حکم ہو جاتا ہے جیسے کہ حج اپنے فیصلہ دغیرہ کو سررشتہ دار کو دیتا ہے کہ ہمارے جھنڈ کو پڑھ کر لوگوں کو سنادو اس وقت میں سررشتہ دار حج کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے آپ اس سے اندازہ کر سکیں گے کہ محمدی مومن کے لیے کس قدر اعلیٰ و ارفع عروج ہوا، نیابت خداوندی، صفت قدیمہ، بکسوت الفاظ عربیہ ہر دو امر انتہاء تقریب کے موجب ہیں پھر اس انعام کے بعد عظمت و جلال خداوندی کا لحاظ کرنا اور جسم کو جھکا دینا شکر یہ عملی اور قوی بجالانا اور پھر شکر یہ کرتے کرتے آقا کے سامنے زمین پر سر کو ٹیک کر پیشانی اور ناک رگڑنا اور آقا کی عظمت اور قدوسیت کو سراہنا کس قدر عروج اور تقرب کا باعث ہوگا مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

(۱) مسلم شریف ۷۰۱ باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة وانه اذا لم یحسن الفاتحة ولا امکنه تعلمها قرأها

ان اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فاكثروا فيه من الدعاء (او كما قال عليه السلام) (۱) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے بندہ سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو جاتا ہے، لہذا اس حالت میں بہت دعا کرتے رہو۔ (صحاح)

خلاصہ یہ ہے کہ ارکان صلوٰۃ اور اس کے سنن و آداب کو غور سے دیکھئے تو ضعیف البیان مخلوق من الماء لمہین بشر کے لیے وہ اعلیٰ مکان اور ارفع مراقبہ دکھائی دیتا ہے کہ جس کو اگر ”کروبی“ بنظر غبطہ دیکھیں یا مولیٰ العالمین محفل ملائکہ میں مباہات فرمائے اور الذین یحملون العرش ومن حوله اس کے لیے دعوات صالحہ سے رطب اللسان ہوں تو کچھ تعجب نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ہم اپنی نمازوں سے سخت غافل ہیں فویل للمصلین الذین ہم عن صلوٰتہم ساهون (۲) (پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں) وفقنا اللہ وایاکم للصلوة الحقیقیۃ

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ حمل اس جملہ پر حقیقی نہ لیا جائے بلکہ مثل زیند اسد بطور تشبیہ اور تمر مر السحاب بطور تمثیل قرار دیا جائے۔ یعنی الصلوٰۃ للمومنین کالمعراج للنبی ﷺ، معراج سے خصوصی معراج جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی گئی تھی مراد لی جائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو عالم مادی اور خاکدان سفلی سے عالم تجرد اور عالم علوی کی طرف نقل کیا گیا۔ آپ کو دنو اور تدلی اور قرب بمنزلہ قاب قوسین سے نوازا گیا آپ کو نعمت مکالمہ اور اوحی الی عبده ما اوحی (۳) سے مشرف کیا گیا تو آپ کو نعمت رویت سے مالا مال کیا گیا لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ ما زاغ البصر وغیرہ ارشادات فرمائے۔ مومن محمدی نماز میں ان ادناس مادیہ سے اٹھایا جاتا ہے تدلی اور قرب کی نعمت عطا کی جاتی ہے فان اللہ بینہ وبين القبلة شاہد عدل ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر نمازی کے سامنے جبکہ وہ نماز کی نیت کرتا ہے تجلی خداوندی اور حقیقت ازحقائق الہیہ ظہور پذیر ہوتی ہے خواہ وہ اس کا احساس کرے یا نہیں اور اسی تجلی کو راز فان اللہ بینہ وبين القبلة قرار دیتے ہیں اور اس تجلی کی نسبت ذات مجمع الکمالات سے نسبت ساق الی الذوات قرار دیتے ہوئے یوم یکشف عن ساق الایہ (۴) کی توجیہ فرماتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ بھی سورہ قیامہ میں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ (۵)

(۱) مسلم شریف بلفظ ”فاکثروا الدعاء“ (۱۹/۱) باب ما یقال فی الرکوع والسجود!

(۲) پ ۳۰ سورۃ الماعون آیت نمبر ۴

(۳) سورۃ النجم آیت: ۱۰

(۴) سورۃ القلم آیت: ۴۲

(۵) سورہ قیامہ آیت: ۲۹

نمازوں میں رہنے کی وجہ سے اس تجلی خداوندی سے مومن محمدی کو طبعی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ میدان قیامت میں ذریعہ معرفت خداوندی ہو جائے گی اور مومن سجدہ میں گر جائے گا۔ بہر حال دنو اور تدلی کا حصول اس درجہ ہو جاتا ہے کہ فرمایا گیا انا جلیس من ذکرنی، انا مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ (۱) (وغیرہ روایات) اور فرمایا گیا واسجد واقترب (۲) رویت خداوندی کا حصول احسان والی حدیث سے پوچھے ان تعبد (۳) ربك كانك تراه اور جب ظاہر میں کو یہ شبہ لاحق ہوتا تھا کہ مجرد محض لا تدركه الابصار کی رویت کس طرح ہو سکتی ہے اس کو محالات میں سے شمار کرنے لگا تو اس کے استبعاد کے لیے ارشاد کر دیا گیا فانه يراك اگر ارکان و آداب و سنن صلوٰۃ پر غور کیا جائے تو یقیناً وہ نعمتیں جو کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقی طور پر شب معراج میں عطا فرمائی گئیں۔ آپ کے طفیل میں ان سب کی تمثیلیں مومن کو اسی زمین پر عطا کی جاتی ہیں، وقت کی قلت کی وجہ سے اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا مگر مختصر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔ ہذا مالدی واللہ اعلم (مکتوبات

۱۹۰۱-۱۹۵)

## نماز تہجد کا صحیح وقت کیا ہے

﴿س﴾

صلوٰۃ تہجد کا صحیح وقت کیا ہے۔

﴿ج﴾

صلوٰۃ تہجد کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحاح (۴) میں روایت

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۹، ج ۱ و مثله فی مسلم شریف ج ۲، ص ۳۳۲ باب فضل الذکر والدعاء وحسن الظن

مشکوٰۃ شریف باب الفصل الثالث فی باب ذکر اللہ عزوجل والتقريب اليہ

(۲) پ ۳۰ سورة العلق آیت: ۱۹

(۳) مشکوٰۃ شریف ج ۱، ص ۱۱ کتاب الايمان الفصل الاول

(۴) وہ حدیث عائشہ یہ ہے۔ عن عائشة قالت من كل الليل اوتر رسول الله ﷺ من اول الليل واوسطه و آخره

وانتهى وتره الى السحر متفق عليه (مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۱) وعن عائشة قالت كان النبي ﷺ يصلي في ما بين

ان يفرغ من صلوٰۃ العشاء الى الفجر احدى عشرة يسلم من كل ركعتين و يوتر بواحدة الحديث متفق عليه

(مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۵ اور علامہ شامی صفحہ ۱۵۷ جلد اول میں بحوالہ بحر نقل فرماتے ہیں روى الطبراني مرفوعا لا بد من

صلوٰۃ ليل ولو حلب شاة وما كان بعد صلوٰۃ العشاء فهو من الليل وهذا يفيد ان هذه السنة تحصل بالتنفل

بعد صلوٰۃ العشاء قبل النوم (جميل الرحمن)

موجود ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ابتدائے شب میں بھی اور وسط شب میں بھی اور آخر شب میں تہجد پڑھی ہے۔ مگر آخری ایام میں اور زیادہ تر اخیر شب میں پڑھنا وارد ہے جس قدر بھی رات کا حصہ متاخر ہوتا جاتا ہے برکات اور رحمتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں، اور سدس آخر میں سب حصوں سے زیادہ برکات ہوتی ہیں (۱) تہجد ترک ہجو یعنی ترک نوم سے عبارت ہے، اس لیے اوقات نوم بعد عشاء سب کے سب وقت تہجد ہی ہیں۔

(مکتوبات ۱۸۹/۱)

## تہجد کی رکعات

﴿س﴾

تہجد میں کتنی رکعات پڑھنی چاہئیں۔

﴿ج﴾

تہجد کی رکعتوں میں کوئی تحدید نہیں ہے، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ روزانہ چھ سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے (۲) تو کیا یہ حضرات فقط بارہ رکعتوں پر ہی اکتفا کرتے رہے۔ (مکتوبات ۱۰۵/۳) (۳)

## رمضان میں تہجد کی جماعت

﴿س﴾

فتاویٰ رشیدیہ (۴) میں جماعت تہجد کو مکروہ لکھا ہے لیکن حضرت والا رمضان المبارک میں جماعت کثیرہ کے ساتھ تہجد پڑھتے ہیں یہ امر بہت خلجان کا باعث بنا ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس بارے میں تشفی فرمائے گا۔

(۱) قال فی المراقی: وندب صلوة اللیل خصوصا آخره وفي الطحطاوی وهو السدس الخامس من اسد اس الیل وهو الوقت الذی ورد فیہ النزول الالهی (طحطاوی/۲۱۷)

(۲) عقود الجمان ۲۱۳

(۳) عموماً فقہ کی کتابوں میں رکعات تہجد کی تحدید ۸ رکعات میں کی گئی ہے (شامی ۲/۲۵۵ وغیرہ) مگر بخاری شریف کی ایک روایت سے ۱۲ رکعات کا ثبوت ملتا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں ثم صلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر الخ (بکاری شریف ۱/۱۳۰) وفي حاشیئہ: فیہ دلیل علی ان صلوة اللیل اثنا عشر رکعةً

(۴) تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۹۶، ۲۹۷ م ادارہ اسلامیات



فتح القدير میں ہے وقد صرح الحاكم ايضاً في باب صلوة الكسوف من الكافي بقوله: ويكره صلوة التطوع جماعة ما خلا قيام رمضان و صلوة الكسوف هذا خلاف ما ذكر شيخ الاسلام (۱) جلد اول رد المحتار ص ۲۲۳ میں ہے قلت ويويده ايضاً ما في البدائع من قوله ان الجماعة في التطوع ليست بسنة الا في قيام رمضان (وفيه) والنفل بالجماعة غير مستحب لانه لم يفعله الصحابة رضي الله عنه في غير رمضان۔

مذکورہ بالا انصوص میں قیام رمضان کی تصریح فرمائی گئی ہے اس کی تخصیص تراویح کے ساتھ نہیں کی گئی ہے چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ سے تیسری شب میں اور صحابہ کرام سے آخر شب تک نوافل باجماعت منقول ہیں جیسا کہ موطا امام مالک وغیرہ میں بکثرت مروی ہے اس لیے تمام وہ نوافل جو رمضان کی راتوں میں پڑھی جائیں مراد ہوں گی خواہ تراویح ہوں خواہ تہجد ہو اوائل شب میں ہوں یا اوخر میں سب میں جماعت کی اجازت ہوگی۔

(۲) موطا امام محمد ﷺ میں ہے قال محمد بهذا ناخذ لابس بالصلوة في شهر رمضان ان ملئ الناس تطوعاً بامام لان المسلمين قد اجمعوا على ذلك الخ (۳) فتح الباری میں ہے ای قیام لیالیہ مصدقاً والمراد من قیام اللیل ما يحصل به مطلق القیام كما قدمناه في التهجد سواه وذكر النووي ان المراد بقيام رمضان صلوة التراویح انه يحصل بهذا المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لا يكون الا بها واغرب الكرمانی فقال اتفقوا على ان المراد بقيام رمضان صلوة التراویح الخ۔

یعنی شرح بخاری میں ہے قال الكرمانی اتفقوا على ان المراد بقيام اللیل صلوة التراویح قلت قال النووي ان المراد بقيام رمضان صلوة التراویح ولكن الاتفاق من اين اخذه بل المراد من قیام اللیل ما يحصل به مطلق القیام سواء كان قليلاً او كثيراً (۴) وقال في الجلد الاول ما نصه: ومعنى من قام رمضان من قام بالطاعة في ليالي (۵) رمضان ويقال يريد

(۱) فتح القدير جلد دوم كتاب الاستقصاء ص ۹۱، رشيديه ردالمحتار جلد دوم ص ۶۰۴ مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعى وفي الصلوة الرغائب رشيديه  
 (۲) موطا امام محمد ص ۱۴۳ باب قيام شهر رمضان وما فيه من الفضل قديمي  
 (۳) فتح الباری جلد رابع ص ۳۱۵ كتاب صلوة التراویح قوله باب فضل من قام رمضان  
 (۴) كتاب التراویح: الباب الاول: فضل من قام رمضان ج ۱/ص ۱۷۶ عمدة القاری شرح بخاری مكتبه رشيديه كونه جديد ۲۵ جلد والـ  
 (۵) تطوع قيام رمضان من الأيمان / كتاب الايمان باب ۲۸، ج ۱ ص ۳۶۵ مكتبه رشيديه جديد كونه

صلوة التراویح وقال بعضهم لا يختص ذلك بصلوة التراویح بل فی ای وقت صلی تطوعاً حصل له ذلك الفضل الخ۔

نصوص مذکورہ بالا سے امور ذیل معلوم ہوتے ہیں (۱) جماعت نوافل کی کراہت مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ مستثنیات بھی ہیں (۲) مستثنیات میں لفظ قیام رمضان اور کسوف کو ذکر کیا گیا (۳) امام محمد و حاکم و صاحب بدائع وغیرہ متقدمین رحمہم اللہ تعالیٰ نے لفظ قیام رمضان ذکر فرمایا ہے جو مخصوص بالتراویح نہیں ہے (۴) قیام رمضان کو مخصوص بالتراویح قرار دینا قول مرجوح ہے جو کہ علامہ کرمانی اور علامہ نووی رحمہم اللہ کا قول ہے اس کے خلاف حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام عینی رحمہم اللہ تمام نوافل کو خواہ تراویح ہوں یا تہجد ہو یا دیگر نوافل فرما رہے ہیں اور امام نووی کے قول کو مؤول قرار دیتے ہوئے اپنے قول کی طرف لوٹاتے ہیں اور کرمانی کے قول کو غریب اور مخدوش قرار دیتے ہیں اور یہ ہی امر مدلول مطابقی بھی ہے۔ بنا بریں فتاویٰ رشیدیہ کی تصریح جلد ثانی ص ۵۵ اور جلد اول ص ۴۹ جس میں مستثنیات کو منحصر تراویح کے ساتھ کیا گیا ہے قول مرجوح پر مبنی ہے پس رمضان کے جملہ نوافل کی جماعت خواہ بالنداعی ہو یا بلا تداعی سب کی سب ماذون فیہ بلکہ مستحب ہوگی اور تحت ترغیب من قام رمضان الحدیث داخل ہوگی۔ اس پر نکیر کرنا غیر صحیح ہوگا بلکہ جملہ طاعات طواف نفل یا عمرہ وغیرہ اس ہی میں محسوب اور مرغوب فیہ قرار دیئے جائیں گے کما ذکرہ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ہم نے قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز کا عمل بھی مکہ معظمہ میں اسی پر پایا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز کا بھی یہی معمول تھا۔ اور حریم شریفین میں قدیم سے عمل سنت عشریہ وغیرہ کا جو کہ بالخصوص شوافع کا اور چالیس رکعت کا عمل جو کہ موالک کا معمول بہ تھا اور اہل مکہ کا قدیمی عمل ہر ترویجہ پر اسبوع طواف اس کا موید ہے (۱) واللہ اعلم۔ (مخطوطات مبارکہ ص ۱۰۳)

## • تہجد کی رکعات کتنی ثابت ہیں



تہجد کی کس قدر رکعتیں ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی رکعتیں ثابت ہیں۔

(۱) یہ مسئلہ حضرت کے تفردات سے ہے، جسے حضرت نے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے براہ راست احادیث شریفہ سے مستنبط فرمایا ہے، لیکن احقر کو حضرت کے اس موقف کی تائید فقہ حنفی کے کسی جزئیہ سے نہیں ملی، بلکہ مبسوط سرخسی اور دیگر معتبر کتب احناف میں ۳-۴ سے زیادہ مقتدی ہونے کی صورت میں نوافل کی جماعت کو مطلقاً مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ (مبسوط سرخسی ۱۳۴۲) بریں بنا مسئلہ زیر بحث میں فقہ حنفی کی رو سے حضرت گنگوہی کا موقف ہی راجح اور مضبوط ہے۔ محمد سلمان

﴿ج﴾

آخر شب میں کم سے کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار مقرر نہیں ہے البتہ جناب رسول اللہ ﷺ سے بارہ رکعت سے زیادہ منقول نہیں ہے۔ (۱) (سلاسل طیبہ عکسی، ص ۳۶)

صلوٰۃ الاوابین

﴿س﴾

صلوٰۃ الاوابین کس نماز کو کہا جاتا ہے۔

﴿ج﴾

صلوٰۃ الاوابین کے متعلق اختلاف مسمیٰ میں نہیں ہے، تسمیہ میں ہے مشہور یہی ہے کہ نوافل بعد المغرب کو صلوٰۃ الاوابین کہا جاتا ہے اور ضحوة کبریٰ کو صلوٰۃ الضحیٰ اور چاشت کہا جاتا ہے مگر صحاح میں ہے صلوٰۃ الاوابین حین ترمض الفصل اس لیے اقرار کرنا پڑے گا کہ نوافل بعد المغرب کا تسمیہ غلط عوام میں سے ہے۔ (۲)  
(مکتوبات ۴۱۳/۱)

قنوت نازلہ

﴿س﴾

قنوت نازلہ میں کون سی دعا پڑھنی چاہیے۔

﴿ج﴾

قنوت نازلہ کے لیے الفاظ مخصوص نہیں تھے حسب نازلہ اور حسب حضور قلب الفاظ استعمال کئے جائیں میں نے مندرجہ ذیل الفاظ اس زمانہ میں اختیار کئے ہیں۔

اللهم اهدنا فيمن هديت ، وعافنا فيمن عافيت و تولنا فيمن توليت ، وبارك لنا فيما اعطيت ، وقنا شر ما قضيت ، فانك تقضى ولا يقضى عليك ، وانه لا يذل من واليت ولا يعز

(۱) بخاری شریف باب الوتر ۱۳۵/۱

(۲) ومثله في العرف الشذی ۱۰۱/۱ من امالی المحدث انور شاہ لکشمیری۔ دراصل بعض ضعیف احادیث کی بنیاد پر مغرب بعد کے نوافل کو اوابین کا نام دیدیا گیا ہے۔

من عادیته تبارکت ربنا وتعالیت۔ نستغفرک و نتوب الیک۔ اللهم اعل کلمة الاسلام و المسلمین (۳ بار) وانجز وعدو کان حقا علينا نصر المؤمنین، اللهم اخذل السک والمشرکین، اعداءنا اعداءک اعداء الدین، اللهم زلزلهم اللهم شتت شملهم، اللهم فرق جمعهم، اللهم اهلك اموالهم اللهم فل حدهم، اللهم اهزم جندهم، اللهم الق الرعب والفشل والاختلاف بینهم اللهم انا نجعلک فی نحورهم و نعوذبک من شرورهم (۳ بار) اللهم خذهم اخذ عزیز مقتدر (۳ بار) اللهم لا تعاملنا بما نحن اهله و عاملنا بما انت اهله انت اهل التقوی و اهل المغفرة و اهل العفو والکرم والجلود والاحسان و صلی الله علی احب خلقه الیه سیدنا و مولانا محمد و اله و صحبه و بارک و سلم۔ (۱) (مکتوبات ۳/۳۶۲-۳۶۳)

## لاؤڈ اسپیکر پر نماز



آلہ مکبر الصوت یعنی لاءؤڈ اسپیکر پر نماز و اقتداء درست ہے یا نہیں اور اس بارے میں ضروری استفسارات۔



آلہ مکبر الصوت کے متعلق پہلے شبہ تھا کہ اس کی آواز دوسری ہوتی ہے جو کہ آلہ اور بجلی سے پیدا ہوتی ہے اسی لیے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اصحاب علم نے فساد نماز کا فتویٰ دیا۔ مگر بعد میں تحقیقات کی گئیں جمعیۃ العلماء کے اراکین اور مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ماہرین فن سے خط و کتابت کی۔ معلوم ہوا کہ آواز وہی ہوتی ہے جو کہ بولنے والا نکالتا ہے بجلی اور آلہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہی آواز قوی ہو جاتی ہے دوسری آواز پیدا نہیں ہوتی اس لیے اب کوئی شبہ جواز نماز میں نہیں رہا مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اور پاکستان کے دوسرے علماء نے رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کرنا ظاہر کیا ہے (۲)۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم اور دیگر علماء و اراکین جمعیۃ نے بعد از تحقیق جواز نماز کا فتویٰ دیا ہے (۳)۔

(۱) ولیس فی القنوت دعاء مؤقت (عالمگیری ۱/۱۱۱) وفي البدائع: واما دعاء القنوت فلیس فی القنوت دعاء مؤقت کذا ذکر الکرخی فی کتاب الصلوة لانه روى عن الصحابة ادعية مختلفة فی حال القنوت الخ (بدائع الصنائع ۱/۲۷۳)

(۲) امداد الفتاویٰ ۱/ص ۵۸۱-۵۸۲ مکتبہ دارالعلوم کراچی

(۳) کفایت المفتی ۲۱۳/۹ دار الاشاعت

اور مجھ کو بھی ان تحقیقات کے بعد یہی فتویٰ دینا مناسب معلوم ہوا۔ دیوبند کے علماء بھی اس کے قائل و حامی ہو گئے ہیں اس لیے اب ہم کو جواز میں کوئی شبہ نہیں رہا ہے جو فتویٰ آپ نے دہلی کا بھیجا ہے اس کا مفہوم جواز کا ہے۔ علماء سہارنپور بھی دہلی میں دفتر جمعیت میں ہمارے شریک تھے اور پھر بعد از تحقیق موافق ہو گئے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ بجلی کی خرابی اور آوازوں کے تصادم وغیرہ سے خرابیوں کا اندیشہ رہتا ہے نیز قدیم طریقہ جاریہ کے خلاف ہے جس میں کوئی دغدغہ نہیں تھا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ قدیمی طریقہ مکبروں کی تکسیرات کو جاری رکھا جائے مگر اس طریقہ مکبر الصوت میں کوئی حرج نہیں ہے کوئی اختلاف نہ کرنا چاہیے خصوصاً جبکہ حرمین شریفین کی حکومت نے جاری کر دیا ہے اور کسی کی نہ سنی۔ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر سال لاکھوں حجاج کی نمازوں کے فاسد ہونے کا فتویٰ دیا جائے ایسے اوقات میں تو ضعیف قول پر بھی فتویٰ دینا ضروری ہو جاتا ہے اور عموم بلوی کا اعتبار کرنا لازم ہو جاتا ہے فقہ میں اس کی نظر قدیم زمانہ سے بکثرت پائی جاتی ہیں آپ حضرات کو اس میں توقف نہ کرنا چاہیے۔ (مخطوطات مبارکہ ص ۱۱۹) اوائل ۳۷ھ۔

### خطبہ جمعہ میں لاؤڈ اسپیکر

﴿س﴾

خطبہ جمعہ میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

میری سمجھ میں خطبہ میں لاؤڈ اسپیکر کی ممانعت نہیں آئی میں اس کو جائز سمجھتا ہوں۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۴۰۰)

### مسافت قصر

﴿س﴾

مسافت قصر کے متعلق حضرت والا اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

﴿ج﴾

آپ نے مسافت قصر کے متعلق جو فتویٰ پوچھا ہے اور حضرات فرنگی محل کے فتاویٰ کے خلاف نقل فرمائے ہیں اس کو میں نے دارالافتاء میں بھیج دیا ہے ان شاء اللہ جو اب پہنچ جائے گا۔ ہمارے اکابر کا معمول بہ اڑتالیس میل ہی ہے اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔ حضرات فرنگی محل اس میں تشدد فرماتے ہیں مگر کتب فقہ میں حکم میلوں پر

نہیں ہے بلکہ تین دن تین رات کی مسافت اوسط ایام سال میں متوسط انسانی رفتار یا اونٹ کی رفتار سے جملہ حوائج انسانیہ اکل و شرب، پیشاب پاخانہ وغیرہ اور حوائج شرعیہ نماز وغیرہ کو انجام دیتے ہوئے اکثر حصہ یوم و لیلہ میں جو قطع ہو سکے وہ مسافت قصر ہے (۱) اسی قاعدہ سے بمشکل ۱۶ میل چل سکتا ہے بلکہ ۱۵ میل بھی چلنا دشوار ہوگا۔ اس لیے بعض حضرات ۱۲ میل روزانہ اور بعض ۱۵ میل روزانہ قرار دیتے ہیں۔ ہمارے اکابر نے ۱۶ میل روزانہ احتیاط کے طور پر قرار دیا ہے اس سے زائد قرار دینا غیر معقول ہے (۲) واللہ اعلم۔ (مکتوبات ۳/۱۳۴)

## قضاء عمری کا طریقہ



جو نمازیں اب تک کسی وجہ سے قضا ہو گئی ہیں اور ان کی تعداد معلوم نہیں ہے ان کی قضا کیسے کی جائے۔



ایام بلوغ کے بعد سے جو نمازیں قضا ہو گئی ہیں اور جو نمازیں فاسد پڑھی گئی ہیں ان کا اندازہ کیجئے اور زائد سے زائد مقدار اعتبار کرنے کے ان کو پڑھئے مثلاً آپ کا اندازہ ہے کہ ایسی نمازیں کم از کم دو برس کی پنچ وقتہ مجموعی طور پر ہو سکتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ تین برس کی تو تین برس کی نمازیں قضا کیجئے تاکہ بالیقین یا بعلبہ ظن ذمہ فارغ ہو جائے اگر ہر روز پانچ فرائض مع وتر پڑھ لیا کریں تو ایک سال میں ایک سال کی نماز کی قضا ہو جائے گی روزانہ پانچ وقتوں کی قضا کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا بھی پڑھ لی جایا کرے خواہ فرض سے پہلے یا بعد کو یا یہ کہ ایک وقت میں پانچوں نمازیں یا کم و بیش پڑھا کریں نیت کی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ قضا واجب ہونے والی ظہروں میں کی آخری ظہر پڑھتا ہوں اسی طرح عصر میں کہا جائے کہ جتنی عصر کی نمازیں مجھ پر بطور قضا واجب ہیں ان کی آخری عصر پڑھتا ہوں اور اسی طرح مغرب، عشاء، وتر، فجر میں کہا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بجائے آخری کے پہلی کہا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ جتنی ظہر کی نمازیں مجھ پر قضا

(۱) من خرج من عمارة موضع اقامته قاصداً مسیرة ثلثة ایام ولیالیہا بالسیر الوسط مع الاستراحات المعتادة صلی الفرض الرباعی رکعتین (التنویر ۲/۷۱۲)

(۲) حضرت کی وضاحت پوری طرح فقہ کے موافق ہے اس لیے کہ مسافت سفر میں حنفیہ کے نزدیک دراصل میلوں یا فرسخوں کا اعتبار نہیں ہے بلکہ حقیقتاً متوسط رفتار سے مسافت قطع کر سکنے پر حکم کا مدار رکھا گیا ہے۔ ہر جگہ یہی قاعدہ جاری ہوگا ولا اعتبار بالفراسخ علی المذاهب (درمختار ۲/۷۵۲) اس وضاحت سے شرعی یا انگریزی میل مراد لینے کا اختلاف خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

واجب ہیں اُن میں سے پہلی نماز پڑھتا ہوں اور اسی طرح ہر نماز میں کیا جائے (۱) اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس تقصیر کی معافی طلب کی جایا کرے قضا نمازوں میں سنتوں اور نوافل کی قضا نہ ہوگی (۲) صرف فرض اور وتر کی ہوگی۔ (مکتوبات ۲۱/۲-۲۲)

## کون سی نمازیں قضا کرنی ہوں گی



جس شخص نے کئی سال نمازیں نہ پڑھی ہوں وہ کون کون سی نمازیں قضا کرے گا۔



قضا صرف فرائض و وتر کی ہوگی سنن موکدہ بعد از خروج وقت نوافل ہو جاتی ہیں جن کی قضا نہیں (۳) الا ان یشاء الانسان بنفسه۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۲۹۱)

## فرض کے ساتھ سنتوں کی قضا



نماز اگر قضا ہو جائے تو کیا فرض و واجب کی طرح سنتوں کی بھی قضا کی جائے۔



قضا صرف فرائض اور وتر کی ہوگی۔ سنن موکدہ بعد از خروج وقت نوافل ہو جاتی ہیں جس کی قضا نہیں الا ان یشاء الانسان بنفسه۔ (۴) (مکتوبات ج ۱ ص ۲۹۱)

(۱) کثرت الفوائت نوی اول ظهر علیہ او آخرہ (درمختار ۶۵۰/۲)

(۲) بدائع الصنائع ۶۳۳/۱

(۳) واما بیان ان السنة اذا فاتت عن وقتها بل تقضى امر لا فنقول وباللہ التوفیق لاختلاف بین اصحابنا فی سائر السنن سوی رکعتی الفجر انها اذا فاتت عن وقتها لا تقضى سواء فاتت وحدها او مع الفریضة (بدائع الصنائع ۶۳۳/۱)

(۴) نوٹ: تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ اگر سنن موکدہ تنہا گئی ہیں تو ان کی قضا نہیں ہے اور اگر مع فرائض ترک ہوئی ہیں تو صرف سنت فجر کی زوال سے پہلے فرائض کے ساتھ قضا کی جائے بقیہ کی کسی صورت میں قضا نہیں ہے فی الکبیری للحلبی ص ۳۴۵ لا خلاف فی سائر السنن غیر سنة الفجر انها لا تقضى بعد الوقت ان فاتت وحدها و اختلف فیما اذا فاتت مع الفرض فالاصح انها لا تقضى ایضا الخ وفي الدر المختار ولا یقضها (ای سنة الفجر) الا بطریق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال (جمیل الرحمن)

## قضاء نماز محض توبہ سے معاف نہ ہوگی

﴿س﴾

کیا قضاء نماز توبہ سے معاف ہو جاتی ہے۔

﴿ج﴾

توبہ اور اس کی قبولیت کی بنا پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے زائل ہو جائے گا۔ مگر فراغت ذمہ توجیب ہی ہوگا جب کہ ماوجب کو ادا کر دیا جائے گا اس لیے قضا ضروری ہے۔ (۱)

(مکتوبات ۴۱۴/۱)

## کیا تارک نماز کافر ہے

﴿س﴾

تارک نماز کے بارے میں بعض روایات اور ائمہ کے اقوال میں کفر کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے۔

﴿ج﴾

لفظ کفر کبھی ضد ایمان پر بولا جاتا ہے اور کبھی ضد احسان پر بولا جاتا ہے قسم اول کفر حقیقی کامل ہے۔ جس میں وہ پایا جائے وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور ملت اسلامیہ سے جدا شمار کیا جاتا ہے بخلاف قسم ثانی کے اس پر اگرچہ لفظ کافر بولا جاتا ہے مگر وہ نہ ملت اسلامیہ سے خارج ہوتا ہے اور نہ اس کی مطلقاً تکفیر کی جاتی ہے وہ فاسق اور سخت گنہگار اور مرتکب کبیرہ ہے۔ چونکہ کفر کلی مشکلک ہے اس لیے اس کے درجات مختلف ہیں ہر درجہ پر لفظ کفر بولنا صحیح ہوگا مگر ہر درجہ کو مفسد ایمان اور خارج کنندہ از ملت اسلامیہ قرار دینا غلط ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ نے کفر دون کفر فرما کر یہ تصریح کر دی ہے ولا یکفر صاحبہا الا بالشک (۲) الغرض کسی کو ایسا درجہ کفر کا دینا جس سے ایمان اور ملت اسلامیہ سے علیحدہ قرار دیا جائے اس کے اس ہی درجہ کاملہ پر ہو سکتا ہے

(۱) قال فی الدر المختار: اذا التأخیر بلا عنذر کبیرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة او الحج الخ و فی الشامی: قوله بل بالتوبة ای بعد القضاء اما بدونه فالتأخیر باق فلم تصح التوبة منه (شامی ۶۲۶/۲)

(۲) بخاری ص ۹، ج ۱

جبکہ امور قطعیہ یقینہ کا منکر ہو جائے جیسے توحید کا یا رسالت کا انکار یا ایسی دوسری باتوں کا جو دیا انکار کرنا یا ایسا عمل کرنا جس سے ان قطعی باتوں کا انکار ٹپکتا اور لازم آتا ہو اور اگر یہ درجہ نہ پایا جاتا ہو تو اگرچہ اس پر لفظ کفر کا اطلاق کیا جائے گا مگر اس کو نہ خارج از ملت اسلامیہ کہا جائے گا اور نہ اس کو ایمان سے بے تعلق قرار دیا جائے گا۔ یہ ہی وہ مرتبہ ہے جس پر لفظ فسق کا اطلاق کیا جاتا ہے کسی جگہ لفظ کفر کے اطلاق سے یہ سمجھنا کہ یہ شخص ایمان سے بالکل علیحدہ اور بیگانہ ہو گیا سخت غلطی ہے۔ جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس ہی لیے امام بخاری اور دوسرے ائمہ کو تصحیح کرنی پڑی کہ اس پر تنبیہ کر دیں اور کہہ دیں کہ ”المعاصی من امر الجاہلیة ولا یکفر صاحبها بارتکابها الا بالشک“ (بخاری ۹/۱) اور اسی ہی بنا پر جمہور اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسلک ہے کہ کبائر اور معاصی کی بنا پر کسی کو خارج از ملت اور خارج از ایمان نہیں کہا جائے گا جب تک کہ اس سے قطعیات کا جو داور انکار ثابت نہ ہو جائے۔ پس تارک صلوٰۃ عمدہ کے متعلق حدیث میں یا اقوال ائمہ میں لفظ کفر کا وارد ہونا کلی مشکک کے طور پر ہے جو اگرچہ اطلاق حقیقی ہوتا ہے کیوں کہ کلی مشکک کا اطلاق اپنے تمام افراد پر خواہ وہ قوی ہوں یا متوسط یا ضعیف سب پر حقیقی ہوتا ہے مگر اس کے تمام مراتب مختلفہ کو کفر ہی کہا جائے گا البتہ ہر مرتبہ کفر کو خارج از ملت اسلامیہ اور عدم ایمان قرار دینا سخت غلطی ہوگا۔ آپ نے جو عبارتیں نقل فرمائی ہیں ان میں انہیں امور مذکورہ بالا درجات مختلفہ پر اہل سنت والجماعت کے یہاں اس کا اطلاق مبنی ہے اگر کہیں اختلاف نظر آتا ہے تو وہ لفظی ہے حقیقی نہیں ہے۔ ہاں معتزلہ اور خوارج کے یہاں حقیقی ہے جو اہل تبلیغ اس کے مخالف مسلک اختیار کر رہے ہیں وہ غلط کار ہیں کسی شخص پر کفر کا فرد کامل اطلاق کر کے اس کو غیر مومن قرار دینا اور خارج از ملت بتلانا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کو خالد ابدی جہنم میں بتایا جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس کے لیے کبھی بھی دخول جنت نہ ہوگا حالانکہ جس شخص کے قلب میں ذرہ برابر بھی ایمان متحقق ہوگا (۱) وہ ضرور بالضرور کسی نہ کسی وقت نجات عن النار حاصل کر کے مشرف بالجنّت ہوگا یہ درجہ تو شفاعت من النبى علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور پھر اس سے بھی کم درجہ ایمان کا (۲) موجب نجات بحیثیات اللہ سبحانہ ہوگا (۳) لہذا ایسی تکفیر بہت ہی زیادہ قابل احتیاط اور مستحق غور و فکر ہے اسی بنا پر علماء کلام انتہائی احتیاط برتتے ہوئے فرماتے ہیں لا نکفر احدا من اهل القبلة اور فرماتے

(۱) مشکوٰۃ ص ۴۸۹ حصہ ثانی باب الحوض والشفاعة م قدیمی

(۲) وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ عزوجل وعدنی ان یدخل الجنة من امتی اربع مائة الف بلا حساب فقال ابو بکر زدنا یا رسول اللہ قال وهکذا فحشا بکفیه وجمعهما الخ مشکوٰۃ شریف باب الحوض والشفاعة ص ۴۹۴، ج ۱ حصہ ثانی م قدیمی ومثله وثلاث حثیات من حثیات ربی ص ۴۸۶ مشکوٰۃ شریف

باب الحساب والقصاص

(۳) اللہ تعالیٰ لپ بھر کر خطا کاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے گا۔

ہیں اگر کسی شخص کے قول و فعل میں ۹۹ وجوہ کفر کی پائی جائیں اور ایک احتمال ایمان کا پایا جائے تو اس کی تکفیر نہ کرنی چاہیے۔ جو لوگ تصدیق قلبی ضروریات دین کی کرتے ہوئے اقرار باللسان عمل میں لاتے ہیں مگر تمام عمر انہوں نے چہرہ قبلہ کی طرف نہ کیا اور نہ نماز پڑھی ان کو اہل قبلہ سے نکالنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ کیا آپ ان آیات اور احادیث سے غافل ہیں جو مجرد ایمان پر نجات کی گواہیاں دے رہی ہیں کم از کم حدیث بطاقتہ (۱) پر غور فرمائیں اور ان آیات و احادیث پر غور کریں جو ہم نے رسالہ مذکورہ (۲) میں ذکر کر دی ہیں۔ شرط کسی امر کا کفر ہونا اور بات ہے اور مرتکب کا کافر اور مشرک ہونا دوسری بات ہے لوگ اس میں بہت کم تمیز کرتے ہیں جس شخص کے کفر اور شرک کا تحقق ہو جائے ضروری نہیں ہے کہ عند اللہ بھی کافر اور مشرک قرار دیا جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح تورات کو چمک دیا یہاں تک کہ بعض ٹوٹ گئیں کما فی بعض التفاسیر اور حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر چمک کر کھینچ کر گرا دیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مراتب عالیہ میں ذرا بھی فرق نہیں آیا یوم محشر میں قبلی کے قتل پر جو کہ کافر حربی تھا ان کو خوف ہو گا مگر ان دو امور مذکورہ بالا کا تذکرہ بھی نہیں فرمایا۔ پس غور فرمائیے اور جلد بازی سے کام نہ لیجئے مودودی صاحب نے مثل خوارج و معتزلہ بہت جلد بازی سے کام لیا اب تاویل میں کرتے ہیں کہ میں نے تعلیظ اور تخویفا کہا ہے مگر یہ تاویل چل نہیں سکتی ہے۔

(مخطوطات مبارکہ ص ۱۱۲)

## کیا امامت پر تنخواہ لینا غلط ہے

﴿س﴾

زید کہتا ہے کہ امامت پر تنخواہ لینا صحیح نہیں ہے۔ کیا اس کا قول درست ہے۔

﴿ج﴾

زید کا کہنا غلط ہے بیچ وقتہ نماز پڑھانے پر جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے اور اذان و تکبیر پر تنخواہ لینا شرط کرنا، کم و بیش پر گرفت کرنا صحیح ہے حسب قول مفتی بہ اس کو اپنی نماز کا جماعت کا، لوگوں کی ہدایت کا ثواب ملے گا۔ (۳)

(۱) فتخرج بطاقتہ فیہا اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبده ورسوله فیقول احضر وزنک الی آخر الحدیث وثلثت البطاقتہ فلا یثقل مع اسم اللہ شیخ راوہ الترمذی وابن ماجہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۶ باب الحساب والنصاب والمیزان م قدیمی وہ کاغذ کا پرچہ جس میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا جو اعمال نامہ کے تراویح پر بھاری ہوگا۔

(۲) اس سے مراد رسالہ "ایمان و عمل" ہے۔

(۳) ویفتی الیوم بصحتها لتعلم القرآن والفقہ والامامة والاذان (الدر المختار ۹/۹۳)

## مدرس کا تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کرنا

﴿س﴾

جو مدرس اپنی تنخواہ میں اضافہ کا طلبگار ہو اس کا یہ عمل کیسا ہے۔

﴿ج﴾

تعلیم قرآن و حدیث و دینیات پر اجرت لینی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے تو پھر تنخواہ کی کسی مقدار کو شرط کرنا یا اضافہ کی درخواست کرنا وغیرہ مثل دیگر اجرتوں کے یقیناً جائز ہوگا پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں، علیٰ ہذا القیاس جب کہ امامت، موزنی وغیرہ پر اجرت لینی جائز ہے تو اس میں بھی یہ سب امور جائز ہونگے اور ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح اور کامل ہوگی۔ (مکتوبات ۵۷/۴)

## تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا

﴿س﴾

حضرت تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی جہراً پڑھتے تھے مسلسل چند روز تک دیکھنے کے بعد آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت والا ایسا کیوں کرتے ہیں؟ (مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندی)

﴿ج﴾

فرمایا کہ میں تراویح میں حفص کی قراءت کرتا ہوں ان کی تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے۔ اس لیے میں اس کی پابندی کرتا ہوں لیکن چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لیے میں فرائض میں ایسا کرنے سے احتیاط برتا ہوں مگر نوافل میں حفص کی تحقیق پر اس لیے عمل کرتا ہوں کہ ان کے نزدیک بھی پورا قرآن ختم ہو جائے۔ ورنہ خواہ مخواہ ایک ایک آیت ہر سورۃ میں تلاوت سے رہ جایا کرے گی امد اس طرح بعض لوگوں کے نزدیک پورا قرآن ختم نہ ہو سکے گا۔

مجھے حیرت ہے کہ لوگ علیہ اللہ اور بسم اللہ مجربھا و مرسھا میں تو حفص کی قراءت کا لحاظ کر کے عام قاعدہ کے برخلاف پڑھتے ہیں۔ پھر بسم اللہ کی جہراً قراءت میں اور وہ بھی نوافل میں کیوں تامل کیا جا رہا ہے۔ میں تراویح میں پورے قرآن کے ختم کے خیال سے حفص کی تحقیق پر عمل کرتا ہوں اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں

ہوتی۔ (۱) (شیخ الاسلام واقعات و کرامات کی روشنی میں ص ۱۴۷)

## ختم تراویح کے وقت مٹھائی کی تقسیم

﴿س﴾

ختم تراویح پر کچھ تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

ختم تراویح میں کچھ تقسیم کرنا روایات میں نظر سے نہیں گذرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ سورہ بقرہ کو یاد کر لیا تو خوشی میں احباب کی کھانے کی دعوت کی (۲) اس روایت سے اور اس ہی قسم کی دوسری روایات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر ختم قرآن جیسی نعمت حاصل ہونے پر احباب وغیرہ کو کچھ پیش کیا جائے تو خلاف شرع نہ ہوگا اور امید ہے کہ ذریعہ خوشنودی باری عزاسمہ ہو مگر جو طریقہ آج کل رائج ہو رہا ہے کہ مساجد میں اہل و نساء سب جمع ہو کر نمازیوں کو مشوش کرتے اور شور و شغب عمل میں لاتے ہیں تقسیم میں مار پیٹ گالی گلوچ وغیرہ رونما ہوتی ہے بانٹنے کی چیزیں فرش مسجد پر گرتی ہیں اور فرش گندہ ہو کر نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں چندہ جبری طریقہ سے وصول کیا جاتا ہے غیر مستطیع (نادار) کو طعنے دیئے جاتے ہیں التزام مالا یلزم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور ایسے ہیں جن کی بنا پر یا تو اس کو بالکل بند کر دینا چاہیے یا اس کی اصلاح اس طرح کرنی چاہیے کہ اصحاب استطاعت (مالدار) حضرات اپنی خوشی سے جو کچھ میسر ہو لائیں اور مسجد سے باہر تقسیم کیا جائے مسجد میں کسی کو کچھ نہ دیا جائے۔ جو لوگ آئیں ان کو تاکید کی جائے کہ ختم تک بالکل ساکت و صامت (خاموش) رہیں دعا میں اخلاص کے ساتھ شرکت کریں بچوں اور شور و شغب کرنے والوں کو مسجد سے باہر ہی بٹھایا جائے۔ (مکتوبات ۱۹۵/۱-۱۹۶)

(۱) اس سلسلہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا یہ فتویٰ بھی لائق ملاحظہ ہے ”ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہرا پڑھنا حضرت گنگوہی کے یہاں تو معمول نہ تھا، مگر حکیم حافظ مسعود احمد صاحب پڑھا کرتے تھے تو حضرت نے ان کو منع بھی نہیں فرمایا۔ اور شامی میں یہ ہے کہ وصرح فی المجتبیٰ ان سمی بین الفاتحة والسورة المقرورة سراً او جہراً كان حسناً عند ابی حنیفة ورجحه المحقق ابن الہمام وتلمیذہ الحلبي لشبهة الاختلاف فی كونها آية من كل سورة بحر ۲/۲۳۵ خلیل احمد عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم ۲۹/۱)

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ تعلم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ البقرة من اثني عشرة سنة فلما اتمها نحر جزوراً (شعب الایمان للبيهقي- بيروت ۳۳۱،۲)

## تراویح پر اجرت

﴿س﴾

اجرت پر تراویح سنانا کیسا ہے اور اس طرح نماز درست ہوگی یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر حافظ رمضان شریف کے اندر قرآن سنانے پر کوئی مقدار شرط کرتا ہے یا اگر مقتدی اس کو کچھ نہ دیں یا کم دیں تو جھگڑتا ہے قرآن سنانا بند کر دیتا ہے اگرچہ شرط زبانی نہیں کرتا مگر معاملہ ایسا ہی کرتا ہے تو اس صورت میں اس کا رقم لینا جائز نہیں (۱) نماز ادا ہو جائے گی مگر وہ فضیلت قرآن کے سننے اور سنانے کی حاصل نہ ہوگی اور اگر حافظ نے کوئی شرط زبانی یا عملی نہیں کی اخلاص سے لوجہ اللہ سنانا ہے اور مقتدی اس کو بلا طلب کچھ دیتے ہیں خواہ کم ہو یا زیادہ تو اس کو لینا جائز ہے اور کسی کی نماز اور ثواب میں کوئی خلل نہیں بلکہ مقتدیوں کو مزید ثواب کی امید ہے۔  
(مکتوبات ۵۰۴)

## نماز جنازہ

﴿س﴾

نماز جنازہ کن کن لوگوں پر پڑھی جائے گی۔

﴿ج﴾

جنازہ کی نماز ہر صالح اور طالح پر پڑھنا ضروری ہے جب کہ وہ مدعی اسلام ہو کفر جود اور شرک صریح کا مرتکب نہ ہو اور اگرچہ زنا، شراب، سرقہ، کذب وغیرہ کا مرتکب اور اس پر مصر ہو۔ اگر سب مسلمانوں نے اس پر نماز نہ پڑھی اور بے نماز جنازہ دفن کر دیا گیا تو سب گنہگار ہوں گے کیونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے صلوا علی کل برو فاجر (۲) ہاں اگر کوئی شخص مقتدا ہے اور اس کی ترک نماز سے لوگوں کو عبرت ہوتی ہو تو احتراز کرنا چاہیے (۳)۔ (مکتوبات ۸۳۴)

(۱) ویمنع القاری للدنیا والأخذ والمعطى ائمانہ (شامی ۹/۹۵)

(۲) فالدلیل علی فرضیتها ما روی عن النبی ﷺ انه قال صلوا علی کل برو فاجر۔ (بدائع الصنائع ۲/۴۶)

(۳) عن جابر رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ لا یصلی علی رجل علیہ دین الخ (نسائی شریف ۲۷۸/۲)

## رویت ہلال



کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: اس ملک جنوبی افریقہ میں رویت ہلال کے متعلق بہت سے جدید تعلیم یافتہ حضرات کا اصرار ہے کہ چاند کی پیدائش کے متعلق سائنس جدید نے جو نئی دریافت اور تحقیق کی ہے اس ہی پر عمل کرتے ہوئے رمضان و عید وغیرہ کرتے رہنا چاہیے۔ اور ارشاد نبوی ﷺ صوموا لرویتکم و افطروا لرویتکم پر اس وقت تک عمل ضروری تھا جب تک اس تحقیق جدید کا انکشاف نہیں ہوا تھا مگر اب مذکورہ حدیث پر عمل متروک ہونا چاہیے اور چاند کی پیدائش کی پیروی کرنی چاہیے جو تحقیق کبھی غلط نہیں ہو سکتی ہے کیا ان حضرات کی دلیل قابل تسلیم ہے۔

۲: ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ مشرق وسطیٰ کے ممالک خصوصاً حجاز مقدس میں چاند کی پیدائش ہی پر عمل کیا جاتا ہے اور چاند کی رویت کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے کیا یہ دعویٰ صحیح ہے۔

۳: امسال یہاں پر صوبہ کپ ناؤن کی ایک طائرانہ ٹیلی فون کی خبر پر بہت لوگوں نے عید منائی اور کپ ناؤن یہاں سے ہزاروں میل دور ہے تو کیا یہ اقدام صحیح ہے۔

۴: بعض ہمارے علماء کا ارشاد ہے کہ ریڈیو پر ہندوستان یا پاکستان سے چاند دیکھنے کی خبر مل جانے پر جنوبی افریقہ والوں کو عمل کر لینا چاہیے کیا ان علماء کرام کا ارشاد بجا ہے۔ امید کہ ان سوالات کے تسلی بخش مدلل جوابات سے سرفراز فرما کر ہمیں شکر گزار کر کے عند اللہ ماجور ہونگے۔



۱۔ یہ کوئی نئی تحقیق اور نیا نظریہ نہیں ہے سائنس قدیم میں بھی اس کی تحقیق ہو چکی ہے لیکن احکام کی بنیاد پیدائش ہلال پر نہیں رکھی گئی بلکہ رویت ہلال پر رکھی گئی ہے روزے حج زکوٰۃ وغیرہ جملہ مسائل اسی رویت پر مبنی ہیں پیدائش ہلال پر نہیں۔ (۱)

۲۔ میرے علم میں یہ ہے کہ مصر و حجاز وغیرہ میں رویت ہلال پر عمل ہوتا ہے پیدائش ہلال پر عمل نہیں ورنہ شہادت کا سلسلہ جاری نہ رہتا۔ جدید تحقیقات پر (بنا) نہیں ہے۔

۳۔ ان کا اقدام شرعی اور فقہی نظر سے صحیح نہیں ہے کہ ثبوت فطر (عید) کے لیے مطلع صاف نہ ہونے کی

صورت میں شہادت عدلین یا شہادت علی الشہادت یا خبر مستفیض کا ہونا ضروری ہے صرف ٹیلی فون کی خبر کافی نہیں ہے کہ خبر محض ہے۔

و شرط للفظ مع العلة والعدالة نصاب الشهادة و لفظ اشهد ..... ولو كانوا ببلدة لاحاكم فيها صاموا بقول ثقة و افطر و ابخبار عدلين مع العلة للضرورة (۱) لالو شهدوا بروية غيرهم لانه حكاية الخ (۲) فانهم لم يشهدوا بالروية ولا على شهادة غيرهم الخ امر الناس بصوم رمضان لانه حكاية بفعل القاضى ايضا وليس بحجة بخلاف قضائه الخ نعم لو استفاض الخبر فى البلدة الاخرى لزمهم على الصحيح من المذهب مجتبى وغيره الخ (۳) ان عبارتوں سے ثابت ہے کہ ٹیلیفون کی خبر سے ان کا عید کر لینا صحیح نہ ہوا۔ (۴)

نمبر ۴۔ پاکستان یا اور کہیں سے یہ اعلان ایک جانا بوجھا معتمد شخص کرے کہ رویہ شہادت شرعیہ سے ثابت ہوگئی ہے جس کا میں اعلان کرتا ہوں اور جہاں چاند نہیں دکھائی دیا وہاں کے ارباب حل و عقد کو اس کی رویت کا ظن غلب ہو جائے تو ثبوت ہلال کا حکم کر سکتے ہیں اور روزہ وغیرہ ادا کر سکتے ہیں کہ یہ شہادت شرعیہ کا محکم اعلان ہے اور اگر ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی کہ آج یہاں عید ہے یا فلاں جگہ چاند دیکھا گیا ہمارے یہاں بھی آج رمضان ہے یا عید ہے تو اس کا اعتبار نہیں کہ خبر محض ہے شہادۃ نہیں ہے تا کہ اعتبار کیا جائے فیلزم اهل المشرق بروية اهل المغرب اذا ثبت عندهم روية اولئك بطريق موجب كما مر الخ (۵) واللہ اعلم۔

(مخطوطات مبارکہ ص ۱۱)

## رمضان کے روزوں کی قضا



جو روزے قضا ہو گئے ہیں، ان کو کس طرح ادا کیا جائے

(۱) در مختار ۳/۵۷۳

(۲) در مختار ۳/۴۱۳

(۳) در المختار ۳/۴۱۳: کتاب الصوم: مطلب مقاله السبکی من الاعتماد على قول الحساب مردود: م رشیدیہ

(۴) البتہ اگر متعدد جگہوں سے خبر مستفیض کے طور پر بذریعہ ٹیلیفون چاند کی خبر ملے تو اس پر عمل صحیح ہو سکتا ہے۔

(۵) ۳/۴۱۹ مطلب فی اختلاف المطالع: کتاب الصوم: م رشیدیہ

﴿ج﴾

رمضان شریف کے روزوں کے لیے اکثر متیقن یا کم از کم اغلب ظن پر جتنے دن ہوں ان کی قضا رفتہ رفتہ کیجئے (۱) یہ سردی کے ایام غنیمت بارہ ہیں۔ (مکتوبات ۲۷۶/۲)

صدقہ اور قرضہ

﴿س﴾

صدقہ اور قرضہ میں کس کا ثواب زیادہ ہے۔

﴿ج﴾

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ مزل کی تفسیر میں روایت نقل فرمائی ہے کہ صدقہ کا ثواب ایک کا دس اور قرض حسنہ کا ایک کا اٹھارہ ہے اور پھر اس کی وجہ ذکر فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں (۲)  
(مکتوبات ۳۰۷/۱)

کفار سے لی گئی زمین میں عشر نہیں

﴿س﴾

جو زمین کافروں سے خریدی جائے کیا اس میں عشر دینا ہوگا۔

﴿ج﴾

جو زمین کفار سے خریدی گئی ہے عشری نہیں ہے (۳) اگر بطور استحباب دیا جائے بہتر ہے جو لگان گورنمنٹ وصول کرتی ہے وہ حربی زمین میں کافی ہے البتہ اس کی آمدنی خواہ غلہ ہو یا نقد بطور تجارت کام میں لائی جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اموال تجاریہ کی زکوٰۃ کے طریقہ پر واجب ہوگی (۴)۔ (مکتوبات ۳۶۴/۱)

(۱) وقضاء رمضان ان شاء فرقه وان شاء تابعه لاطلاق النص (ہدایہ ۲۲۲/۱)

(۲) فی جمع الفوائد عن ابی امامۃ مرفوعاً دخل رجل الجنة فرأى علی بابها مكتوبة الصدقة بعشر امثالها والقرض بثمانية عشر (طبرانی) جمیل الرحمن

(۳) ويحتمل ان يكون احترازا عما وجد في دار الحرب فان ارضها ليست ارض خراج او عشر (شامی ۳۰۳/۳)

(۴) وقيمة العرض للتجارة تضم الي الثمنين (در مختار ۲۷۸/۳)

## زکوٰۃ بنی ہاشم کے متعلق ابو عصمہ کی روایت کی تحقیق

﴿س﴾

کیا ابو عصمہ کی روایت کی بنیاد پر سادات بنی ہاشم کی لیے اخذِ اموال زکوٰۃ کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

﴿ج﴾

”چنانکہ سلاطین ذوی الاقتدار سماعت شعار اموال نذر و نیاز اور مخارج خاصہ حاضر نمی نمایند بلکہ در مخارج سائر اہل عزت و افتخار مثل شہزادہ ہائے عالی مقدر و امراء کبار تجویز بدل فرمایند بلکہ مصارف ایس اموال نزد ایشان ذوی الحاجات و انعامات اندو پس ہم چنین حضرت ملک الاملاک اموال زکوٰۃ را بر پیغمبر ﷺ کہ مخارج آنجناب فی الحقیقہ از مخارج خاصہ حضرت رب الارباب است بر سائر بنی ہاشم کہ علاقہ اخوت و نبوت با آنجناب میداشتند تحریم فرمود و مصارف آں اموال از ذوی الحاجات معین نمود پس کسانیکہ برایشان صدقات تحریم فرمودہ اند عزت و افتخارے حاصل شدہ کہ شکر آں بیخ زبان اونمی تو انند کرد اگر فقط در مقالہ ہمیں نعمت صد ہا انواع عبادات و ہزار ہا اقسام طاعت بجا آرند ایشان را می سزد و نسبت مقابلہ مثل ایس نعمت عظمیٰ بہ کفران و ارتکاب عصیاں بکدام پایہ می رسند (صفحہ ۹۳ صراط مستقیم ملفوظات حضرت سید احمد شہید)

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ ابو عصمہ کی روایت (۱) کو تم اس زمانہ میں ترجیح دینا مناسب سمجھتے ہو اساماء الرجال میں ابو عصمہ کو غیر معتبر شمار کیا گیا ہے فقہا اس روایت کو خود شاہ لکھتے ہیں جو علت اس روایت کی ذکر کی گئی ہے وہ خمس سے بنی ہاشم کا محروم ہو جانا جس کا سبب بیت المال کا فساد ہے مگر یہ تعلیل نص کے معارض ہے نص میں اس کو اوساخناس کہا گیا ہے (۲) روایات صحیحہ دیکھو کیا محتاج سے محتاج کے لیے اوساخناس کھانا کسی صاحب عزت و مروت سے جائز ہوگا۔ مضطر کے لیے تو میہ بھی حلال ہوگا مگر بحث غیر مضطر میں ہے۔ پس یہ تعلیل جو اس فتویٰ کی بعض متاخرین ذکر کرتے ہیں اور خود اس روایت کی وجہ امام سے کتب میں دکھائی گئی ہے قابل اعتماد نہیں ہے ہم اگر اس سے قطع نظر کریں تو بھی بنی ہاشم اور خود جناب رسول اللہ ﷺ کی حالت فقر و فاقہ آج کل کے فقراء بنی ہاشم سے دنیاوی معیشت کی حیثیت سے بہت زیادہ گری ہوئی تھی حضرت فاطمہؓ کا چکی پینا جس سے ہاتھوں میں گھٹے پڑ جاتے۔ پانی بھرنا جس سے کندھوں پر گھٹے پڑ جاتے اور اس وجہ سے خادم طلب کرنا اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ کا ان کو خادم نہ دینا احادیث میں مذکور ہے کتاب اللقطہ میں فاقوں میں

(۱) ابو عصمہ کی روایت یہ ہے وروی ابو عصمہ عن ابی حنیفۃ ان یجوز فی ہذا الزمان وان کان ممتنعاً فی

ذلک الزمان (عمینی شرح ہدایہ ۷۰/۱ فتح القدیر ۲/۲۸۲)

(۲) ان الصدقۃ لا تنبغی لآل محمد انما ہی او ساخناس (مسلم شریف ۱/۳۳۳)

گذران کرنا اور دینار لفظ میں پانا وغیرہ مذکور ہے جس سے ان کی تنگی معیشت کی انتہائی حالت معلوم ہوتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پوسٹین پہن کر فاقہ سے تنگ ہو کر نکلنا اور یہودی کے باغ میں ایک ایک کھجور پر ڈول بھرنا وغیرہ اس قدر واقعات ہیں کہ جن کو اگر دیکھا جائے کہ خود زمانہ سعادت میں آج کل کے فقر و فاقہ سے نہایت سخت حالت بنی ہاشم کی حالت معلوم ہوتی ہے مگر اس وقت میں اجازت نہیں دی گئی اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ آج اس پر فتویٰ دے کر مقابلہ نصوص کیونکر کیا جائے اور ظاہر الروایات اور احادیث صحیحہ کو ترک کیا جائے اور اگر بالفرض ایسا کرنا ہی ہے تو صدقات نافلہ کی اجازت کیوں نہ دیجائے اور اگر ضرورت ہی ہو تو تملیک کا طریقہ کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ صراط مستقیم کی عبارت کو اسی واسطے پیش کر رہا ہوں کہ سمجھ میں آئے کہ کتنی عظیم الشان نعمت بارگاہ الہی سے بنی ہاشم کو عطاء کی گئی ہے اس کے ہوتے ہوئے ہزار فاقہ بھی تحمل کئے جاسکتے ہیں ہاں اگر حالت شرعی اضطرار کو پہنچی ہو تو البتہ بمقدار اضطرار مثل میۃ اجازت ہوگی۔ (مکتوبات ۳۶۹/۱-۳۷۱)

### حاجی کو پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے یا مکہ مکرمہ



۲۷ سوال ۷۷۲ محمدی جہاز پر عرض کیا گیا پہلے مدینہ منورہ حاضری دی جائے یا میقات سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جائیں۔



یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ پہلے مکہ معظمہ جانا افضل ہے یا مدینہ منورہ مگر آیت ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ تواباً رحیماً اور قاعدہ شفاعت اسی کا مقتضی ہے کہ پہلے شفیع کی خدمت میں حاضر ہو اور اسی کی سفارش لے کر شہنشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ (یہ نصوص) اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ مدینہ منورہ اول حاضر ہوں آئندہ اختیار ہے۔ مطوفین اس کے خلاف زور دیتے ہیں اس میں ان کے مصالح ہیں (۱)۔ (مکتوبات ص ۱۰۰ ج ۳)

۱۰ فقہائے احناف کا نظر یہ اس بارے میں یہ ہے کہ اگر حج فرض ہے تو پہلے مکہ مکرمہ جانا افضل ہے اور اگر نفل حج ہے اور مدینہ منورہ سے گذر نہیں ہوا ہے تو اختیار ہے والحج ان کان فرضاً فالاحسن ان یبدأ بہ ثم یشئ بالزیارۃ وان کان نفلاً کان بالخیار (عالمگیری ۲۶۵/۱) وفي الدر المختار: ویبدأ بالحج لو فرضاً ویخیر لو نفلاً مالہ یمر بہ فیبدأ بزیارۃ لا محالۃ (در مختار) وفي الشامی: قال فی شرح اللباب وقد روی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ اذا کان الحج فرضاً فالاحسن للحاج ان یبدأ بالحج ثم یشئ بالزیارۃ وان بدأ بالزیارۃ جاز، وهو ظاهر اذ یجوز تقدیم النفل علی الفرض اذا لم یخش الفوت بالاجماع (شامی) ۶۳/۲ شرح لباب کی تعلیل اذا لم یخش الفوت بالاجماع سے معلوم ہوتا ہے کہ حج فرض کی صورت میں پہلے مکہ مکرمہ حاضری حج کے اہتمام کی بنا پر ہے لہذا اگر پہلے زیارت مدینہ طیبہ میں حج کے اہتمام میں کوئی کمی نہ آتی ہو اور نیت شفاعت حاصل کرنے کی ہو تو پھر پہلے حاضری مدینہ منورہ کو بھی افضل کہا جاسکتا ہے یہی حضرت کا موقف ہے۔

## حرم کی اشیاء باہر لانا

﴿س﴾

حرم شریف کی کنکریاں یا خشت یا شکستہ پتھر وغیرہ بطور تبرک لے کر اپنے پاس رکھنا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

شوافع کے یہاں حرم کی کوئی چیز جنس ارض کی حتیٰ کہ صراحیاں بھی حرم سے نکالنا جائز نہیں ہے مگر حنفیہ غیر ضروری اور زائد کی یا ان چیزوں کی جو انسانی ضرورتوں کے لیے بنائی گئی ہوں اجازت دیتے ہیں (۱)۔

(مکتوبات ص ۱۰۰، ج ۳)

## حرم شریف سے بطور تبرک پتھر لانا

﴿س﴾

کارکنان مسجد نبوی ﷺ سے کسی پتھر کو بطور تبرک حاصل کرنا کیا حکم رکھتا ہے۔

﴿ج﴾

حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔ (مکتوبات ص ۱۰۰، ج ۳)

## تبرکات وغیرہ کی بیع

﴿س﴾

اشیاء مذکورہ بصورت خرید یا ہدیہ درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

ہر دو حنفیہ کے ہاں درست ہے (۲) مکتوبات ص ۱۰۰، ج ۳

(۱) ولا بأس باخراج حجارة الحرم وتراہ الی الحل عندنا (عالمگیری ۶۱/۳) شامی

(۲) ثم لا بأس بان یشتري منهم (عالمگیری ۲۶۳/۱)

## مدینہ منورہ میں قیام کی کم از کم مقدار

﴿س﴾

زائرین حرم کو مدینہ منورہ میں زادہا اللہ شرفاً وعظمتہ میں کم از کم کتنے دن قیام کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

مدینہ منورہ میں کم از کم ۸ دن ضرور قیام فرمائیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ کوئی نماز فوت نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے نفاق اور نار سے براءت کی جاتی ہے (۱) لہذا آٹھ دن اس التزام کے ساتھ قیام فرمائیں کہ مستقل طریقہ پر چالیس نمازیں باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ادا ہو جائیں اور حتی الوسع کوشش کیجئے کہ اس حصہ میں یہ فرائض ادا ہوں جو کہ زمانہ نبوت میں مسجد تھا اس کی علامتیں ستونوں پر بنی ہوئی ہیں۔ (مکتوبات ۱۲۱/۱)

## اپنے حج سے پہلے والد صاحب کو حج کرانا

﴿س﴾

کیا مجھے اپنا حج کرنے سے پہلے والد صاحب کو حج کرانا ضروری ہے۔

﴿ج﴾

اگر والد صاحب پر حج فرض ہو چکا ہو تو بہتر ہے کہ ان کو فریضہ حج ادا کر دیجئے اور اگر ان پر فرض نہ ہو (یعنی کوئی زمانہ ایسا نہ آیا ہو کہ وہ ایام حج میں اتنے مال کے مالک ہوئے جس سے اس وقت فرض حج ادا کر سکتے یا انہوں نے فریضہ حج ادا کر لیا ہو) تو آپ خود جائیں۔ (مکتوبات ج: ۳ ص: ۱۶۲)

## حج بدل

﴿س﴾

حج بدل اپنا حج کئے بغیر درست ہے یا نہیں۔

(۱) قال السہودی: وروی احمد والطبرانی فی الاوسط ورجاله ثقات عن انس بن مالک حدیث من صلی فی مسجدی اربعین صلوٰۃ زاد الطبرانی لا تفوتہ صلوٰۃ کتب لہ برائۃ من النار وبراءۃ من العذاب وبری من النفاق (وفاء الوفاء ۳/۳۲۳)

### ﴿ج﴾

حج بدل میں اس شخص کے لیے جو کہ اپنا فریضہ ادا نہیں کر چکا ہے خلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین ناجائز بتلاتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مکروہ فرماتے ہیں تحریماً اس کے لیے جو پہلے سے مالک زاد و راحلہ تھا اور تنزیہاً اس کے لیے جو پہلے سے غیر مستطیع تھا۔ مگر ہر دو حالت میں فریضہ آ مراد ہو جائے گا۔ البتہ مامور (یہ حج بدل کرنے والا) فقیر جب میقات حد و حرم میں پہنچ گیا تو اس پر بھی حج فرض ہو جائے گا اب یا تو یہیں ایک سال رہ کر اگلے سال اپنا حج کر کے لوٹے ورنہ وطن واپس آ کر حج اسلام ادا کرے ورنہ گناہگار ہوگا۔ (۱)

(مکتوبات ۲۹۶/۲-۲۹۷)

### سفر حج موٹر پر

### ﴿س﴾

سفر حج میں اونٹوں کے بجائے موٹر سے سفر کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔

### ﴿ج﴾

اونٹوں کا سفر کوئی مقصود بالذات نہیں ہے جبکہ موٹر کا سفر بہت سے مصالح کو مشتمل ہے تو جہاز اور ریل کی طرح اس کو بھی فضیلت ہوگی۔ (مکتوبات ج ۱، ص ۱۱۹)

### مدینہ منورہ کی بالقصد حاضری

### ﴿س﴾

مدینہ منورہ کی حاضری میں زائر کی کیا نیت ہونی چاہیے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محض مسجد شریف

(۱) والافضل احجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه وهو یدل علی کراهة تنزیہ والاقال ویجب الخ والحق انها تنزیہیہ علی الامر تحریمیة علی الصرورة المامور الذی اجتمعت فیہ شروط الحج عن نفسه لانه آثم بالتاخیر (البحر الرائق ۶۹۳) وقال فی غنیة الناسک: لا یخفی علیک انه باطلاقة یقتضی انه بوصوله الی المیقات یجب الحج علیہ (غنیة الناسک ۱۸۱)

(ضروری نوٹ) غیر مستطیع شخص اگر دوسرے کی طرف حج بدل کرے تو اس پر حج فرض ہونے کے متعلق فقہاء متاخرین کا اختلاف ہے علامہ شامی نے اس پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے عدم فرضیت کو راجح قرار دیا ہے۔ (شامی مطلب فی

حج الضرورہ ۲۶۴) محمد سلمان

کی زیارت کا ارادہ محرک ہو۔ نیز اس ضمن میں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ حضور e کی حیات شہداء کی مانند محض روحانی ہے یا آپ جسم اقدس کے ساتھ زندہ بھی ہیں۔

### ﴿ج﴾

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حضوری مدینہ کے بارے میں مرجوح بلکہ غلط ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہیے آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین و شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے (۱) آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے میرے نزدیک (افضل) یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے اور آپ کے توسل سے نعمت قبولیت حج و عمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے مسجد کی نیت خواہ تبعاً کر لی جائے مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کی جائے تاکہ لایحمله حاجۃ الازیارتی والی روایت پر عمل ہو جائے۔

(مکتوبات ۱۱۹/۱-۱۲۰)

### روضہ اقدس پر حاضری

### ﴿س﴾

روضہ مقدسہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے وقت زائر کی کیا کیفیت ہونی چاہیے۔

### ﴿ج﴾

حاضری روضہ مبارک کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی جاننے والی، غایت جمال و جلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے۔ (مکتوبات: ج ۱، ص ۳۰۶)

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مبارکہ کے اس مسئلہ کو جس کی جانب جواب میں اشارہ کیا گیا ہے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے اپنی تصانیف آب حیات و جمال قاسمی وغیرہ میں بدلائل واضح فرمایا ہے اور حدیث لا تحملہ حاجۃ کا پورا متن یہ ہے جس کو امام تقی الدین سبکی نے بروایت طبرانی و دارقطنی وغیرہما شفاء السقام کے ص: ۱۳ پر بیان کیا ہے من جاءنی زائراً لایحمله الازیارتی کان حقاً علی ان اکون له شفیعاً لہ یوم القیامۃ (جسیل الرحمن)

## کامل دسترس

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ فقیہ بھی تھے، مسائل فروعیہ فقہیہ پر کامل دسترس ان کے استحضار پر قدرت تامہ بلکہ وسعت علم کی بنا پر اقوال مختلفہ میں مرجحانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ مذاہب اربعہ کے جزئیات فقہیہ اور روایات مختلفہ حافظہ میں متحضر تھے جب کبھی اختلافی مسائل کا تذکرہ ہوا شافعیہ و مالکیہ و حنابلہ کے اقوال مختلفہ پیش فرمادیتے تھے۔

(الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر مطبوعہ پاکستان ص: ۹۷)

اذکار و آدابِ دعا و غیرہ

## اجتماعی مجالس ذکر



ناجیز (مولانا نجم الدین اصلاحی) نے یہ سوال کیا تھا کہ مسند دارمی شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم لوگ قبل نماز فجر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ان کے انتظار میں بیٹھے اور ساتھ ہو کر مسجد آتے، ایک روز ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گھبرائے ہوئے آئے اور ہم سے پوچھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نکلے یا نہیں، ہم نے کہا نہیں، وہ بھی انتظار میں بیٹھ گئے، جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نکلے تو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی ابھی میں نے مسجد نبوی میں ایک امر منکر دیکھا ہے۔ لیکن دیکھنے میں بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ابن مسعود! کیا دیکھا ہے؟ ابو موسیٰ! میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ ہمارے انتظار میں مسجد نبوی میں حلقے باندھ کر بیٹھیں ہے اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، ہر حلقے میں ایک شخص ہے جو کہتا ہے کبر مائة تکبیرۃ فی کبرون مائة یعنی سو بار تکبیر کہو، وہ سو بار تکبیر کہتے ہیں، پھر کہتا ہے سو بار لا الہ الا اللہ کہو وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں پھر اسی طرح سو بار سبحان اللہ کہنے کی ہدایت کرتا ہے، وہ سبحان اللہ کہتے ہیں، ابن مسعود! تم نے کیا کہا؟ ابو موسیٰ! آپ کے انتظار میں میں نے کچھ نہیں کہا، بات کرتے کرتے دونوں صاحب مسجد میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابو موسیٰ کے بیان کے مطابق مسجد نبوی میں ذکر جاری ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک حلقہ والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ کنکریاں ہیں ان پر اللہ کی تکبیر و تہلیل و تسبیح پکارتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بجائے تکبیر و تہلیل اور تسبیح کے اپنے گناہوں کو شمار کرو میں ضمانت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسنات کو ضائع نہیں کرے گا۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کس قدر جلدی تمہاری خرابی پہنچ گئی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تم میں کثرت سے موجود ہیں ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال کے برتن بھی نہیں ٹوٹے تو شاید تم ایسے طریقے پر ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے عمدہ اور زیادہ ہدایت والا ہے۔ لوگوں نے معذرت کہا واللہ ما اردنا بہ الا الخیر خدا کی قسم اس سے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کم من مرید الخیر الخ کتنے خیر کے ارادہ کرنے والے ہیں جو ہرگز خیر کو نہیں پہنچے۔ (دارمی، ص: ۳۸)

اس روایت کو خدمت اقدس میں پیش کر کے یہ شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ صوفیاء کا موجودہ سلسلہ ایسا ہے جس میں اس طرح کے اشغال و وظائف اور ذکر کے حلقے پائے جاتے ہیں جو اس روایت کی روشنی میں محدث کہے جاسکتے ہیں اور ان پر تکبیر کرنا جائز ہو جاتا ہے۔



(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان لله ملائكة يطوفون في الطريق يلتمسون اهل الذکر فاذا وجدوا قومًا يذكرون الله تنادوا هلموا الي حاجتكم فيحفونهم باجنحتهم (الی ان قال) فيقول انی اشهدکم انی قد غفرت لهم قال فيقول ملك من الملائكة فيهم فلان ليس منهم انما جاء لحاجة قال هم الجلساء لا يشقى جلسهم۔ (۱)

(۲) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ يقول الله (تعالی) انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فاذا ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم (مسلم شریف ۳۴۱۲) ومن تقرب منی شبراً تقربت منه ذراعاً۔ (۲)

(۳) عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ ﷺ مر بمجلسین فی مسجدہ فقال کلاهما علی خیر واحدهما افضل من صاحبه اما هولاء فيدعون الله ويرغبون اليه فان شاء اعطاهم وان شاء منعهم واما هولاء فيتعلمون الفقه أو العلم ويعلمون الجاهل فهم افضل وانما بعثت معلماً ثم جلس فيهم۔ رواه الدارمی (۳)

یہ روایات اور ان کے ہم معنی شیخین وغیرہما کی مرفوعات صحیحہ ہیں ان کے مقابلہ میں دارمی کی وہ روایت جو آپ نے ذکر فرمائی ہے کیا حیثیت رکھتی ہے جبکہ وہ موقوف ہے اور اس کے رواۃ متفق علیہ نہیں ہیں اگرچہ ثقاہت ہیں اس لیے اگر معارضہ کیا جائے گا تو احادیث مذکورہ بالا کو ہی ترجیح ہوگی۔ خصوصاً جبکہ اطلاق آیات ذکر ان کے موید ہو (۴) فاذا ذکر واللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم الآیة (آل عمران) (۵) یا ایہا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً وسبحوه بکرة واصیلاً (احزاب) وغیرہ جن سے اجتماع وانفراد سب کا ثبوت ہوتا ہے اور اگر کوئی صورت جمع کی نکالی جائے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ کوئی چیز ہر دو صاحبوں نے اس جماعت میں ایسی مشاہدہ فرمائی ہو جو کہ زمانہ سعادت میں نہیں پائی گئی اور اس میں افراط و تفریط کا شائبہ تھا اس بنا پر منع کیا نہ کہ نفس

(۱) بخاری شریف ج ثانی ص ۹۴۸ باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ

(۲) مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۳ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ الفصل الاول

(۳) الفصل الثالث مشکوٰۃ شریف ص ۳۶

(۴) آیت نمبر ۱۹۱: سورۃ آل عمران

(۵) آیت نمبر ۴۱ سورۃ الاحزاب

اجتماع بالذکر اور اس کی مباح کیفیات کو خط کشیدہ عبارات پر تینوں روایتوں میں غور فرمائیے اس روایت میں قرأت قرآن پر بھی تو نکیر ہے پھر کیا اس میں مطلقاً ممانعت جاری ہو سکتی ہے۔ اور اگر ایسا کیا جائے تو آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کا خلاف لازم نہیں آئے گا اور اگر اس میں کوئی تخصیص ایسی کی جاوے جو کہ محط انکار ہو سکتی تھی تو حلق ذکر میں کسی خاص کیفیت پر یہ ممانعت محمول ہوگی (۱)۔ واللہ اعلم

(مکتوبات ۶۱/۲-۶۳)

## ذکر جہری کب افضل ہے

﴿س﴾

ذکر جہری اور سری میں افضل کون ہے۔

﴿ج﴾

ذکر جہری بہتر ہے بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچے (۲)۔ (مکتوبات ۳۰/۱)

## ذکر کرتے وقت پان کی گلوری منہ میں رکھنا

﴿س﴾

ذکر کرتے وقت اگر پان کی گلوری منہ میں ہو تو حرج تو نہیں۔

﴿ج﴾

منہ میں گلوری رکھ کر اگر اس میں تمباکو نہ ہو ذکر وغیرہ میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں اگر تمباکو ہو تو کلی کرنا اور

بدبو کو دور کر لینا چاہیے۔ (مکتوبات ۱۹۰/۱)

(۱) فی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جہرہم علی نائم او مصل او قاری الخ (شامی، کتاب الصلوٰۃ مطلب فی رفع الصوت بالذکر ۵۲۵/۲)

(۲) فالاسرار افضل حیث خیف الریاء او تأدی المصلین او النیام والجہر افضل حیث خلا مما ذکر لانه اکثر عملاً ولتعدی فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع ہمہ الی الفکر ویصرف سمعہ الیہ ویطرد النوم ویزید النشاط (شامی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیہ ۶۵۶/۹)

## قضاء حاجت کے وقت ذکر

﴿س﴾

کیا قضاء حاجت کے وقت مطلقاً ذکر ممنوع ہے۔

﴿ج﴾

پاخانہ اور پیشاب کے وقت میں صرف ذکر لسانی ممنوع ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بھی ممنوع نہیں لہذا سانس کا ذکر یا قلب یا روح یا سر یا خفی یا اخفی کا کسی طرح نہ ممنوع ہے اور نہ مکروہ یہ آپ کا تو ہم ہے شریعت سے اس کو تعلق نہیں (۱)۔ (مکتوبات ۲۰۷/۳)

## قضاء حاجت کے وقت سر کھلا رکھنا مکروہ ہے

﴿س﴾

قضاء حاجت کے وقت اسی طرح کھاتے پیتے وقت سر کھلا رکھنا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

پیشاب پاخانہ اور کھانے پینے کے وقت میں سر کھلا رہنا درست تو ہے مگر پیشاب پاخانہ ننگے سر مکروہ ہے (۲)۔ (مکتوبات ۸۷/۳)

## شب براءت

﴿س﴾

شب براءت کی حقیقت کیا ہے اور اس میں کیا اعمال کرنے چاہئیں۔

﴿ج﴾

آپ شب براءت کے متعلق مجھ سے سوال فرماتے ہیں مجھ کو افسوس ہے کہ میرے پاس وہ کتب حدیث

(۱) لانه رحمۃ اللہ علیہ كان دائم الذكر لا ينقطع ذكره القلبي في يقظة ولا نوم ولا وقت ما (بذل المجهود ۳۸۱)

(۲) ويدخل مستور الرأس (عالمگیری ۵۰/۱)

موجود نہیں ہیں جن سے حاصل کر کے میں آپ کو تفصیلی جواب لکھتا۔ فقط محفوظ مضامین پر کفایت کرتا ہوں۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان فرشتوں کو جو کہ اس عالم کے انتظام پر مقرر ہیں برائیں یعنی حکم نامے دیئے جاتے ہیں۔ جن میں انتظامی معاملات، آجال ارزاق، امراض وغیرہ سال بھر کے لیے ذکر ہوتے ہیں لفظ براءت عربی میں ایسے ہی کاغذات کو کہتے ہیں جن میں حکومتوں کی طرف سے لوگوں کے لیے ایسے احکام ہوں۔ چونکہ یہ رات اس نظام کی وجہ سے خصوصیت رکھتی ہے اس میں جناب باری عزاسمہ کی توجہ اس عالم اور اس کے رہنے والوں کی طرف بہ نسبت اور راتوں کے زیادہ مبذول ہوتی ہے اس لیے اس میں مناسب سمجھا گیا ہے کہ بہ نسبت اور راتوں کے انسان بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زیادہ حصہ لیں اور اس کی رحمت کو جس قدر بھی ہو سکے جذب کریں اس لیے اگر ہو سکے تو اس رات کو نوافل، قرآن، ذکر و دعا سے معمور کریں تمام رات ہو یا اکثر حصہ یا کچھ حصہ، کوئی خاص عبادت متعین نہیں اور نہ کوئی وقت متعین ہے، اس شب میں اپنے لیے اور اپنے بڑوں کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنی چاہیے اور اگر ممکن ہو تو بغیر تزک و احتشام اور اجتماع کے قبرستان میں جا کر تمام مردوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے اور جو کچھ ہو سکے پڑھ کر ان کو بخشا چاہیے، جو طریقہ لوگوں نے میلہ لگانے کا، قبروں پر چراغاں کرنے کا اور جماعت جماعت جانے کا جاری کیا ہے بالکل غلط ہے، اور جو لوگ قبرستانوں وغیرہ میں جا کر آتش بازی کرتے ہیں وہ سخت گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس حلوا وغیرہ پکانا اور اس کو مذہبی رسم شمار کرنا بالکل غلط چیز ہے، اگر مردوں کو ثواب پہنچانا منظور ہے تو اول تو جناب رسول اللہ ﷺ سے قبرستان میں جا کر صرف دعاء منقول ہے، دوم یہ کہ مال خرچ کر کے ہر وقت میں جبکہ وہ فقیروں اور حاجت مندوں کو دیا جائے اور نام و نمود مطلوب نہ ہو تمام اوقات میں ہو سکتا ہے، وہ چیز دینی چاہیے جو کہ فقیروں کی حاجت روائی کرے، حلوے سے پیٹ نہیں بھر سکتا اس کی بھوک دور نہیں ہو سکتی، بے وقوف لوگوں نے یہ طریقہ ہندوؤں کے تہواروں سے دیکھ کر کے اختیار کیا ہے نہ کتب دینیہ معتبرہ سے اس کی کوئی سند ہے اور نہ اسلامی ممالک میں اس کا رواج ہے۔ نیز اگر ہو سکے تو ۱۴/۱۵ کو دو روز روزے نفل رکھے جائیں (۱)، اور رات میں بھی اور دن کو بھی اپنے مقاصد دینیہ اور دنیاویہ کے لیے دعاء کی جائے، عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے یہی اعمال ہیں۔ ہاں عورتوں کو مقابر میں نہ جانا چاہیے بلکہ گھر ہی میں بیٹھ کر اپنے بڑوں کے لیے کچھ پڑھ کر ثواب بخش دینا چاہیے۔ کوئی خاص مقصد دعاء کے لیے معین نہیں ہے۔ ہاں عمدہ بات یہ ہے کہ انسان دعاء میں اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اس کے بعد درود شریف پڑھے اس کے بعد یہ دعا کرے کہ اے اللہ جن جن بھلائیوں کو جناب رسول اللہ ﷺ نے تجھ سے مانگا ہو وہ سب مجھ کو بھی عطا فرمائیے اور جن جن برائیوں سے جناب رسول

اللہ تعالیٰ نے تجھ سے پانہ مانگی ہو ان سب سے مجھے بھی پناہ دے اس مقصود کو بار بار مانگے اور پھر درود شریف سے ختم کرے۔ دعاء میں عربی عبارت ہونی ضروری نہیں۔ (مکتوبات ۷۷۴-۷۸)

## شب براءت کے اعمال

﴿س﴾

شب براءت میں کون سے اعمال شریعت میں ثابت ہیں۔

﴿ج﴾

(۱) دینیز باید دانست کہ بعضے از مفسرین قدر را بمعنی تقدیر گرفتہ اند و گفتہ اند کہ دریں شب ارزاق و آجال و مصائب و اعمال دیگر حوادث عالم کون و فساد مقدر می شود و از لوح محفوظ بملائکہ نخبائے امور متعلقہ بآنها نقل کردہ حوالہ می گردند تا بر طبق آن در تمام سال عمل نمایند لیکن اصح آنست کہ ایں تقدیر در نصف شعبان است کہ آن را شب براءت نمایند اگرچہ بعضے ائمہ تابعین چنین گفتہ اند کہ نقل نخبہ دار آن شب شروع می شود و دریں شب بمجسد بیان تسلیم می نمایند پس ابتدائے تقدیر در شب براءت است و انتہائے آن دریں شب است و تحقیق ہماست کہ مذکور شد۔ (تفسیر عزیزی سورہ قدر ص ۲۵۸)

ترجمہ: اور جاننا چاہیے کہ بعض مفسرین نے قدر کو تقدیر کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ اس شب کے اندر روزی موت مصیبت اعمال اور دوسرے حوادث جو دنیا میں ہونے والے ہیں مقدر ہوتے ہیں اور لوح محفوظ سے ملائکہ کو ان کے کاموں کی نقل کر کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں تاکہ اسی کے مطابق تمام سال عمل درآمد کرتے رہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ تقدیر شعبان کی پندرہویں میں ہوتی ہے جس کو شب براءت کہتے ہیں اگرچہ بعض تابعین نے تاویل یہ کی ہے کہ پرچوں کی نقل اس رات کو شروع ہوتی ہے اور اس شب میں پیشکاروں کو حوالہ کر دیتے ہیں پس شروع تقدیر شب براءت میں ہے اور اس کا آخر اس رمضان کی رات میں ہے اور تحقیق وہی ہے جو گذری۔

(۲) و در قرآن مجید نزول قرآن را مورخ فرمودہ اند کہ وقت شہر رمضان و شب قدر و شب مبارک کہ نزد اکثر علماء عبارت است از شب براءت کہ پانزدہم شعبان است کہ پس تطبیق دریں امر واقعی و ایں تعبیرات مخالفہ چگونہ درست آید، آنچه بعد از تنقیح معلوم شد آن است کہ نزول قرآن از لوح محفوظ در مقام بیت العزت کہ بقعہ ایست از آسمان دنیا محفوظ است بملائکہ ذی قدر در شب قدر است کہ در ماہ رمضان واقع است و تقدیر نزول قرآن حکیم فرمودن حافظان لوح را کہ نسخہ آن را نقل کردہ بآسمان دنیا رسانند در شب براءت ہماں سال بود پس از ہر سہ تعبیر درست افتادہ نزول حقیقی در شب قدر از ماہ رمضان واقع شد و نزول تقدیری پیش از اس در شب براءت و

نزول قرآن بر زبان پیغمبر ﷺ در ماہ ربیع الاول سر سال چہلم است و اتمام نزول آن در بقیۃ العمر پس تعارضے نماند۔ (تفسیر عزیزی سورہ قدر ص ۲۶۰)

ترجمہ: مورخین نے نزول قرآن مجید کو تین وقتوں میں مانا ہے رمضان المبارک، شب قدر اور شب مبارک جو کہ اکثر علما کے نزدیک شب برات سے تعبیر کی جاتی ہے جو پندرہویں شعبان ہے پس اسی امر واقعی میں توفیق کی کیا صورت ہے، اور تو جیہات جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکر ٹھیک ہو سکتی ہیں؟ تنبیح اور تنقیح کے بعد جو چیز سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کا نزول لوح محفوظ سے مقام بیت العزت میں جو کہ آسمان دنیا میں ایک جگہ ہے بڑے درجہ کے فرشتوں سے گھری ہوئی شب قدر میں ہوا جو رمضان کے مہینہ میں واقع ہے اور نزول قرآن کی تقدیر اور محافظین کو حکم دینا کہ اس نسخہ کو نقل کر کے آسمان دنیا پر پہنچائیں شب برات میں ہوئی جو اسی سال تھی پس تینوں تعبیرات صحیح ہو گئیں لہذا نزول حقیقی رمضان المبارک کے مہینہ شب قدر میں ہوا، اور نزول تقدیری اس سے پہلے شب برات میں اور پیغمبر ﷺ کی زبان پر نزول قرآن ربیع الاول کے مہینہ میں جو شروع نبوت کا چالیسواں سال ہے اور پھر پورا پورا نزول قرآن آپ کی باقی ماندہ عمر میں ہوتا رہا، لہذا کوئی تعارض نہیں رہ گیا۔

(۳) دریں جاہم باید شنید کہ اتباع پیغمبر ﷺ مراتب است دوران افراط و تفریط واقع می شود ہر چند در آں افراط و تفریط قبح نبود لیکن ہر چہ بر جادۂ اعتدال است بلا ریب افضل است از جانبین افراط و تفریط، پس ادعیہ کہ در حق اموات در وقت حضور قبور یا غیبت ان بوضع کہ از جناب رسالت مآب ﷺ مروی و ثابت شدہ بہمان وضع اگر بوقوع آید افضل است از اوضاع دیگر۔ مثلاً آنجناب ﷺ در شب برات تنہا بے اطلاع و اعلام احدے در بقیع تشریف بروند و دعا فرمودند و کسے را از صحابہ امر نفرمودند کہ دریں شب بر مقام باید رفت و دعا باید کرد چہ جائے کہ تاکید کردہ باشند پس الحال اگر کسے اتباع پیغمبر ﷺ منظور داشتہ در شب برات در مقبرہ جمع صلحا نمودہ ادعیہ وافرہ کند اور ابخالف پیغمبر ﷺ ملام کردن نمی رسد لیکن ایں قدر باید فہمید کہ ایں امر شدہ شدہ برسم انجا میدہ حقیقت کار در ان باقی نہ خواہد ماند، و مثال موخ ایں بیان است مسئلہ فقہیہ کہ جماعت نفل مکروہ نیست اگر تداعی باشد مکروہ است۔ (صراط مستقیم ص ۵۴-۵۵)

ترجمہ: ”غور سے سننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کے درجے ہیں، جس میں کمی اور زیادتی ہو جاتی ہے اگرچہ یہ افراط و تفریط زیادہ بری نہیں تاہم جو چیز اعتدال کیساتھ ہوگی وہ یقیناً اس افراط و تفریط سے افضل ہوگی پس وہ دعائیں جو مردوں کے بارہ میں قبروں کے سامنے یا قبروں کی عدم موجودگی میں آنحضرت ﷺ سے جس طرح مروی اور ثابت ہیں اگر اسی طرح اس کو عمل میں لایا جائے یہ طریقہ دوسرے طریقوں سے افضل اور بہتر ہوگا مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ کا شب برات میں چپکے سے اٹھ کر بغیر اطلاع بقیع میں تشریف لے جانا اور

دعا فرمانا اور پھر صحابہ میں سے کسی کو حکم نہ دینا کہ اس رات کو قبرستان میں جانا چاہیے، لہذا اگر کوئی شخص اتباع نبوی ﷺ کو مدنظر رکھ کر شب برات میں قبرستان کے اندر صلحا کا مجمع کر کے زیادہ دعائیں کرے تو مانا کہ اس کو مخالفت آنحضرت ﷺ سے تعبیر کرنا اور ملامت کرنا نہ کہا جائے گا لیکن اتنا ضرور سمجھنا چاہیے کہ یہ بات آہستہ آہستہ رسم بن جائے گی اور حقیقت اس کے اندر سے جاتی رہے گی۔ اس بیان کی تائید اس مسئلہ فقہیہ سے ہوتی ہے کہ جماعت سے نفل نماز مکروہ نہیں ہے لیکن تداعی کے ساتھ ادا کی جایا کرے تو فقہاء اس کو مکروہ کہتے ہیں۔“

مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہو گیا کہ شب برات ایک مبارک رات ہے اور راجح یہی ہے کہ سورہ دخان کی آیت انا انزلنہ فی لیلة مبارکة انا کننا منذرین۔ فیہا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا انا کننا مرسلین رحمة من ربک انه هو السميع العليم۔

(ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں ہم ہیں کہہ سنانے والے اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا حکم ہو کر ہمارے پاس سے ہم ہیں بھیجنے والے رحمت سے تیرے رب کی، وہی سننے اور جاننے والا ہے)

سے مراد ارجح الاقوال پر یہی شب برات ہے، اس رات میں جناب رسول اللہ ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بقیع میں تشریف لیا کر اہل بقیع کے لیے دعا فرمائیں چنانچہ حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر خبر کئے ہوئے ذبے پاؤں نکل کر بقیع میں گئے اور اہل بقیع (مقبرہ مدینہ منورہ) کے لیے دعا فرمائی، اس دن کے لیے روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے، اس لیے اگر ہو سکے تو چودہ اور پندرہ کو روزہ رکھیں (۱)، اور درمیانی شب میں جس قدر ممکن ہو نوافل اور ذکر و تسبیح سے اس شب کو معمور کریں بلا اجتماع مقبرہ میں جایا کریں اہل قبور کے لیے دعا کریں، ان اعمال کے علاوہ بدعات سیئہ اور قبائح ہیں۔

(مکتوبات ۲۲۲/۱-۲۲۵)

## مردوں کو ایصالِ ثواب کا کیا طریقہ ہے

﴿س﴾

اگر ہم کچھ قرآن وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشنا چاہیں تو کس طریقہ کو اختیار کرنا ہوگا۔

﴿ج﴾

بخشش قرآن میں اختیار ہے کہ جس کو چاہے بخشے، جس کا نام لے گا اس کو ثواب پہنچے گا اگر چند آدمیوں کا

(۱) حدیث میں صرف ۱۵ تاریخ کے روزے کا ذکر ہے۔ (مرتب کسنن ابن ماجہ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انا کانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها وصوموا ایومها الخ ج ۷ ص ۹۹ باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان

نام لے گا تقسیم ہو کر حصہ رسد پہنچے گا (۱) اگر بخشنے والے نے یہ کہا کہ اس کا ثواب جناب رسول اللہ ﷺ کو پہنچے اور ان کے طفیل میں تمام مومنین اور مومنات کو پہنچے تو ثواب جناب رسول اللہ ﷺ ہی کو پہنچے گا اخیر کلام بے کار ہوگا اور اگر یہ کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے طفیل میں سب مومنین اور مومنات کو ثواب پہنچے تو قبولیت کی زیادہ امید ہے، مگر آنحضرت ﷺ کو ثواب نہ پہنچے گا، بلکہ پورا ثواب تمام مومنین و مومنات میں تقسیم ہو جائے گا۔ بخشنے والے کو ثواب قرآن میں سے کسی امید کا حق نہیں ہے، جب وہ اپنی چیز دے چکا تو اس میں سے اس کو کیا مل سکتا ہے ہاں جن حضرات کو وہ ثواب پہنچے گا وہ حسب ارشاد اِذَا حَيَّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنِ مِنْهَا (الایہ) (۲) دعاء اور سفارش بارگاہ الہی میں کریں گے تو ممکن ہے کہ ان کی دعاؤں کی برکت سے اس قدر فائدہ ہو جائے جو کہ بخشنے والے کو اصل ثواب میں حاصل نہ ہوتا۔

تمام اولین و آخرین مسلمانوں کو ثواب پہنچنے میں کوئی اشکال نہیں، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے (۳)۔

(مکتوبات ۲۲/۲-۲۳)

## رسول اللہ ﷺ کے لیے ایصالِ ثواب



مولانا سید محمد میاں صاحب کو یہ ہدایت تھی کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر سرور کائنات ﷺ کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب کیا جائے اس پر مولانا موصوف نے شبہ پیش کیا کہ بارگاہِ عظمت میں یہ ہدیہ بہت ہی کم ہے کبھی کبھی ایصالِ ثواب کے وقت ندامت بھی محسوس ہوئی کہ اس بضاعت مزجاجہ باں بارگاہ عالیٰ چہ نسبت دارد۔

(۱) یہی فتویٰ امام ربانی قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہ کا بھی ہے فتاویٰ رشیدیہ: ۲۶۵۔ اور شامی نے علامہ ابن قیم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہ لو اهدی الکل الی اربعة يحصل لكل منهم ربعه فكذا لو اهدی الربع لواحد وابقى الباقي لنفسه (شامی ۲/۳۳۳) لیکن علامہ شامی کا رجحان اس جانب ہے کہ سب کو مکمل ثواب پہنچتا ہے کسی کا حصہ کم نہیں ہوتا (دیکھئے شامی ۲/۲۳۳)

(۲) آیت ۶: سورة النساء

(۳) ردالمحتار علی الدر المختار: قال ابن ابيدين الافضل لمن يتصدق الخ ص ۸۰، ۲۰۰ رشیدیہ مطلب فی القراءۃ للمیت واهداء ثوابها له

### ﴿ج﴾

سرور کائنات ﷺ بھی تو مشائخ طریقت میں ہیں درود شریف ان کے لیے خاص ہونے کے ساتھ ایصال ثواب بھی ان کے لیے ہوئی جاتا ہے بہر حال اگر آنحضرت ﷺ کے لیے خصوصی چیز ہدیہ کی جائے تو اس میں کلام ہی کیا ہے جبکہ جناب ﷺ فرماتے ہیں۔

لا يحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة (۱) اور پڑوسی کو ہدیہ دینے میں حقیر نہ جانے اگرچہ ایک ٹکڑا بکری کے کھر کا بھیجے۔

اور مشہور مقولہ ہے۔ الهدیۃ علی قدر مہدیہا، تو کیوں قلت ہدیہ سے شرم آئے آپ ﷺ کا حصہ تو ہماری ہر عبادت میں لگا ہوا ہے خواہ نماز ہو یا ذکر، مالی عبادت ہو یا بدنی، قلیل ہو یا کثیر، پھر اس میں لگ جائے گا اختیاری اور اضطراری دونوں طرح سے۔ (مکتوبات ۶۶۱-۶۷۷)

## درود شریف پڑھنے کے آداب

### ﴿س﴾

درود شریف پڑھنے کے کیا آداب ہیں۔

### ﴿ج﴾

درود شریف پڑھنے کے لیے قیام و قعود کی تخصیص نہیں ہے جیسے کہ اس کے لیے کسی وقت اور مکان کی تخصیص نہیں ہے مگر جس طرح امکانہ بجنسہ جو کہ مستوجب قلت مبالاة اور قلت ادب ہوں اس سے مستثنیٰ ہوں گے، اسی طرح وہ اوقات جو کہ موجب اساءت ادب و قلت مبالاة ہوں وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہوں گے، جیسے کہ فقہانے تصریح فرمایا ہے فتح دکان کے وقت میں یا تاجر کے متاع خریدار پر پیش کرنے کے وقت میں درود شریف پڑھنا یا قعدہ اولیٰ میں بعد التحیات پڑھنا یا خطبہ پڑھتے وقت مقتدی وغیرہ کو ممنوع ہے اسی طرح کوئی ایسی ہیئت جو کہ استخفاف اور قلت مبالاة یا کسی دیگر محظور کو مستلزم ہو ممنوع ہوگی، اس کی تفصیل شامی (۲) اور دیگر کتب میں

(۱) بخاری شریف ج ۲ ۸۸۹ باب لا تحتقرن جارة لجارتها: مسلم شریف ۳۳۱/۱ باب الحث علی الصدقة ولو

بالقلیل ولا تمنع من القلیل لا احتقارہ

(۲) شامی مطلب۔ نص العلماء علی استحباب الصلوة علی النبی ﷺ فی مواضع ومطلب فی المواضع التی تکرہ فیہا الصلوة علی النبی ﷺ (۲۸۱/۲) اس کی تفصیل اگلے صفحہ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

موجود ہے بہر حال مواجہ شریفہ میں درود شریف اور صلوٰۃ و سلام عرض کرنا فقہاء رحمہم اللہ نے آداب زیارت میں کھڑے ہو کر ہی بتلایا ہے، اور سلف سے یہی منقول ہے، دور سے کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے میں بشرطیکہ کوئی محذور شرعی نہ ہو کوئی ممانعت نہ ہوگی ہاں اگر تخصیص مطلق شرعی یا اطلاق مخصوص لازم آئے تو یقیناً اس کی ممانعت ہوگی، مثال ثانی کی درود شریف فی القعدۃ الاخیرۃ ہے اور مثال اوّل کی قیام فی المولد ہے۔

(مکتوبات ۲۳۱/۱)

## درود شریف کے بعض احکامات



درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے۔



صلوٰۃ و سلام علی النبی ﷺ (یعنی درود و سلام) تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے حسب ارشاد یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً۔ (۱) جبکہ کسی مجلس میں ذکر جناب سرور کائنات ﷺ آئے تو ایک مرتبہ واجب ہے کہ صلوٰۃ و سلام زبان سے ادا کیا جائے بشرطیکہ نماز یا خطبہ میں نہ ہو حسب ارشاد البخیل من ذکرک عندہ فلم یصل علیّ ومثله من الروایات (۲) نماز میں بعد التحیات کے فی القعدۃ الاخیرہ سنت موکدہ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے اور دوسرے اوقات میں مستحب ہے (۳) تفصیل شامی میں ملاحظہ فرمائیے۔

(مکتوبات ۲۳۲/۱-۲۳۵)

(۱) سورة الاحزاب آیت: ۵۶

(۲) ترمذی الجلد الثانی ابواب الدعوات ۱۹۴، ج ۲ م قدیمی: مشکوٰۃ شریف ۸۷/۱ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ

الفصل الثالث

(۳) رد المحتار میں ص ۲۸۱ ج ۲ میں علامہ شامی نے حسب ذیل اوقات و مقامات میں درود شریف خاص طور پر مستحب ہونا ذکر کیا ہے۔ جمعہ کا دن، جمعہ کی شب، سینچر کا دن، التوار کا دن، جمعرات کا دن ان سب کے بارے میں احادیث میں فضیلت آئی ہے، صبح و شام کو، مسجد میں داخل ہوتے وقت، اور مسجد سے باہر آتے وقت، روضہ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے موقع پر، صفا و مروہ پر، خطیب کو خطبہ میں (لیکن سننے والوں کو پڑھنا جائز نہیں ہے) جواب اذان میں اقامت میں یعنی تکبیر کے وقت اور ہر دعا کے شروع اور بیچ اور آخر میں۔ تلبیہ کے بعد، ملتے وقت، رخصت ہوتے وقت اور وضوء میں اور جب کان بجے اور جب کوئی چیز بھول جائیں، وعظ میں اور تعلیم دین کے وقت اور درس حدیث کے اول و وسط و آخر میں،

بقیہ صفحہ ۶۲۔

## کیا درود شریف کے الفاظ متعین ہیں

﴿س﴾

درود شریف کے لیے کیا الفاظ متعین ہیں یا اپنے الفاظ میں بھی درود پڑھا جاسکتا ہے۔

﴿ج﴾

متعین نہیں، اطراء مادح جو کہ درجہ عدم جواز کو پہنچ جائے نہ ہونا چاہیے لاتطرونی کما اطرت الیہود والنصاری انبیائہم<sup>(۱)</sup> (اوکما قال) اردو فارسی وغیرہ میں ہو سکتا ہے۔ (مکتوبات ۱/۲۳۵)

## الفاظ درود شریف میں و اہل بیتہ کا مصداق کون ہیں

﴿س﴾

ابوداؤد شریف میں درود ماثور میں وارد ہے۔ من سرہ ان یکتال بالمکیال الاوفی اذا صلی علینا اهل البيت فلیقل اللهم صلی علی محمد النبی الامی وازواجه امہات المومنین وذریتہ واهل بیتہ کما صلیت علی آل ابراہیم انک حمید مجید<sup>(۲)</sup> سوال یہ ہے کہ اس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا اور ذریت طیبہ رضی اللہ عنہا کے ذکر کے بعد اہل بیتہ سے کون لوگ مراد ہیں۔

بقیہ پچھلے صفحہ سے۔ سوالات میں اور ان کے جواب میں اور ہر مصنف و مدرس و مقرر و خطیب کو خطبہ کے وقت اور پیغام نکاح کے موقع پر اور نکاح کرنے والے کو، ان کے علاوہ اہل اسلام کو اپنے خطوط میں اور تمام اہم کاموں میں اور حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر پاک یا آپ کے نام نامی سننے یا لکھنے کے ہر موقع پر (اگرچہ امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ ایک مجلس میں ہر مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کرنے اور نام پاک سننے پر واجب ہے) مگر مذہب معتمد یہی ہے کہ مجلس میں ایک مرتبہ واجب ہے بقیہ مرتبوں میں مستحب اور افضل ہے (اور در مختار میں ہے والمختار عند الطحاوی تکرارہ کلما ذکر ولو اتحد فی المجلس والمذہب استحبابہ وعلیہ الفتویٰ (ملخصاً))

اور شامی نے ان مواقع پر درود و سلام کو ناجائز لکھا ہے۔ جماع، قضائے حاجت، سوداگری کو فروغ دینے کے لیے، اظہار تعجب کے طور پر ذبح کے وقت، چھینک آنے پر اور خطبہ سنتے وقت اور شامی فرماتے ہیں کہ دوران تلاوت میں نام پاک آنے پر قرأت کو روک کر درود پڑھنے سے افضل یہ ہے کہ فراغت کے بعد پڑھ لے (جیل الرحمن)

(۱) احقر کو ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی، شامل ترمذی شریف وغیرہ میں روایت ان الفاظ سے مروی ہے لاتطرونی

کما اطرت النصاری عیسیٰ ابن مریم (شامل ترمذی ۲۲)

(۲) ابوداؤد شریف ۱/۳۸۸ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امداد یہ ملتان



درود ماثور ابوداؤد میں لفظ اہل بیت ذکر ازواج اور ذریت کے بعد حرف واو کے ساتھ شرح مشکوٰۃ میں طیبی سے نقل کرتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ عطف عام علی الخاص ہے جیسا کہ آیت ولقد آتینک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم میں واقع ہوا ہے (۱) اور شرح ابوداؤد جلد ثانی ص ۱۲۴ میں ہے وھذا بیان لما قبلہ من الازواج والذریۃ یعنی اس کو عطف تفسیری قرار دیا ہے اور ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داخل فرمانے کے بعد یہ لفظ زیادہ کر لیا گیا ہو جیسا کہ حدیث عباس میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بوقت نزول آیت انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت الایہ میں حضرت علی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہما کو جمع کر کے فرمایا تھا اللهم هولاء اهل بیتی الحدیث (۲) یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ ازواج اور سے خارج ہیں، واللہ اعلم اس صورت میں عطف متغایرین کا ہوگا جو کہ اصل قاعدہ عطف کا ہے۔ (مکتوبات ۲، ۳۵۹-۳۶۰)

## دعا کی قبولیت کیسے



دعا قبول ہونے کی کیا شرائط ہیں۔



(۱) دعا کی قبولیت کے لیے چند شرائط ہیں۔

اول: یہ کہ انسان کا کھانا، پینا، پہننا، وغیرہ سب حلال سے ہوں۔ ورنہ عمدہ سے عمدہ حالت میں بھی دعا قبول نہیں ہوتی، جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ”مسافر کی دعا حالت سفر میں بہت زیادہ قبول ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ اگر مسافر حالت سفر میں ہو اور اس کا مطعم وغیرہ حرام ہو تو کس طرح اس کی دعا قبول ہو سکتی ہے۔“ (۳)

(۱) مرقاة ۳۴۶۲ باب الصلوة علی النبی ﷺ علی صدر الفصل الثالث م امدادیہ ملتان

(۲) تہذیب شریف میں روایت تفصیلاً اس طرح مروی ہے عن عمر بن ابی سلمة ریبیب النبی ﷺ قال لما نزلت ھذہ

الایة علی النبی ﷺ انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیراً فی بیت ام سلمة

فدعا فاطمة وحسیناً وحسیناً فجعلہم بکساء وعلی خلف ظہرہ فجعلہ بکساء ثم قال هولاء اهل بیتی فاذهب

عنہم الرجس وطرہم تطہیراً (ترمذی شریف مع العرف الشذی ۱۵۵/۲ ۱۵۶۰) یہ روایت مسند احمد ابن

حبیب حدیث ۲۶۴۷ پر بھی بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا موجود ہے نیز تفسیر ابن کثیر ۳/۳۸۳ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

(۳) ثم ذکر الرجل یطہل السفر اشعث اغیر یمد یدیه الی السماء یا رب یا رب وطرہم حرام ومشرہ حرام

وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذلك رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ۲۴۱/۱)

دوم: یہ کہ خلوص دل سے دعاء کی جائے، جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لا یقبل اللہ الدعاء بقلب لاه (۱) اللہ تعالیٰ دعاء کو غافل اور کھیلنے والے دل سے قبول نہیں کرتا ہے پھر اگر صرف زبانی ہی دعاء ہو اور دل دوسری طرف لگا ہو تو وہ دعاء کس طرح قبول ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ ستایا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب جناب رسول اللہ ﷺ نے یمن کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا تو فرمایا: یا معاذ اتق دعوة المظلوم لیس بینہا و بین اللہ حجاب (۲) (اے معاذ مظلوم کی بددعا سے بچ کیوں کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا)۔

سوم: یہ کہ دعاء کی قبولیت کے بارے میں جلد بازی اور استعجال سے کام نہ لیا جائے جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ یتستجاب لاحد کم مالم یتعجل (۳) (تم میں سے ہر ایک کے لیے قبولیت دعاء حاصل ہوتی ہے جب تک کہ استعجال نہ کرے اور کہنے لگے کہ میں نے دعاء کی مگر قبول نہیں ہوئی)

چہارم: یہ کہ دعاء میں یقین اور عزم قوی سے کام لیا جائے اور پختہ یقین سے دل سے دعاء مانگی جائے اور ہمت قویہ اور ارادہ قلبیہ کو پورے زور سے اس طرف لگایا جائے یعنی جس طرح بچہ ماں سے مانگنے میں جب اڑ جاتا ہے اور پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا، ماں باپ ملانا چاہتے ہیں یا بہلانا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں مانتا اور تقاضوں پر تقاضہ کرتا رہتا ہے دوسری طرف نہیں دیکھتا، پھر ماں باپ اس کی مراد پوری کر دیتے ہیں اسی طرح باری تعالیٰ سے پوری قوت قلبی اور ارادی عزم سے مانگا جائے یہ نہ کہا جائے کہ باری تعالیٰ اگر تو مناسب سمجھتا ہو تو مجھ کو فلاں چیز دے اور بار بار پورے عزم اور جزم سے اتھ مانگے تو ان شاء اللہ مراد میں کامیاب ہوگا۔ (۴)

پانچویں: یہ کہ اوقات قبولیت، امکانہ قبولیت، احوال قبولیت کا لحاظ کیا جائے اول کی مثال آخر شب وغیرہ کی دعا ہے دوسری کی مثال مسجد حرام یا دیگر تبرک مقامات کی دعاء ہے تیسرے کی مثال نماز کے بعد یا ذکر و استغفار کے بعد کی دعاء ہے۔

چھٹے: یہ کہ دعاء سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اور جناب رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھا

(۱) الفاظ حدیث یہ ہیں، ان اللہ لا یتستجیب دعاء من قلب غافل لاه (مشکوٰۃ شریف ۱۹۵/۲)  
 (۲) ان رسول اللہ ﷺ بعث معاذاً الی الیمن فقال اتق دعوة المظلوم فانه لیس بینہا و بین اللہ حجاب (ترمذی شریف ۲۱/۲)  
 (۳) مسلم شریف میں ہے یتستجاب لاحد کم مالم یعجل فیقول قد دعوت فلا او فلم یتستجب لی (مسلم شریف ۳۵۲/۲)  
 (۴) قال رسول اللہ ﷺ اذا دعا احدکم فلا یقل اللهم اغفر لی ان شئت ولكن لیعزم ولیعظم الرغبة فان اللہ لا یتعاضمہ شئی اعطاه رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ۱۹۴/۱)

جائے اس کے بعد دعاء مانگی جائے اور پھر آخر میں بھی درود شریف پڑھا جائے اور دعا بار بار کی جائے آنحضرت ﷺ کم سے کم تین مرتبہ عموماً دعاء کے الفاظ استعمال فرماتے تھے۔

محترم! جناب باری عز اسمہ فرماتا ہے (۱) وقال ربکم ادعونی استجب لکم تمہارا پالنے والا رب فرماتا ہے کہ تم مجھ کو پکارو اور حاجتیں مانگو میں قبول کروں گا، دوسری جگہ ارشاد ہے (۲) واذا سألت عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی الایة (اور جب تجھ سے میرے بندے میری نسبت پوچھیں تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں پکارنے اور مانگنے والوں کی دعاؤں کو جب کہ وہ مجھ کو پکاریں قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ مجھ سے قبولیت کی خواہش کریں اور مجھ پر یقین کریں)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خلوص اور عزم قلبی کی دعائیں ضرور قبول فرماتا ہے یہ اس کا وعدہ ہے وہ کریم و کارساز اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدوں کو پورا کرتا ہے اگرچہ وہ مجبور نہیں ہے مگر میرے محترم! قبولیت کی بھی متعدد صورتیں ہیں۔

(الف) بسا اوقات بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے ماں باپ سے ایسی چیزیں مانگتا ہے جس میں اس کی ہلاکت ہے، وہ جلتے ہوئے چراغ کی طرف لپکتا ہے تاکہ ہاتھ میں پکڑ لے وہ انگارے کو پکڑنا چاہتا ہے وہ مٹھائی مانگتا ہے حالانکہ مریض ہے، مٹھائی اس کو نقصان دیتی ہے، علیٰ ہذا القیاس، بہت سی چیزیں اس قسم کی ہیں۔ وہ کھیل کود چاہتا ہے وہ مکتب میں جانا نہیں چاہتا، ماں باپ سے اصرار کرتا ہے کہ مدرسہ اور مکتب میں نہ بھیجیں اس کو گلی ڈنڈا کیلے دیں۔ بد اخلاق بچوں میں چھوڑ دیں وغیرہ وغیرہ۔ کیا ان صورتوں میں سمجھدار و خیر خواہ ماں باپ کا یہی فریضہ ہے کہ اس کی مراد پوری کی جائے ہرگز نہیں۔ اسی طرح انسان مبتلائے نفس و شیطان دنیاوی اور مادی خواہشات کا متوالا، بسا اوقات ایسی چیزیں مانگتا ہے جس میں سراسر آخرت کا اور روحانیت کا خسارہ ہی خسارہ ہے، کیا اس میں ماں باپ سے زیادہ تر شفیق و رحیم، رؤف و کریم، حکیم و علیم کا یہی منصب نہ ہوگا کہ وہ ہم کو ایسے زہر ہلاہل کا پیالہ ہرگز نہ پلائے، اگرچہ ہم اس کو شربت جان فزا سمجھ کر تقاضوں پر تقاضے ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔

(ب) جس طرح بسا اوقات بچے اپنی نادانی سے ماں باپ سے دنی اور ذلیل ریوڑی گٹوں یا گڑ وغیرہ پر اصرار کرتے ہیں اور چونکہ ایسی کچی مٹھائی صحت کے لیے مضر ہے تو ماں باپ بچہ کی مانگ پر پکی مٹھائی گلاب جامن، برنی، بالوشا ہی دیتے ہیں، مگر ریوڑی گٹے کو پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتے اور یہی اعلیٰ درجہ کی محبت اور ماں باپ کی عقلمندی اور شفقت شمار کی جاتی ہے، اسی طرح اگر رب العالمین عالم السر و الخفایا سے جو چیز ہم اپنی نادانی

(۱) سورة المؤمن پار ۲۴ آیت: ۶۰

(۲) سورة البقرہ آیت: ۱۸۶

سے مانگ رہے ہیں اور اس کو اپنے لیے مفید جانتے ہیں حالانکہ وہ ایسی نہیں ہے نہ دے اور روحانی نعمت دنیا میں یا آخرت میں کوئی نعمت ہماری مانگ اور دعاء پر مہیا فرمادے تو کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ دعا مقبول نہیں ہوئی اور مانگ خالی گئی؟ نہیں نہیں!

(ج) اگر بچہ نے ماں باپ سے کسی چیز کا تقاضہ کیا اور ماں باپ نے محبت سے اس کی طرف توجہ کر کے اس کو گود میں اٹھالیا۔ گرد اور دھول جھاڑی، بچہ کو نہلایا دھلایا اس کو موذی جانوروں سے بچایا اس کو دشمنوں سے بچایا تو گو بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ ماں باپ نے میری استدعا نہ مانی اور میری طرف توجہ نہ کی مگر عقلمند جانتا ہے کہ بچہ کے رونے اور مانگنے ہی کا اثر ہے کہ ماں باپ نے اس طرح اس کی طرف التفات کیا اور مضر چیزوں یا جانوروں سے اس کو بچایا، علیٰ ہذا القیاس بسا اوقات بندہ کی دعاء کی قبولیت ہو جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندہ پر سے کوئی سخت مصیبت آنے والی دور ہو جاتی ہے جس سے بندہ کا اس قدر نفع ہوتا ہے کہ اس کی مانگی ہوئی مراد میں عشر عشر بھی نہ ہوتا۔

(د) بسا اوقات دعاء قبول ہو جاتی ہے اور اس کے اثر کے ظاہر ہونے میں کچھ دیر لگتی ہے۔ بندہ اپنی جلد بازی کی وجہ سے (جو کہ انسان کی فطری بات ہے) جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے (۱) وَسَكَانَ الْاِنْسَانَ عَجُولًا دوسری جگہ فرمایا گیا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ (۲) گمان کرنے لگتا ہے کہ میری دعاء مقبول نہیں ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم پر بددعا کی اور قبول ہوئی قَدْ اُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمْ (۳) مگر فرعون اس کے چالیس برس بعد معہ اپنی قوم کے غرق ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جناب باری عز اسمہ نے جو وعدہ قبولیت کے متعلق فرمایا ہے وہ سچا ہے اگر دعا اپنی شروط کے ساتھ پائی جائے تو وہ ضرور مقبول ہوتی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اس کا ظہور اسی صورت اور اسی جلدی کے ساتھ ہو جو دعاء گونے کی تھی۔ اس لیے بندہ پر فرض ہے کہ اپنی چھوٹی اور بڑی سے بڑی حاجتوں کو ہمیشہ خدا سے مانگا کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تیرے جو توں کا تمہ بھی ٹوٹ جائے تو مجھ سے مانگ نمک یا لکڑی کی کمی ہو جائے تو مجھ سے مانگ، غرض یہ کہ جو حاجت بھی پیش آئے بندہ کا فریضہ ہے کہ گڑ گڑا کر آقا جل مجدہ سے مانگا کرے آقا حکیم و عظیم ہے جو اس کی حکمت اور اس کے علم میں ہوگا اس کو ظاہر فرمائے گا۔ دعاء مانگنا اور گڑ گڑانا پسند ہے۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (۴) جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ الدعاء مع

(۱) سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۱۱

(۲) سورۃ الانبیاء آیت: ۳۷

(۳) سورۃ یونس آیت: ۸۹

(۴) سورۃ الاعراف آیت: ۵۵

العبادة (۱) دعا عبادت کا مغز اور گودا ہے اور فرماتے ہیں لَا يَرُدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءُ (۲) خداوندی تقدیر کو لوٹانے کی کسی چیز میں سوائے دعا کے طاقت نہیں ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ اپنے آقا جل مجدہ کے ساتھ گمان اچھا رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ فرمائے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِذَا ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتَهُ فِي نَفْسِي وَإِذَا ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتَهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَأِهِ (۳) (میں اپنے بندہ کے گمان کے پاس ہوں اور میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے، جب وہ مجھ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھ کو کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں (ملائکہ میں) یاد کرتا ہوں۔

باوجود امور مذکورہ کے کبھی کبھی تمام شروط کی موجودگی میں بھی دعاء مقبول نہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ امت آپس میں نہ لڑے مگر یہ دعا قبول نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ مختار ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (۴) الآیة۔

انسان بسا اوقات گھبرا کر اپنے اوپر بددعا کرنے لگتا ہے، بالخصوص آپ جیسے مزاج کا۔ جس میں طبیعت کی کمزوری اور نفس کا غلبہ، تحمل کا ضعف، عاقبت سے غفلت وغیرہ ہوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عورتیں بات بات میں اپنے آپ کو اور اپنے بچوں اور عزیزوں کو کوسنے اور بددعا میں دینے لگتی ہیں بسا اوقات بڑے بڑے لوگ بھی معمولی رنجشوں اور اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کو بددعا میں دینے لگتے ہیں یا اپنی اور اپنی قوم اور برادری کی ہلاکت وغیرہ کی دعائیں مانگتے لگتے ہیں ویدعو الانسان بالشر دعاءه بالخير وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُولًا (۵) اور انسان برائی کی دعا اسی طور سے مانگنے لگتا ہے جس طرح بھلائی کی دعا مانگتا ہے اور انسان بہت جلد باز ہے وَكَوَيُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعْجَلْ لَهِمْ بِالْخَيْرِ لِقَضَى الْيَوْمِ اَجْلُهُمْ (۶) اگر اللہ تعالیٰ آدمیوں کے لیے برائی کو اس طرح جلد ظاہر کر دیتا جس طرح وہ بھلائی کے متعلق چاہتے ہیں تو ان کی ہلاکت ہو جاتی۔ بہر حال حکمت ہائے الہیہ اور پرورش ہائے ربانیہ متقاضی ہیں کہ انسانوں کی سب دعائیں قبول نہ کی

(۱) ترمذی ۱۷۵۲ علی صدر ابواب الدعوات۔ م قدیمی

(۲) مشکوٰۃ شریف ۱۹۵/۱ کتاب الدعوات الفصل الثانی۔ م قدیمی

(۳) مسلم شریف ۳۴۱۲ کتاب الذکر و الدعاء والتوبة والاستغفار۔ م قدیمی

(۴) سورة الانبياء آیت: ۲۳

(۵) سورة بنی اسرائیل: آیت: ۱

(۶) سورة یونس آیت: ۱۱

جائیں ورنہ عالم تہ وبالا ہو جائے گا اور انسانی دنیا کو مشکلات پیش آ جائیں گی، واللہ اعلم۔

(مکتوبات ۳۶، ۳۱/۴)

## دعا کب قبول ہوتی ہے

﴿س﴾

کس طرح دعا کرنے سے قبول ہوتی ہے دعا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

﴿ج﴾

تضرع و زاری اور دل لگا کر مانگنے سے اور حلال مال اپنے اوپر خرچ کرنے سے اور جلد بازی نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہونے سے۔ (مخطوطات مبارکہ)

## الہی بحق فلاں کہہ کر دعا مانگنا

﴿س﴾

ایک بات دریافت طلب ہے الہی بحرمت یا بحق فلاں و بحرمة النبی ﷺ کے عدم جواز میں مودودی صاحب نے لاحق للمخلوق علی الخالق بحوالہ ہدایہ دلیل پیش کی ہے کیا ٹھیک ہے یا ان کا اجتہاد ہے۔

﴿ج﴾

محترمی! مودودی صاحب کا یہ فتویٰ ہدایہ کے قول سے نہایت تعجب خیز ہے وہ تو ہدایہ، شرح وقایہ اور دیگر کتب فقہ حنفیہ کی سخت تذلیل اور توہین جگہ جگہ کرتے ہیں اور تقلید جامد، تقلید کورانہ وغیرہ کو انتہائی غلط طریقہ بتلاتے ہیں، اب اس سلسلہ میں صاحب ہدایہ کی تقلید فرماتے ہوئے ایسا فتویٰ کیوں دیتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ صاحب ہدایہ کا یہ ارشاد کسی آیت یا حدیث یا اثر سے ثابت نہیں کیا گیا ہے۔ ہدایہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

ویکرہ ان یقول الرجل فی دعاءہ بحق فلان او بحق انبیائک لانہ لاحق للمخلوق علی

الخالق۔ (۱)

صاحب ہدایہ عدم جواز کا حکم نہیں دیتے مگر مودودی صاحب عدم جواز کا حکم دیتے ہیں۔ صاحب ہدایہ

کراہت کا حکم دیتے ہیں پھر کوئی تصریح کراہت تحریمی یا تنزیہی کی نہیں فرماتے۔ دلیل میں ایسی چیز ذکر فرماتے ہیں جو بظاہر صحیح حدیث کے معارض ہے صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ كُنْتُ رَدَفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مَوْخِرَةٌ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مَعْزَاهُ تَدْرِي مَا حَقَّ لِلَّهِ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقَّ الْعِبَادَ عَلَى اللَّهِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنْ حَقَّ لِلَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقَّ الْعِبَادَ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يَعْبُدَ مِنْ لَدُنْكَ شَيْئًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا ابْشُرْ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تَبْشُرْهُمْ فَيَتَكَلَّوْا (۱)

امام بخاری نے اپنی کتاب جامع صحیح میں پانچ جگہ اس کو ذکر کیا ہے کہ وہ شرک سے بچنے والوں کو کسی قسم کا عذاب نہ دے گا۔ اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر ذکر فرماتے ہیں اور مودودی صاحب بندوں کے حق کا انکار فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ سے نقل کر کے فتویٰ دیتے ہیں کہ دعاء میں بحق فلاں یا بحرمة النبی ﷺ کہنا جائز نہیں ہے۔ حدیث صحیح کے خلاف یہ فتویٰ کس طرح قابل اعتبار ہو سکتا ہے خصوصاً مودودی صاحب کو یہ فتویٰ دینا کس طرح شایاں ہے جب کہ وہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی انسان کو معیار حق قرار نہیں دیتے اور نہ کسی کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں اور نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہونا جائز رکھتے ہیں۔ (دستور جماعت اسلامی ص ۵) انہوں نے تو اپنے دستور کی اس دفعہ سے تمام انبیاء و مرسلین اور تمام صحابہ اور حواریین اور تمام ائمہ مجتہدین اور تمام اولیاء اللہ اور علماء سلف و خلف کو علاوہ جناب رسول اللہ ﷺ معیاریت حق اور تنقید سے بالاتر اور ان کی ذہنی متبوعیت سے نکال دیا ہے تو اب بے چارے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کس شمار و قطار میں رہ جاتے ہیں فیما للعجب۔

حقیقت حال یہ ہے کہ لفظ حق متعدد معنوں میں آتا ہے: (۱) واجب عقلی جس کا ثبوت اور لزوم دلائل عقلیہ قطعیہ سے ہوتا ہو اور اس کا خلاف مستحیل اور ممنوع عقلی ہو (۲) واجب شرعی: جس کا ثبوت اور لزوم نص شرعی اور وعدہ خداوندی کی بناء پر ہو اور اگرچہ عقلاً اس کا وجود ضروری نہ ہو (۳) مستحق و ثابت یعنی وہ چیز جو کہ وجود اور ثبوت رکھتی ہو اور اگرچہ ضروری نہ ہو (۴) جدیر اور لائق: یعنی وہ چیز جس کا موجود ہونا بہتر اور اعلیٰ ہو اور اگرچہ ضروری نہ ہو (۵) مشابہ بالواجب یعنی وہ چیز جو کہ ضروری چیز کے مماثل اور مشابہ ہے اگرچہ واقع میں لازم اور ضروری نہیں ہے جیسے زید اسد (۶) موجود صوری یعنی مشاکلہ اور سورۃ عبارت میں جو کوئی چیز دوسرے کے برابر

(۱) کتاب الایمان الفصل الاول ۱۴/۱ مشکوٰۃ شریف: مرقدیمی

قراردی گئی ہو جیسے جزاء سننیہ سننیہ مثلہا اگرچہ وہ حقیقت میں موجود نہ ہو (۷) احترام اور بڑائی: یعنی وہ چیز جو کہ مرتبہ اور شرف رکھنے والی ہو اور قبولیت سے نوازی گئی ہو (۸) مہتمم بالشان یعنی وہ چیز جس کو نہایت اہم قابل اعتناء کوئی قرار دے اگرچہ واقع میں وہ لازم نہیں ہے جیسے حدیث شریف میں حق لله علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ایام (۱) الغرض استعمال عربی اور لغت عرب میں لفظ حق ان متعدد معانی وغیرہ میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ شرح حدیث یعنی، قاری، عسقلانی وغیرہ اور قاموس لسان العربہ مجمع البحار وغیرہ علماء لغت ذکر فرماتے ہیں مگر سب سے پہلے معنی میں سلف میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ معتزلہ چونکہ عدل اور صلح کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب قرار دیتے ہیں۔ اس لیے غفران اہل تو حید اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب کہتے ہیں اور یہ حق بندوں کا اس پر لازم بالزوم العقلی قرار دیتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کسی فعل کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور ذاتاً واجب نہیں کہتے اس لیے یہ دعاء کرنا اللہم انی اسئلك بحق فلان یا بحق الانبیاء والمرسلین اہل اعتزال کے عقائد کے موافق ہوگا۔ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہوگا۔ قرون تابعین اور تبع تابعین میں معتزلہ کا بہت زور شور تھا اس لیے فقہاء کرام نے سداً للذریعة منع فرمایا تھا اب جبکہ وہ اور ان کے عقائد معدوم ہو گئے تو اس کا اشتباہ بھی معدوم ہو گیا تو اس لفظ کے استعمال میں پہلے معنی کے ارادہ کرنے کا احتمال ہی نہیں رہا بلکہ دوسرے معانی ہی مراد لیے جاتے ہیں اس لیے اس میں کوئی حرج نہ ہوگا ملا علی قاری شرح نقایہ میں فرماتے ہیں۔

قیل ویحرم ان یقول فی دعاءہ بحق فلان نبیا کان او ولیاً او بحق البیت او المشعر الحرام لانه لاحق للخلق علی اللہ لکن قد یقال لاحق لهم وجوباً من اصلہ ولكن اللہ سبحانہ جعل لهم حقاً فضلاً او یراد بالحق الحرمة والعظمة فیکون من باب الوسيلة وقد قال اللہ سبحانہ (وابتغوا الیہ الوسيلة) فقد عدمن آداب الدعاء التوسل بالانبیاء والاولیاء علی ما فی الحصن الحصین وجاء فی روایة اللہم انی اسئلك بحق السائلین علیک وبحق ممشای الیک فانی لم اخرج اشر اولاً بطراً الحدیث (۲)۔

رد المحتار میں ہے (قوله وكره قوله بحق رسلك الخ) هذا لم یخالف فیہ ابو یوسف بخلاف مسألة المتن السابقة كما افاد الاتقانی وفي التاتارخانیہ وجاء فی الآثار ما دل علی الجواز (قوله لانه لاحق للخلق علی الخالق) قد یقال انه لاحق لهم وجوباً علی اللہ تعالیٰ لکن الیہ سبحانہ وتعالیٰ جعل لهم حقاً من فضله او یراد بالحق الحرمة والعظمة

(۱) مسلم شریف ۲۸۰/۱ کتاب الجمعة۔ م قدیمی  
(۲) شرح النقایة ج ۴، ص ۲۳۶ کتاب الكراهة: ایچ ایم سعید کمپنی

فيكون من باب الوسيلة وقد قال تعالى وابتغوا اليه الوسيلة ..... وقال السبكي يحسن التوسل بالنبي ﷺ الى ربه (۱)۔

## کیا خلافت صرف ۳۰ سال رہی



ایک صاحب کہتے ہیں کہ حدیث الخلافة من بعدی ثلاثون سنة کے اعتبار سے تیس سال کے بعد خلافت منقطع ہو چکی ہے پھر اس کے بعد سلاطین اسلام کو خلفاء سے تعبیر کرنا کیسے صحیح ہے۔



یہ کہنا کہ خلافت فقط تیس برس تک رہی ہے اس کے احکام اس مدت کے بعد منقطع ہو گئے ہیں اور اس مضمون کی تقویت کے لیے حدیث الخلافة من بعدی ثلاثون سنة ثم يكون ملكاً عضواً (۲) میرے بعد خلافت تیس برس تک ہوگی اس کے بعد بادشاہت حریصانہ ہوگی) کا ذکر کرنا فاحش خطا اور صریح غلط فہمی سے خالی نہ ہوگا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمانا: لا يزال الاسلام عزيزاً الى اثني عشرة خليفة كلهم من قريش (۳)۔ وفي رواية لا يزال الدين قائماً حتى تقوم الساعة او يكون عليهم اثنا عشرة خليفة كلهم من قريش (۴) (رواه الشيخان واصحاب السنن)۔

یعنی ان بارہ خلیفوں تک جو کہ قریش ہی میں سے ہوں گے اسلام نہایت قوت پر رہے گا اور ایک روایت میں ہے کہ دین اپنے کمال پر ثابت رہے گا تا آنکہ قیامت قائم ہو یا اہل اسلام پر قریش میں سے ۱۲ خلیفہ ہو جائیں۔ یہ احادیث ایک چمکدار روشنی ہیں جن سے گذشتہ حدیث میں سے شبہ کی تاریکی بالکل دور ہو جاتی ہے حسب تصریح حفاظ حدیث کہ بعض طرق روایات سابقہ میں خلافة النبوة من بعدی ثلاثون سنة وارد ہوا

(۱) ردالمحتار حاشیہ در المختار للعلامة ابن عابدین الشامی (قوله وكره قوله بحق وسلك) ص ۶۵۲، ج ۹ کتاب الحظر والا باحقہ مرشیدیہ

(۲) شرح الكامل للنواوی علی صحیح المسلم ۱۱۹۲ کتاب الامارة (قدیمی)

(۳) صحیح مسلم کتاب الامارة / باب الناس تبع لقریش ۱۱۹۲ (قدیمی کتب خانہ کراچی) سنن الدارمی / الخلافة قریش ۳۱۵۲ (قدیمی)

(۴) صحیح البخاری، کتاب احکام، باب الامراء من قریش ۶۰۱۲ (رحمانیہ)

ہے (۱)۔ روایت سابقہ میں ایسی خلافت راشدہ اور خلافت علی منہاج النبوة مراد ہے کہ جس کو نبوت کے رنگ سے ازسرتا پانگین اور اس کے اعمال و اقوال سے بالکل مطابق اور قدم بقدم کہہ سکتے ہیں۔ ایسی خلافت کاملہ تیس برس تک متصلاً باقی رہی اس کے بعد نہ وہ اتصال رہا اور نہ رنگ باقی رہا اور نہ وہ کمال۔ کتب شریعت کی ورق گردانی کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہونے کے بارے میں صحیح اور صریح مختلف طریق سے روایتیں موجود ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک خلافت اسلامیہ باقی رہے گی۔ (۲) (مطبوعہ خطبہ صدارت خلافت کانفرنس سیوہارہ ضلع بجنور)

کیا ہر خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہے



وہی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہے اس لیے سلاطین عثمانیہ کسی طرح خلیفہ کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔



یہاں پر بعض سادہ لوح مدعیان شریعت حدیث الاثمة من قریش پیش کرتے ہوئے اجماع صحابہ اور اہل کلام سے ابطال خلافت عثمانیہ کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ماہرین علم دین اور محققین فقہ پر مخفی نہیں کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف روایتیں جن کو امام احمد رضی اللہ عنہ نے مسند میں ذکر فرمایا ہے (۳) مثل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سالم

(۱) ابوداؤد / باب الخلفاء ۲ / ۳۹۳ رحمانیہ ایضاً جامع الترمذی باب ماجاء فی الخلافة، ابواب الفتن ۲ / ۳۹۳ رحمانیہ

(۲) تفصیل کے لیے دیکھے فتاویٰ محمودیہ ۱ / ۳۳۲ تا ۳۳۹ باب ما يتعلق بالانبياء واتباعهم ایضاً سنن ابوداؤد شریفہ باب ذکر المہدی بعد آخر کتاب الفتن ۲ / ۳۳۸ (رحمانیہ) صفحہ ۱۷۵

(۳) حدثنا ابو المفیدة وعصام بن خالد : قالوا : حدثنا صفوان عن شريح بن عبيد وراشد بن سعيد وغيرهما قالوا لما بلغ عمر بن الخطاب سرغ حدث ان بالشام وباء شديداً۔ قال بلغني ان شده الوباء في الشام فقلت : ان ادر كني اجلي وابوعبيدة بن الجراح حبي استخلفته، فان سألتني الله لم استخلفته على امة محمد ﷺ قلت : اني سمعت رسولك يقول ان لكل نبى امينا واميني ابو عبيدة بن الجراح فانكر القوم ذلك قالوا ما بال عليا قریش يعنون بنى فهدثم قال فان ادر كني اجلي وقد توفي ابو عبيدة بن الجراح استخلفت معاذ بن جبل فان سألتني ربي عزوجل لم استخلفته قلت رسولك يقول انه يحشر يوم القيامة بين يدي العلماء نبدة حديث نمبر ۱۰۸ / ج ۱ / ۲۱۲ مسند الخلفاء الراشدين (مكتبة بيروت دار الحديث القاهرة وايضاً : فقال عمر رضى الله عنه : قد ايت من اصحابي حرصاً سينا۔ واني جاعل هذا الامر الى هولاء نفر الستة الذين مات رسول الله ﷺ وهو عنهم راض ثم قال عمر رضى الله عنه لو ادر كني احد رجلين ثم جعلت هذا الامر اليه لو ثققت به سالم ابى حذيفة وابوعبيدة بن الجراح حديث نمبر ۱۲۹ / ج ۱ / ۱۳۳ مسند امام احمد بن حنبل، مسند الخلفاء الراشدين (مكتبة رحمانیہ مترجم)

مولیٰ خلیفہ رضی اللہ عنہ غیر قریشی کے لیے امامت عامہ کا استحقاق ظاہر کرتی ہیں یہ قطعیت اجماع میں اسی طرح تردد پیدا کر رہی ہیں جیسے امام ابو بکر الباقلائی جیسے جلیل القدر اشعری متکلم کا خلاف اجماع اہل کلام میں تزلزل ڈال رہا ہے زمانہ خلیفہ اول میں اس حدیث کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا قبول کر لینا اس اجماع پر قطعی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ فرضیت خلافت کی ایسی شرط ہے جس کے بغیر انعقاد خلافت شرعیہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانہ میں خلیفہ ہونا اور قحطانی کا بادشاہ ہونا احادیث صحیحہ میں مروی ہے قحطانی کی بادشاہت اسی پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا ہے اور حدیث قریش سے اس کو روکنا چاہا ہے مگر علمائے حدیث اور ائمہ اہل سنت اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کو اگر خبر پر حمل کیا جائے تو بمعنی کمال استحقاق اور زیادت اہلیت لینا ضروری ہوگا کیوں کہ عرب قریش ہی کو اس لائق سمجھتے تھے چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لن تعریف العرب هذا الامر الا في قريش عرب اس امامت کا استحقاق بجز قریش دوسرے میں نہیں جانیں گے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الملك في قريش والقضاء في الانصار والاذان في الحبشة والامانة في الازد رواه الترمذی (۱) ملک قریش میں اور قضا انصار میں اور اذان حبشہ میں اور امانت ازد میں ہے یہاں ضروری ہے کہ جس طرح استحقاق قضا انصار کے لیے اور استحقاق اذان حبشہ کے لیے ثابت کیا جاتا ہے اسی طرح قریش کے لیے استحقاق ملوکیت کا اقرار کیا جائے جس سے دوسروں کی ملوکیت کا انکار نہیں نکلتا جیسے کہ سوائے انصار کے دوسروں کی قضا کا انکار نہیں نکلتا اس لیے علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اقول وفيه اشعار ان الخلق لا يأنفون عن مبايعتهم وان قابلية المتبوعية مجبولة في جبلتهم فينبغي ان لا يخرج عنهم امر الخلافة لثلاثا يترتب عليه المخالفة (۲) میں کہتا ہوں کہ اس حدیث (الناس تبع آہ) میں اشارہ ہے اس امر پر کہ لوگ قریش کی تابعداری سے نفرت نہ کریں گے اور پیشرو اور خلیفہ ہونے کی قابلیت ان کی سرشت میں رکھی گئی ہے اس لیے لائق ہے کہ ان سے خلافت کا امر نہ نکالا جائے تاکہ اس پر مخالفتیں نہ پیدا ہوں۔ اور اگر اس خبر کو اپنے معنی ہی میں لیا جائے یعنی نفس امامت فقط قریش کے لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں تو یہ پیشین گوئی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص زمانہ تک کے لیے ہے چنانچہ خود علامہ سیوطی اور علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تصریح فرما رہے ہیں اور جب کہ لفظ ما اقاموا الدين (۳) خود بخاری کی روایت میں موجود

(۱) رواه الترمذی و مشکوة المصابح ۵۵۲/۲ باب مناقب قريش الفصل الثاني (قدیمی)

(۲) مرقات ۱۱/۱۳۲ کتاب المناقب باب مناقب قريش وذكر القبائل (مکتبہ رشیدیہ)

(۳) ما اقاموا الدين الخ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ان هذا الامر في قريش لا يعاديهم احد الاكبه الله تعالى من وجهه ما اقاموا الدين وهناك رواية اخرى عن ابن عمر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال لا يزال هذا الامر في قريش الخ بخاری شریف / کتاب الانبياء / باب مناقب قريش (مکتبہ رحمانیہ)

ہے تو پھر اس کی تخصیص کی بھی ضرورت نہیں۔ جب تک قریش نے حقوق واجبہ کی رعایت کی خداوند کریم نے ان میں بادشاہت اور خلافت رکھی اس کے بعد چھین لی۔ بہت سے علماء حدیث وفقہ رضی اللہ عنہم اس حدیث کو خبر بمعنی امر فرما رہے ہیں جس کی توجہ فقط اس خلیفہ کی جانب ہوگی جس کو امت نے بمشورہ خلیفہ بنایا ہو یا خلیفہ سابق نے اس کو بطور ولی عہد خلیفہ کیا ہو لیکن اگر کوئی شخص اپنی قوت اور سطوت سے خلیفہ ہو جائے تو اس کے لیے قریشیت وغیرہ کی شرط نہیں۔ ایسے امام کی اطاعت اور اس کی اعانت اجتماع کلمہ اور نفوذ تصرفات کے بعد اسی طرح واجب رہے گی جیسے کہ امام جامع الشروط کی تھی۔ جملہ کتب مطولہ فقہیہ اس کی تصریح فرما رہی ہیں۔

(مطبوعہ خطبہ رُصدارت خلافت کانفرنس سیوہارہ ضلع بجنور)

## سانپ سے بچاؤ



بخاری شریف پارہ ۲۳ باب رقیۃ الحیۃ والعقرب کے حاشیہ سے معلوم ہوا کہ سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ اگر کوئی بوقت شام سلام علی نوح فی العلمین کہے تو اس کو حیہ (سانپ) ضرر نہ کرے اور حصن حصین کی منزل یوم الاثنین الرقیۃ للذبیح بالفاتحہ کے کسی حاشیہ سے معلوم ہوا کہ علامہ قہستانی کے بیان کے مطابق بذریعہ مشائخ کہ حیۃ وعقرب (سانپ بچھو) نے حضرت نوح علیہ السلام سے بوقت طوفان وغیرہ کہا تھا جو تمہارا نام یاد کرے گا اور سلام علی نوح فی العالمین کہے گا تو ہم اسے ضرر نہ کریں گے وہ روایت کون سی حدیث کے کس باب میں ہے۔



قسطلانی شرح بخاری شریف ۳۷۵/۹ میں یہ عبارت ہے وقال ابن عبدالبر فی التمهید من سعید بن المسیب قال بلغنی ان من قال حین یمسی سلام علی نوح فی العالمین لم یلدغہ العقرب۔ و ذکر ابو القاسم القشیری فی تفسیرہ ان فی بعض التفاسیر ان الحیۃ والعقرب اتیا نوحاً فقالتا احملنا فقال نوح لا احملکما فانکما سبب الضرر فقالتا احملنا نضمن لك ان لا نضر احداً ذکرک اس عبارت سے آپ کے دونوں مسئلے معلوم ہو گئے (سعید ابن المسیب کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو شخص شام کے وقت سلام علی نوح فی العالمین پڑھے اس کو بچھو نہ ڈسے گا اور ابو القاسم قشیری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بعض تفسیرات میں ہے کہ سانپ اور بچھو نے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کیا کہ ہمیں بھی اپنی کشتی پر بٹھالیں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہو اس لیے تمہیں نہیں بٹھاؤں گا۔ تو انہوں نے کہا ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جو آپ کا نام لے گا اسے نقصان نہ پہنچائیں گے۔ (۱) (مکتوبات ۲۱۷/۳-۲۱۸)

## محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں حضرت رضی اللہ عنہ کا موقف

﴿س﴾

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تحریکات و آراء کے متعلق حضرت والا کی رائے کیا ہے؟ اور کیا اب بھی آپ کا وہی مسلک ہے جو آپ نے اپنی کتاب ”الشہاب الثاقب“ میں ظاہر فرمایا ہے کہ عبد الوہاب نجدی کو آپ خیار جی تصور فرماتے ہیں۔ یا متبع سنت عالم جیسا کہ حضرت گنگوہی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا ہے۔

﴿ج﴾

اب بھی میرا وہی مسلک ہے جو اس کتاب میں ظاہر کیا گیا ہے اور یہی مسلک میرے اسلاف کرام کا ہے، محمد بن عبد الوہاب اور اس کی جماعت کو میں نے نہیں بلکہ علامہ شامی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب رد المحتار حاشیہ در مختار میں جو کہ فقہ حنفی میں نہایت مستند اور مفتی بہ کتاب ہے۔ جلد ثالث ص ۳۳۹ میں بھی (خوارج) لکھا ہے، صاحب رد المحتار۔ علامہ شامی رضی اللہ عنہ چونکہ اسی طرف کے رہنے والے اور اسی زمانہ کے ہیں ۱۲۳۳ھ میں جب محمد بن عبد الوہاب کی جماعت نے حجاز پر قبضہ اور تسلط کیا ہے وہ حج کے لیے مکہ معظمہ گئے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے میں تصریح کی ہے (۲)۔ پس وہ جس قدر محمد بن عبد الوہاب اور اس کی جماعت سے واقف ہیں۔ دور دور کے رہنے

(۱) وفي الفتاوى الحديثية رواية عن ابي داود: عن ابي ليلي: ان رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ من نزل عن حيات البيوت فقال: اذا رايتم منها شيئا في مساكنكم فقولوا: انشدكن العهد الذي اخذ عليكن نوح انشدكن العهد الذي اخذ عليكن سليمان ان لا تؤذونا فان عدن فاقتلوهن وذكر الحديث في ”أسد الغابة“ عن ابي ليلي بلفظ ” اذا ظهرت الحية في المسكن فقولوا لها ان لنسألك بعهد نوح وبعهد سليمان بن داود عليهما السلام لا تؤذينا فان عادت فاقتلوهما فتاوى حديثيه ابن حجر رحمه الله تعالى عليه ۳۵/۱ اور مزید تفصیل بھی ہے اگر دیکھنا ہو تو.....؟

(۲) وقال ابن عابدين: الظاهر من كلام الاختيار وغيره: ان البغاة اعم فالمراد بالبغاة ما يشتمل الفريقين ولذا فسر في البدائع البغاة بالخوارج لبيان انهم منهم وان كان البغاة اعم وهذا الي ان قال ابن عابدين في زماننا في اتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علماء اهلهم حتى كسر الله تعالى شوكتهم وخرّب بلادهم وظفر لهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين والفر رد المحتار ۴۰۰/۶ مطلب في اتباع عبد الوهاب الخوارج في زماننا البغاة (مكتبة رشديه ۱۴ جلد والا)

والے اور زمانہ مابعد میں ہونے والے اتنے واقف نہیں ہو سکتے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز بہت بعد کے لوگوں میں ہندوستان کے باشندہ ہیں۔ ان کو اس قدر اس جماعت کے احوال معلوم نہیں ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ ص: ۶۴۔ میں اس کی تصریح فتویٰ میں موجود ہے اور ص ۸ میں جو عبارت اس کی تحسین میں لکھی گئی ہے وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ اس کتاب شامی پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے، عموماً ان کے فتاویٰ اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

(مکتوبات ۲/۳۳۴)

## محمد بن عبدالوہاب کے متعلق سابقہ موقف سے رجوع



اولاً حضرت مدنی کی وہی تحقیق تھی جو مذکورہ تحریر میں ارشاد فرمائی گئی، لیکن بعد میں جب اہل نجد کے صحیح عقائد ان کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے آپ کے سامنے آئے تو آپ نے اپنی سابقہ رائے سے رجوع فرمایا، اور اس بارے میں ایک مفصل وضاحتی تحریر اخبار خلافت بمبئی میں شائع کرائی جس کے آخری الفاظ بحوالہ ہفت روزہ سچ لکھنؤ درج ذیل ہیں۔ (مرتب)

بہت سی باتیں جو اہل نجد کی جانب منسوب کی جاتی ہیں بالکل بے اصل ہیں اور بعض باتیں کچھ اصل بھی رکھتی ہیں مگر نہ ایسی کہ جن کی وجہ سے ان کو فرقہ ناجیہ سے نکالنا جائز ہو سکے یا جمہور اہل سنت و جماعت کا مخالف قرار دے کر ان پر تبرا کیا جائے اور عامہ اہل اسلام کو ان سے بہکایا جائے لہذا مجھ کو اس امر کا اعلان کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہو سکتا کہ میری وہ تحقیق جس کو میں رجوم المذنبین اور الشہاب الثاقب میں لکھ چکا ہوں اس کی بنیاد کسی ان کی تالیف و تصنیف پر نہ تھی بلکہ محض افواہوں یا ان کے مخالفین کے اقوال پر تھی اب ان کی معتبر تالیفات بتا رہی ہیں کہ ان کا خلاف جمہور اہل سنت و جماعت سے اس قدر ہرگز نہیں جیسا کہ ان کی نسبت مشہور کیا گیا ہے بلکہ صرف چند جزوی امور میں صرف اس درجہ تک ہے جس کی وجہ سے ان کی تکفیر یا تفسیق یا تضلیل نہیں کی جاسکتی۔ (ہفتہ وار سچ لکھنؤ ۲۲ مئی ۱۹۲۵ء شمارہ ۲۰ ص ۲) (۱)

(۱) قال الحصكفي ..... واعرابي ..... وفاسق ..... مبتدع ..... وکل من قبلتنا لا يكفر حتى الخوارج: وقال ابن عابدين أرادبهم من خرج عن معتقد اهل الحق الدرالمختار على ردالمحتار ۳۵۶۲ باب الامامة مطلب البدعة خمسہ اقسام اور ان کے متعلق حضرت مولانا مفتی فرید صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ وہ یعنی محمد بن عبدالوہاب نجدی مذہب امام احمد بن حنبل کا مقلد ہے۔ لیکن بعض اصول اور فروع میں متفرد ہے۔ فتاویٰ فریدیہ

## آنحضرت ﷺ واسطہ فیوض الہیہ ہیں



اکا بردیو بند کار رسول اللہ ﷺ کے واسطہ فیوض ہونے کے بار میں کیا عقیدہ ہے۔



یہ جملہ حضرات، ذات حضور پر نور ﷺ کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوض الہیہ و میزاب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد کئے ہوئے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے اب تک جو جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہونگی عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہوں یا اور کسی قسم کی ان سب میں آپ کی ذات پاک ایسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ جیسے آفتاب سے نور چاند میں آیا ہو اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں، غرض کہ حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ واسطہ جملہ کمالات عالم و عالمیان ہے یہی معنی لَوْلَاک لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکُ (۱) اور اول مَا خَلَقَ اللّٰهُ نوری اور انسانی الانبیاء وغیرہ کے ہیں۔ اس احسان و انعام میں جملہ عالم شریک ہے علاوہ اس کے آپ کی ذات مقدس کو اور روح مؤمنین سے وہ خاص نسبت ہے کہ جس کی وجہ سے آپ باپ روحانی جملہ مؤمنین کے ہیں اور یہ احسان بھی ابتداء عالم سے آخر تک کے مؤمنین کو عام ہے علاوہ اس کے مؤمنین امت مرحومہ کے ساتھ ماسوا اس کے اور بھی خاص علاقہ ہے جو کہ اور امم کے مؤمنین کو نہیں۔

(الشہاب الثاقب۔ ص: ۴۷)

## ابلیس کو آنحضرت ﷺ سے اعلم کہنے والا شخص کافر ہے



جو شخص ابلیس لعین کو حضور سرور کائنات ﷺ سے اعلم کہے اس کے لیے کیا حکم ہے۔

(۱) حدیث لَوْلَاک لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکُ قَالَ الصَّنَعَانِی رَحِمَہُ اللّٰہُ : اِنَّہُ مَوْضُوعٌ کَذَابِی الْخِلَاصَۃُ لَکِن مَعْنَاہُ صَحِیحٌ فَقَد رَوٰی الدَّیْلَمِی : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا مَرْفُوعًا : اَتَانِی جَبْرِیْلٌ عَلَیہِ السَّلَامُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ لَوْلَاک مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَاک مَا خَلَقْتُ النَّارَ وَفِی رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَوْلَاک مَا خَلَقْتُ الدِّیْنَ۔ مَوْضُوعَاتُ الْکُبْرٰی الْاَسْرَارِ الْمَرْفُوعَۃِ فِی الْاَخْبَارِ الْمَوْضُوعَۃِ۔ مَلَاعِلِ الْقَارِی مَلْتَبَہٗ قَدِیْمِی ص: ۱۹۴ حدیث نمبر ۷۵۴

﴿ج﴾

حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے متعدد فتاویٰ میں یہ تصریح فرمائی کہ جو شخص ایلیس لعین کو رسول مقبول ﷺ سے اعلم اور اوسع علماً کہے وہ کافر ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۸۸) (۱)

## ذکر ولادت شریعہ کے متعلق وہابیہ اور دیوبندیوں کے موقف میں فرق

﴿س﴾

ذکر ولادت شریفہ کے بارے میں وہابیہ اور اکابر دیوبند کے خیالات میں کیا فرق ہے۔

﴿ج﴾

وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرور کائنات ﷺ کو بیچ و بدعت کہتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس اذکار اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کو بھی برا سمجھتے ہیں اور یہ جملہ حضرات (اکابر دیوبند) نفس ذکر ولادت شریفہ کو جبکہ بروایات معتبرہ ہو مندوب اور مستوجب برکت فرماتے ہیں البتہ ان قیود کو منع فرماتے ہیں جن کو جہلاء زمانہ نے زیادہ کر کے لازم ٹھہرایا ہے اور ان کی وجہ سے شرعاً کوئی قباحت پیدا ہو (۲)۔ (الشہاب الثاقب ص ۶۷)

(۱) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ ﷺ امرهم ..... الی ان قالت ثم يقول: ان اتقاكم اعلمکم باللہ تعالیٰ انا صحیح البخاری کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم باللہ تعالیٰ (قدیمی کتب خانہ) وقال ابن الحجر فی شرحہ قول ﷺ (انا اعلمکم باللہ تعالیٰ) ظاهر فی ان العلم باللہ تعالیٰ درجات وان بعض الناس فیہ افضل من بعض وان النبی ﷺ منه اعلیٰ الدرجات، وان العلم باللہ يتناول ما بصفاته وما بأحكامه وما يتعلق بذلك فتح الباری ۹۶۱ کتاب الایمان وقال التهانوی: وان سیدنا وشفیعتنا محمداً ﷺ اعلم الخلق وافضلهم امداد الفتاویٰ ۳۲۷/۶ مکتبہ دارالعلوم کراچی

(۲) الحمد لله فی الواقع نفس ذکر ولادت رسول اللہ ﷺ کا کوئی منکر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ مندوب اور مستحسن ہے۔ مگر بوجہ الحاق امورنا مشروعہ جیسا کہ مروجہ زمانہ حال ہے بدعت و حرام ہے۔ سرور عالم ﷺ کا ذکر کیجئے مگر جیسا کہ قرون ثلاثہ میں نہ مجلس مولود منعقد ہوتی تھی نہ ذکر ولادت پر قیام ہوتا تھا۔ ہم سب ماموز کئے گئے ہیں اتباع سلف صالحین پر نہ کہ اتباع خلف پر امام علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ جو بڑے اکابرین و متسددین سے ہیں، مدخل میں فرماتے ہیں: ومن جملة ما احدثوه من البدع من اعتقادهم ان ذالك من اكبر العبادات و اظهار الشعائر ما يفعلونه في شهر الربيع الاول من المولد وقد احتوى ذلك على بدع و محررات الی ان قال وهذه المفاسد مترتبة على فعل المولد اذا عمل بالسمع فان خلاصه وعمل طعام فقط ونوی به المولد ودعی الیه الایحوان من کل ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نية فقط۔ لان ذالك زيادة في الدين (بقیہ اگلے صفحہ پر)

## مشرک کا جھوٹا پاک ہے

﴿س﴾

آیت کریمہ ﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ سے مشرکین کا ناپاک ہونا معلوم ہوتا ہے تو کیا ان کا جھوٹا اور پسینہ وغیرہ ناپاک ہے؟

﴿ج﴾

مشرکین بے شک نجس ہیں مگر علت حکم آیہ حسب سلیقہ عربیہ کو مشتق کو محکوم علیہ قرار دینا ماخذ اشتقاق علت قرار دینا ہے۔ لہذا علت نجاست شرک ہوگا جو کہ نجس معنوی ہے۔ اسی بنا پر اگر مشرک سات سمندر سے غسل دیا جائے تب بھی بوجہ شرک وہ نجس رہے گا حالانکہ تین مرتبہ غسل سے نجاست ظاہری زائل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مشرک کا سور (جھوٹا) وغیرہ پاک ہے (۱)۔ (مکتوبات ۱۵۸/۱) (۲)

## لیلۃ البراءة سے کون سی رات مراد ہے

﴿س﴾

سورہ دخان میں لیلۃ مبارکہ سے مراد کون سی شب ہے اور شب براءت میں کیا اعمال مستحب ہیں۔

بقیہ پچھلے صفحہ سے۔ و لیس من عمل السلف الماضین و اتباع السلف اولیٰ ولم ینقل من احد منهم انه نوى المولود ونحن نتبع السلف فیسعدنا ما وسعهم انتھی! اور مولانا عبدالرحمن حنفی المغربی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ ان عمل المولود بدعة لم یقل به ولم یفعله رسول اللہ ﷺ والخلفاء والائمة۔ و کذا فی شرعة الالہیہ وقال نصیر الدین الماروی شافعی، بیجواب سائل! لا یفعل لانه لم ینقل عن السلف الصالح وانما احدث بعد قرون الثلثة فی الزمان الطالع ونحن لا نتبع الخلف فی ما عمل السلف لانه یکفی بهم الاتباع فای حاجة الی الابتداء۔ قال شیخ الحنابلة شرف الدین: ان ما یعمل بعض الامراء فی کل سنة احتفالاً لمولودہ ﷺ فمع اشتماله علی التکلفات الشنیعة بنفسه بدعة احدثه من یتبع هواہ ولا یعلم ما امرہ ﷺ صاحب الشریعة ونہاہ۔ و کذا فی القول المعتمد۔ و کذا فی الشامی و فی الہندیہ۔ و فی التفسیر المظہری و تفسیر معالم التنزیل و فی الکبیری شرح منیة المصلی و فی فتح القدر و فی المرقاة و فی المدارج النبوة و فی وصیت نامہ شاہ ولی اللہ (فتاویٰ رشیدیہ مکمل مبوب کتاب البدعات مجلس میلاد کس ابتداء۔ مکتبہ ادارہ اسلامیات کراچی ص ۱۱۸)

(۱) فسور آدمی مطلقاً ولو جنباً او کافراً او امرأة الخ طاهر یعنی مشرک حسی طور پر نجس نہیں ہے۔ کتاب الطہارت ۳۲۳/۱ مطلب فی سور۔ مکتبہ رشیدیہ جدید



شب براءت ایک مبارک رات ہے اور رائج یہ ہی ہے کہ سورہ دخان کی آیت انا انزلناه فی لیلة مبارکة انا کنا منذرین۔ فیہا یفرق کل امر حکیم۔ امرأ من عندنا انا کنا مرسلین۔ رحمة من ربک انه هو السميع العليم (۱)۔ سے مراد رائج الاقوال پر یہی شب براءت ہے (۲) اس رات میں جناب رسول اللہ ﷺ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بقیع میں تشریف لے جا کر اہل بقیع کے لیے دعا فرمائیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر خبر کئے ہوئے دے پاؤں بقیع میں تشریف لے گئے اور اہل بقیع (مقبرہ مدینہ منورہ) کے لیے دعا فرمائی اس دن کے روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا گیا۔ اس لیے اگر ہو سکے تو ۱۳-۱۵ کو روزہ رکھیں (۳) اور درمیانی شب میں جس قدر ممکن ہو نوافل اور تسبیح سے اس شب کو معمور کریں اور بلا اجتماع مقبرہ میں جا کر اہل قبور کے لیے دعا کریں ان اعمال کے علاوہ (بقیہ رسوم) بدعات سیئہ اور قبائح ہیں۔ (مکتوبات ۲۲۳/۱-۲۲۵)

### حدیث بدأ الاسلام غریباً کی تشریح



ایک سوال جس میں حدیث بدأ الاسلام غریباً و سيعود کما بدأ کی تحقیق و تشریح معلوم کی گئی ہے۔



بدأ الاسلام غریباً الحدیث کا ترجمہ یہ کرنا کہ اسلام غریبوں سے پھیلا اور پھر غریبوں میں لوٹ آوے گا لغت عربی کے خلاف ہے۔ ہماری اردو زبان میں غریب کا ترجمہ مسکین اور فقیر سے کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ شخص غریب ہے جس کے پاس مال و دولت نہ ہو مگر عربی میں یہ معنی نہیں ہیں اور واقعہ بھی یہ ہی ہے سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو مکہ معظمہ میں بہت بڑے تاجروں اور مالداروں میں سے

(۱) سورة الدخان آیت نمبر ۲ تا ۵ پارہ نمبر ۲۵

(۲) برکت (خیر کثیر) رات میں اس وجہ سے پیدا ہوتی کہ اسی رات میں قرآن مجید نازل ہوا۔ جو تمام دینی اور دنیوی منافع کا ضامن ہے اسی رات میں ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مبارک رات سے مراد شب قدر ہے۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۱۰/۳۹۰، مکتبہ ایچ، ایم، سعید)

(۳) ابن ماجہ کی حدیث میں صرف ۱۵ شعبان کے روزہ کا ذکر ہے۔ اس موقع پر دو روزوں کی صراحت احقر کو کہیں نہیں ملی (مرتب)

تھے (۱)۔ غریب عربی میں اوپرے شخص کو کہا جاتا ہے یعنی وہ شخص جو کہ مشہور و معروف نہ ہو لوگ عام طور سے اس کو جانتے اور پہچانتے نہ ہوں خواہ وہ مالدار ہو یا مسکین و نادار اسی وجہ سے مسافر کو غریب کہتے ہیں کیوں کہ وہ بدبختی ہونے کی وجہ سے لوگوں کی پہچان میں نہیں آتا۔ جو چیز نادر الوقوع ہوتی ہے اس کو بھی غریب کہتے ہیں، کیونکہ قلیل الوقوع ہونے کی وجہ سے وہ مشہور و معروف نہیں ہوتی اور اس میں غرابت و ندرت آجاتی ہے لوگ اس سے مانوس نہیں ہوتے (۲)۔ نیز اس حدیث میں اسلام کو ذوالحال قرار دیا گیا ہے جو کہ مجموعاً احکام عقائد و اقرار و اعمال سے عبارت ہے یعنی دین اسلام غریب تھا نہ کہ اہل اسلام، اگر اہل اسلام کی غربت مراد ہوتی جیسا کہ اردو والے اور آپ کے یہاں کے لوگ کہتے ہیں تو جانب ذوالحال میں لفظ اہل کہا جاتا یا بڑا المسلمون کہا جاتا اور جانب حال میں غریب کہا جاتا۔ بہر حال بہترین توجیہ حدیث کی یہ ہے کہ دین اسلام اور اس کے عقائد و اعمال سے لوگ ابتداء میں بیگانہ اور غیر مانوس تھے وہ عام انسانوں کی نگاہوں میں اوپر اور غیر معروف و غیر محبوب تھا۔ پھر اس سے رفتہ رفتہ لوگوں کو جناب رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد اور روحانی تصرف کی وجہ سے انس اور محبت پیدا ہوئی اور تمام فضا بدل گئی ہر طرف ہر قوم میں مذہب اسلام مقبول ہو گیا یہ دخلون فی دین اللہ الہو اجا (۳) کا سماں بندھ گیا اور جو قومیں مسلمان نہیں ہوئی تھیں وہ بھی اصول اور قواعد اسلامیہ کو پسند کرنے لگیں اور اپنے یہاں کم و بیش اسلامی اصول و اعمال کو داخل کر لیا دین اسلام کا چاروں طرف ڈنک بج گیا اور ہر کہ وہمہ میں عزیز و محبوب ہو گیا۔

پھر آخر زمانہ میں یہ فضا بدل جائے گی اور رفتہ رفتہ لوگوں کے مزاج ماؤف ہو جائیں گے اور اسلام سے بیگانگی لوگوں میں اس قدر بڑھ جائے گی کہ وہ مثل ابتداء کے اوپر اور غیر مانوس بن جائے گا جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہو رہا ہے غیر مسلم تو متنفر تھے خود مسلمان بھی اصول و قواعد و اعمال سے متنفر نظر آتے ہیں۔ دیکھو اہل پاکستان کو وہ اسلامی دستور بنانے پر بھی راضی نہیں ہیں۔ ان کو کفار اور یورپ والی قوموں اور مشرکین کی باتیں پسند ہیں مگر جناب رسول اللہ ﷺ کی صورت و سیرت اور ان کی سنتوں سے نفرت ہے۔ یہ حقیقتاً نتیجہ اس کا ہے

(۱) ذکر تقدم اسلامه: قال حسان بن ثابت وابن عباس واسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم و ابراہیم النخعی اول من اسلم ابو بکر: وقال یوسف بن یعقوب بن الماحشوش ادرکت ابی و مشیختنا، محمد بن المنکدر و ربیعہ بن ابی عبدالرحمن و صالح بن کيسان، و سعد بن ابراہیم و عثمان بن محمد الاخنسی، و ہم لا یشکون ان اول القوم اسلاماً ابو بکر، و عن ابی عباس: قال: اول من صلی ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ کتاب: صفة الصفوة لعبد الرحمن بن جوزی، بذکر: العشرة المبشرون بالجنة ۹۰/۱ (بیروت دار الحدیث القاہرہ)

(۲) الغریب، العجیب، غیر مالوف، المنجد فی اللغة ۵۳۷ (مؤسسة انتشارات دار العلم بیروت)

(۳) سورة النصر آیت: ۳۰/۲

کہ دین اسلام اور اس کے قواعد و اصول ان کی نگاہوں میں غیر مانوس اور وحشی بن گئے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مادی امراض کا حال وبا کے زمانہ میں ہوتا ہے وبا کے زمانہ میں ہوا بگڑ جاتی ہے اور ہر انسان کا مزاج کم و بیش بگڑ جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو روحانی وبا پھیلی ہوئی تھی آپ نے قوت روحانی سے فضاء کو بدلا انسانی مزاج رفتہ رفتہ صحیح و سالم ہوئے اور ان کو روحانی عمدہ غذا محبوب و مانوس ہو گئی اب اس زمانہ میں پھر وہی وبا پھیل رہی ہے اور لوگوں کے مزاج ماؤف ہوتے چلے جاتے ہیں جس طرح صفراء کے غلبہ اور بلغم وغیرہ اخلاط ردیہ کے غلبہ کے وقت میں عمدہ سے عمدہ غذا سے لوگوں کو نفرت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس زمانہ میں لوگوں کو اعمال و عقائد صحیحہ سے نفرت ہوتی جا رہی ہے تو سيعود غریبا کا سماں اس وقت پیش آرہا ہے تو بشارت دی جاتی ہے فطوبی للغرباء یعنی ان اوپرے اور غیر مانوس لوگوں کو خوش ہو جانا چاہیے کہ وہ حقیقت میں اس زمانہ میں مثل ان صحابہ کرام کے ہوتے جاتے ہیں جو ابتداء اسلام میں دین حق کی تابعداری کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں مثل خار کھٹکتے تھے آج یہ دیندار مسلمان بھی حقیر و غیر مانوس ہو کر نظروں میں خار بنے ہوئے ہیں۔

غرض کہ اس توجیہ پر لفظ غریب کے معنی اوپرے اور غیر مانوس و بیگانہ کے ہونگے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ غریب بمعنی تنہا اور قلیل اور اکیلے کے ہیں۔ مجمع البحار ۳/۱۱ میں ہے ”ان الاسلام بدأ غریبا ای کان فی اول امره کوحید لا اهل عنده لقلۃ المسلمین و سيعود ای یقلون فی آخر الزمان فطوبی ای الجنة للغرباء ای للمسلمین فی اوله و آخره لصبرهم علی اذی الکفار و لزومهم الاسلام“ اس توجیہ پر حال تشبیہ بلوغ کی صورت میں واقع ہوگا بخلاف توجیہ اول کے کہ وہاں حالت حقیقی تھی۔ بعض حضرات نے غریب کی توجیہ نزاع قبائل کے ساتھ کی ہے یعنی ہر قبیلہ کے اکاڈ کا لوگ، بعضوں نے غریب مہاجر مراد لیا ہے یعنی ایمان کی۔ ابتداء مہاجرین سے ہوئی اور آخر میں بھی انہیں میں لوٹ آئے گا جب کہ ایمان تمام دنیا سے سمٹ کر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں قرار پکڑے گا۔ دوسری توجیہ کی بناء پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں و ظاہر الحدیث العموم وان الاسلام بدأ فی احاد من الناس و قلة ثم انتشر و ظهر ثم سیلحقه النقص والاختلال حتی لا یبقی الا فی احاد و قلة ایضاً کما بدأ و جاء فی الحدیث تفسیر الغرباء وهم النزاع من القبائل ۸۴/۱ (۱)

مذکورہ بالا تفصیل سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جو توجیہ غریب کے بمعنی نادار اور مفلس کی جا رہی ہے وہ غلط ہے اگرچہ یہ بات واقعی ہے کہ مفلسوں اور کم سرمایہ دار لوگوں میں بہ نسبت مالداروں کے تدرین اور اخلاص زیادہ

(۱) صحیح المسلم ۸۴/۱، باب بیان الاسلام بدأ غریباً و سيعود غریباً الخ۔ (قدیمی)

ہوتا ہے مگر یہ اخیر زمانہ سے مخصوص نہیں ہے ہر زمانہ میں یہی ہوتا رہا ہے البتہ اسلام کی شوکت کے زمانہ میں تدین امراء اور اغنیاء میں بھی بہت کثرت سے پایا گیا اور اب بہت کم ہے۔ واللہ اعلم

(مکتوبات ۸۱۳-۸۳)

## سادات کو سید کہنے کی وجہ

﴿س﴾

سادات اپنے کو سید کیوں کہتے ہیں۔

﴿ج﴾

آپ کا والا نامہ آیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادوں کو ابنی ہذا سید و لعل اللہ یصلح بہ بین فئتين عظیمتين من المسلمین (۱) میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا اور دونوں صاحبزادوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے لیے فرمایا سید اشباب اهل الجنة (۲) (اہل جنت کے جوانوں کے سردار امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ہیں) اس کی وجہ سے صاحبزادوں کو سید کہا جانے لگا پھر ان کی اولاد کو بھی یہی لقب دیا جانے لگا جیسے قاضیوں کی اولاد کو قاضی اور راجاؤں کی اولاد کو راجہ اور بادشاہوں کی اولاد کو شاہ زادہ کہا جاتا ہے شیوخ کی اولاد کو شیخ کہتے ہیں چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں (۳) اور قاعدہ یہ ہے کہ ماں باپ کو چھوٹی اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی جتنی اور صاحبزادیوں سے نہیں تھی۔

آپ نے فرمایا ہے کہ فاطمة بضعة یریبنی ما ارباها ویوذینی ما آذاھا (۴) (فاطمہ میرے جسم کا

(۱) مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری شریف ۵۶۹۲ "الفصل الاول باب مناقب اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مکتبہ قدیمی)

(۲) وعن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنة رواه الترمذی ۲۱۷۲ ایضاً مشکوٰۃ شریف ۵۷۲۲ الفصل الثانی باب مناقب اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (قدیمی)

(۳) عبدالرزاق ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور سب میں زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھی۔ ابو عمر نے کہا ان صاحبزادیوں میں سب سے بڑی زینب رضی اللہ عنہا تھی۔ پھر روقیہ رضی اللہ عنہا ان کے بعد کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بعد فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ

(۴) مشکوٰۃ شریف ۵۶۸۲ بحوالہ بخاری شریف و مسلم شریف الفصل الاول باب مناقب اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ٹکڑا ہے جس چیز سے ان کو تکلیف ہوتی ہے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے اور جو چیز ان کو ستاتی ہے مجھ کو بھی ستاتی ہے (یہ ارشاد اس وقت فرمایا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی سے شادی کا ارادہ کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے شادی کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں دوسری شادی نہیں کی (۱)۔ مسلمان ہمیشہ اسی بنا پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے محبت کرتے رہے اور احترام کی نظر سے دیکھتے رہے سیدوں کا رتبہ آج یہ ہے کہ اگر کوئی سید صحیح النسب اور متقی پرہیزگار شریعت پر مضبوطی سے چلنے والا ہے تو سب کی عزت سے زیادہ عزت اور احترام کا مستحق ہے (۲) اور اگر صحیح النسب نہیں ہے یا متقی و پرہیزگار شریعت کا تابعدار نہیں ہے تو نہ مستحق مسلمانوں کے احترام کا ہے اور نہ اس کے لیے نجات اخروی کا اطمینان ہے۔ بلکہ اس کے لیے آخرت میں زیادہ خطرات ہیں اگر اس نے جھوٹا نسب سادات اختیار کیا ہے تو لعنت خداوندی کا مستحق ہے اور اگر باوجود صحیح النسب ہونے کے جناب رسول اللہ ﷺ کے طریقہ اور حکم قرآن و حدیث سے بغاوت کی ہے تو بہت زیادہ عتاب کا مستحق ہے۔

”نزدیکاں را بیش بود حیرانی“ بڑوں کی اولاد کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے جیسے کہ تابعداری کرنے پر ان کے مرتبے بھی بہت بڑے کئے جاتے ہیں۔ (مکتوبات ۲/۳۴۱-۳۴۲)

## چند سوال و جواب

﴿س﴾

(۱) آپ فرماتے ہیں وہ کیا خاص عمل ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔

﴿ج﴾

ذکر خداوندی، حدیث قدسی میں آیا ہے انا جلیس من ذکرنی اس بارہ میں اس معنی کی بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ (۳)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے سیرت المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۱۴۱ مصنفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مکتبہ مجلس نشریات اسلام)

(۲) سیرت المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ص ۴۰۸

(۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل الی لنبی ﷺ فقال یا نبی اللہ او صنی الی ان قال علیک بذکر اللہ تعالیٰ فانہ نور لک اخرجہ البیہقی فی سنن الکبریٰ ۱۵۲۲ (بیروت)

﴿س﴾

آپ فرماتے ہیں کہ کس طرح دعا کرنے سے قبول ہوتی ہے، دعا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

﴿ج﴾

تضرع اور زاری اور دل لگا کر مانگنے سے اور حلال مال اپنے اوپر صرف کرنے سے اور جلد بازی نہ کرنے سے، اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہونے سے۔ (۱)

﴿س﴾

وہ کیا عمل ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق میں کمی کر دیتا ہے؟

﴿ج﴾

کفران نعمت۔ (۲)

﴿س﴾

آپ فرماتے ہیں وہ کیا عمل ہیں جن سے مال و دولت زیادہ کر دی جاتی ہے؟

﴿ج﴾

شکر گزاری اور تقویٰ۔ (۳)

﴿س﴾

آپ فرماتے ہیں کہ کس عمل سے اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں بے عزت، ذلیل و خوار کنگال بنا دیتا ہے؟

(۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة) سورة الاعراف ۵۵ ترجمہ تم لوگ اپنے پروردگار سے دعاء کیا

کر و تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے بھی معارف القرآن ۵۷۶/۳ (ادارة المعارف)

(۲) اول من یدعی الیہ الجنة الحامدون لله تعالیٰ علی کل حن (رواه البیہقی ۱۵۲۲ بیروت)

(۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی النبی ﷺ او صنی فقال علیک بتقوی اللہ فانہ

جماع کل خیر الحدیث رواہ البیہقی ۱۵۲۲ الکبری بیروت

﴿ج﴾

تکبر و انانیت اور کمزوروں کو ستانا۔ (۱)

﴿س﴾

کیا ازل سے اب تک اللہ جو کرتا آیا ہے، وہ اللہ اب جانتا ہے؟

﴿ج﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے، جن کو وہ کرتا آیا ہے ازل سے ابد تک کی تمام چیزیں اس کے علم میں ہیں۔ (۲)

﴿س﴾

اب سے کل ابد میں اللہ خود جو کرے گا وہ اللہ تعالیٰ اب جانتا ہے؟

﴿ج﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور جو کچھ وہ ابد تک کرے گا اس سب کو اب بھی جانتا ہے، اور پہلے بھی جانتا تھا اور آئندہ بھی جانتا رہے گا۔ (۳)

﴿س﴾

کیا اللہ ازل سے ابد تک کا سب کچھ جانتا ہے؟

﴿ج﴾

ہاں ازل سے ابد تک کا سب کچھ جانتا ہے۔ (۴) (مکتوبات ۱۹۰۲-۱۹۱)

(۱) عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: يقول عز وجل الكبرياء رادني والعظمة اذاري فمن نازعني واحد منهما ادخلته النار وفي رواية قذفته في النار مشكوة المصابيح كتاب الآداب، باب الغضب والكبر، الفصل الاول ۴۳۳ قدیمی

(۲) وقال تعالى: قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله (النمل ۶۵)

(۳) وقال تعالى: وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو ويعلم ما في البر والبحر (انعام ۵۹)

(۴) قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله النمل ۶۵

## حدیث رد اللہ علی روحی کا مفہوم

﴿س﴾

جب کوئی مسلمان حضور اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ رد اللہ علی روحی یعنی اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتے ہیں۔ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے روضہ اقدس میں ہر وقت زندہ نہیں ہیں؟ حالانکہ یہ رائے جمہور کی رائے کے خلاف ہے؟

﴿ج﴾

(الف) ابوداؤد کی روایت میں رد اللہ علی روحی فرمایا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ما من مسلم یسلم علی الارذ اللہ علی روحی حتی اسلم علیہ (او کما قال) (۱) اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا علی استعلاء کے لیے ہے اور الی نہایت طرف کے لیے ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوة و سلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہو گئی تھی، اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ مدارج قرب و معرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں، اس لیے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کر دیتا ہے، چنانچہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہد ہوتی ہیں، مگر جب رسول اللہ ﷺ کو رحمة للعالمین بنایا گیا ہے (۲) اس لیے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لیے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی گئی کہ خود سرور کائنات ﷺ کو اس استغراق سے منقطع کر کے درود والے کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے، اور آپ اس کے لیے متوجہ ہو کر دعا فرماتے ہیں۔ (۳)

(۱) ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ما من احد یسلم علی الارذ اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام (ابوداؤد شریف ۳۷۹/۱)

(۲) وعن ابی امامة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ بعثنی ہدی ورحمة للعالمین وأمرنی لمحق المآزف والمز امیر والآثار والصليب وأمر الجاهلیة مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۵۵، مسند امام احمد بن حنبل ۲۵۷/۵ بیروت

(۳) وعن ابن الحمیری رضی اللہ عنہ قال: قال لی عمار یا ابن الحمیری ألا احدثک عن جیبی ﷺ قلت بلی قال: قال رسول اللہ ﷺ یا عمار "ان للہ ملکاً أعطاءُ أسماء الخلائق کلها وهو قائم علی قبری دامت الی یوم القيامة فلیس احد من امتی یصلی علی صلاة إلا أسماء باسمه واسم أبیہ قال یا محمد علیک فلان فیصلی الرب علی ذالک الرجل بکل واحدة عشر۔ رواه الطبرانی الترغیب والترہیب

(ب) اگر بالفرض وہی معنی لیے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور ”علی“ اور ”الی“ میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو اس لیے دوام حیات لازم آئے گا۔

(ج) سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (قطب العصر) کے مجموعہ ملفوظات مسمی بہ ”ابریز“ میں درج ہے کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ سینہ مبارک میں سے نہایت باریک دھاگے نورانی پیشتر نکلے ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کے قلب کے ساتھ ایک ایک دھاگے کا تعلق ہے، اور اسی تعلق کی بنا پر وہ اسلام اور ایمان پر ثابت ہے، اگر وہ منقطع ہو جائے تو ایمان باقی نہیں رہ سکتا، اس کشف پر متعدد اہل عصر نے انکار کیا تو سیدی عبدالعزیز نے کہا کہ اچھا مجھ کو اجازت دو کہ میں تم لوگوں کے دھاگے کو توڑ دوں اور تمہارے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں حائل ہو جاؤں، انہوں نے کہا کہ آپ یہ ضرور کریں، چنانچہ سیدی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا تو وہ لوگ اسلام پر قائم نہ رہ سکے، کوئی یہودی کوئی نصرانی کوئی دھریہ ہو گیا (۱) معاذ اللہ بقاء علی فلک حدیث مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شعبہ جو کہ اس درود بھیجنے سے تعلق رکھتا تھا، اس کی طرف روح پر فوج کی توجہ شدید ہو جاتی ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مزید اور خصوصی توجہ فرما کر دعا فرماتے ہیں۔

(د) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ آب حیاہ ص ۲۳۱ میں اس پر طویل بحث کی ہے جو کہ دقت مضمون اور طول کی وجہ سے اس وقت نقل نہیں کی جاسکتی البتہ اس کے خلاصہ کو نقل کرتا ہوں۔ اس صورت میں معنی حدیث شریف کے یہ ہونگے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فوج کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے، ہوش عطا فرما دیتا ہے یعنی مبدأ انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہو جاتا ہے، اور اپنی ذات اور صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات و صفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے چونکہ سلام امتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لیے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں، اس صورت میں اثبات حیاہ

(۱) مصر کے مادر زاد ولی سیدی عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں نے کشف میں دیکھا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد مجمع کثیر انسانوں کا ہے۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ انور سے کچھ دھاگے نکلے آتے ہیں۔ جو ان سے بعض لوگوں کے سینے کے ساتھ چمپے آتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا یہ وہ خوش نصیب ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سنتے اور سنانے ہیں۔  
روضۃ الصالحین اردو شرح ریاض الصالحین ۱۷۷/۱۷۸ مکتبہ زمزم کراچی

اور دفع مظنہ مہمات بمعنی انقطاع تعلق حیات کے لیے جواب میں اور تکلفات کی حاجت نہ رہے گی، قطع نظر تصدیق وجدانی کے جو واقفان حقیقت مبدأ انکشاف کو حاصل ہے، لفظ رد جو خود حدیث میں موجود ہے اس پر شاہد ہے، ہاں ایک شبہ باقی ہے وہ یہ کہ ایک جہاں آپ کا شیدائی ہے، کوئی دم ایسا نہ گزرتا ہوگا جو کوئی آپ پر سلام نہ عرض کرتا ہو اس صورت میں استغراق برائے نام ہی رہا، بلکہ یوں کہو کہ در پردہ اس کا انکار کرنا پڑا۔ یہ شبہ ایسا ہے کہ اور مجیبوں کے جواب پر تو اس کا زوال مشکل ہے ہاں بطور احقر اس کا جواب سہل ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ روح پر فتوح نبوی ﷺ جب منبع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مؤمنین امت ٹھہری تو جون ساستی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ آخری شعب متناہیہ اور ہیں۔

(الخ ص: ۲۳۳)

(۳) ملائکہ سیاحین کی روایت فقط ابن حبان ہی میں نہیں صحاح میں بھی متعدد طرق سے موجود ہے (۱)  
القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع (ﷺ) مصنفہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ میں روایت قوی نقل کی گئی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ میں جب بھی مولجہ شریفہ میں مزار اقدس پر حاضر ہو اور روح پر فتوح ﷺ کو عظیم الشان تموج میں پایا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ زائرین صلوٰۃ و سلام پڑھنے والوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ فرماتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسی طرح پر ان لوگوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ ہوتی ہے، جو کہ آپ کی مدح کرتے ہیں اور ان سے خوش ہوتے ہیں میں نے دیکھا کہ روح پر فتوح کی موج نے تمام متصل مکان اور فضا کو بھر رکھا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مزار مقدس کے پاس صلوٰۃ و سلام عرض کیا جاتا ہے تو روحانی سماع ہوتا ہے اور باعث جواب و دعا بنتا ہے اور اگر امکانہ بعیدہ سے صلوٰۃ و سلام عرض کیا جاتا ہے تو ملائکہ سیاحین جو کہ اس خدمت کے لیے متعین ہیں پہنچاتے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں اور جواب سے درود پڑھنے والے کو شرف حاصل ہوتا ہے۔ (مکتوبات جلد ۱ ص: ۲۲۶-۲۳۱)

(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعہ ومن صلی علی نانیاً ابلغتہ (رواہ البیہقی فی شعب الایمانہ الباب الخامس عشر فی تعظیم النبی ﷺ، بیروت حدیث نمبر

## کفر و شرک اور ظلم و عصیان

﴿س﴾

کفر و شرک اور ظلم و عصیان سب ایک ہی درجہ کی چیزیں ہیں یا ان میں فرق ہے۔

﴿ج﴾

(تمہید) کفر اور شرک اور ظلم اور عصیان سب ایک درجہ کے نہیں ہیں ان میں درجہ بہت مختلف ہیں۔

(الف) سب سے بڑا مرتبہ کفر میں کفر جحد یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کاملہ و متواترہ کا انکار کرنا۔ رسالت کا انکار کرنا وغیرہ اور دل اور زبان سے ان کو نہ ماننا، اسی طرح شرک میں سب سے بڑا درجہ شرک صریح کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اسی کی ذات، صفات، افعال، عبادت میں شریک کرنا اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہوگا کہ کسی ایسے فعل یا قول کا ارتکاب کیا جائے جو کہ موہم شرک و کفر ہو مگر دل میں یقین کامل اور ایمان صریح موجود ہے۔ (۱)

(ب) فقہاء کرام بسا اوقات کسی عمل یا قول پر تکفیر کا حکم دیتے ہیں مگر خود ان کی تصریح ہے کہ اگر کسی امر میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض اس کو موجب قرار دیتے ہیں اور بعض نہیں قرار دیتے تو تکفیر کا فتویٰ نہ دینا چاہیے۔ اہل عقائد اور متکلمین نے اس باب میں زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محققین ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے قول یا فعل میں (۱۰۰) سو احتمالات ہوں۔ ننانوے احتمالات کفر کے ہیں اور ایک احتمال ایمان کا ہے تو تکفیر نہ کرنا چاہیے یعنی اگر کسی نے کوئی ایسا کلام کہا اور ایسا کام کیا جس سے کفر بھی سمجھا جاتا ہے اور اس کے وجوہ بہت سے ہوتے ہیں مگر ایک وجہ ایسی بھی ہو جس سے کفر نہ سمجھا جاتا ہو تو اگرچہ کفر کی وجہیں بہت زیادہ حتیٰ کہ ننانوے فی صدی کی ہوں مگر اس کے کلام اور فعل کو اس وجہ پر حمل کرنا چاہیے جو کہ ایمان کی ہے اور تکفیر نہ کرنا چاہیے حتیٰ کہ بعض محققین نے یہاں تک فرمایا کہ ننانوے لفظ حد بندی کے لیے نہیں ہے اگر کسی کے کلام یا فعل میں ایک ہزار وجہیں ہوں اور نو سو ننانوے معانی اور احتمالات اس میں کفر کے ہیں اور صرف ایک درجہ ایمان کا ہے تب بھی اس کی تکفیر نہ کرنی چاہیے۔ اس باب میں بہت زیادہ احتیاط کو کام میں لانا چاہیے۔ دیکھئے اسلام لوگوں کو کفر سے نکالنے کے لیے آیا ہے، لوگوں کو کافر بنانے کے لیے نہیں آیا، لوگوں نے اس میں بہت زیادہ

(۱) الکفر لغة: الستر وشرعاً: تکذيب تظلم في شئ مما جاء به من الدين ضرورة الدال المختار مع رد المختار: ۲۳۳، باب المرتد كتاب الجهاد (مکتبہ اچ ایم سعید کراچی)

بے احتیاطی سے کام لے رکھا ہے، نیز اگر کسی سے ایسی چیز سرزد ہوئی اور اس نے اس سے انکار کیا یا ایسی تاویل کی جو کہ اسلامی عقائد پر دال ہے تو فوراً قبول کرنی چاہیے اس میں رد و قدح نہ کرنی چاہیے اور اس انکار اور تاویل کو اس کے ارتداد سے توبہ شمار کرنی چاہیے۔ (۱)

(ج) کسی کلام یا فعل کا کلام کفر ہونا دوسری چیز ہے اور شخص کا کافر ہونا دوسری چیز ہے، بسا اوقات انسان سے ناواقفی یا مجبوری یا اور کسی وجہ سے کلمہ کفر کا، یا فعل کفر کا سرزد ہو جاتا ہے، مگر اس کے دل میں حقیقت ایمان موجود ہوتی ہے (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی (جو ان کے بڑے بھائی اور حقیقی پیغمبر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش سے نبی بنائے گئے تھے) داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچا اس سے بڑھ کر نبی کی اہانت کیا ہو سکتی ہے مگر انہوں نے اس کو معمولی گناہ بھی نہیں قرار دیا، ہر دو کی عصمت اور نبوت میں کوئی فرق نہیں آیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح تورات کو زمین پر دے پڑکا۔ (جو کہ خود لے کر طور سے آئے تھے اور چالیس دن کے روزے اور اعتکاف کے بعد دی گئی تھی) وَالْقَى الْاَلْوَامِ وَأَخَذَ بِرِاسِ أَخِيهِ يَجْرَهُ اِلَيْهِ (۳) یا ابن امر لا تاخذ بلحيتي ولا براسي (الایة) (۴)۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے (جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل کا سردار اور اپنا خلیفہ بنا کر یہ وصیت کر گئے تھے کہ ان کی اصلاح کرنا اور اہل فساد کی تابعداری نہ کرنا) فَقَالَ مُوسَى لَا خِيَةَ هَارُونَ اِخْلَفْنِي فِي قَوْمِي وَاصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ (۵) مگر ان کے سامنے قوم نے شرک اور کھڑا پرستی کی حضرت ہارون نے صرف معمولی طور پر ان کو منع کیا قوم انما فتنتم به وان ربكم الرحمن ، الآية (۶) اور لڑنے اور مارنے مرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تاکہ شرک کا مادہ اکھڑ جاتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، کم از کم گوسالہ کو توڑ ڈالتے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر سرزنش فرمائی اور فرمایا: يَا هَارُونَ مَا مَنَعَكَ

(۱) لا يفتي بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن ..... وفي الدرر وغيره: اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر و واحد يمنه فعل المفتي الميل لما يمنعه الدر المختار ۶/۳۵۳: مطلب الاسلام يكون بالفعل باب المرتد (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ جدید)

(۲) واما عمار فاعطاهم ما اردو بلسانه مكرها، فشكا ذلك الى رسول الله ﷺ فقال له رسول الله ﷺ: كيف تجد قلبك: قال مطمئن بالايمان فقال رسول الله ﷺ " فان عادوا فعد" اخرجہ الحاكم ۳۵۷/۲ قديمی تفسير قرطبي ۱۰/۱۶۰ سورة النحل پارہ ۱۲ (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) سورة الاعراف آیت نمبر: ۱۳۹ پارہ نمبر ۸

(۴) سورة ط آیت نمبر: ۹۳ پارہ نمبر ۱۶

(۵) سورة الاعراف آیت نمبر: ۱۴۱ پارہ نمبر ۸

(۶) سورة ط آیت نمبر: ۸۹ پارہ نمبر ۱۶

اذ رأيتهم ضلُّوا أن لا تتبعن الآيه (۱) تو جواب میں فرمایا کہ مجھ کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ تم مجھ پر الزام قائم کرو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرا نظارہ نہ کیا۔ انی خشیت ان تقول فرقت الآیہ۔ (۲)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ افعال اور اقوال نہایت شدید درجہ کے ہیں مگر چونکہ ان کا صدور محض اللہ تعالیٰ کی انتہائی محبت اور معرفت اور غیرت کے جذبہ میں ہوا تھا اس لیے جانب ایمان ہی معتبر رہی اور کوئی خوف اور محاسبہ نہیں ہوا۔ اکراہ سے کلمہ کفر کہنے کے لیے خود قرآن میں ارشاد ہے: ﴿الْأَمْنُ أُمَّرًا وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (۳)

مولانا فرماتے ہیں:

آنچه گیرد علتی علت شود  
کفر گیرد کاملے ملت شود

حضرت حدیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما کو کافروں نے مجبور کیا اور انہوں نے کلمات کفریہ کہہ دیئے باوجودیکہ ان کا قلب ایمان سے بھرا ہوا تھا اس لیے ان کے کمال میں فرق نہیں ہوا، جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

”رُفِعَ عَنِّ أُمَّتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتَكْرَهُوا عَلَيْهِ (كشف الخفا ۱/۵۲۲)“ خلاصہ یہ کہ باوجود کمال اور پختگی ایمان کے نادانستگی یا خطایا جبر و اکراہ وغیرہ کی بنا پر مسلمان سے کفر کے کلمات اور افعال سرزد ہو سکتے ہیں اس لیے احتیاط بہت ضروری ہے۔ (مکتوبات ۴/۹۳-۸۱) (۴)

تکفیر میں احتیاط لازم ہے

﴿س﴾

مولانا حسین علی صاحب علیہ الرحمہ نے قرب و جوار کے جاہل پیروں اور ان کے متبعین کو غلو فی الدرجات کی وجہ سے مشرک حقیقی کہا ہے اس بارے میں کیا ارشاد ہے۔

﴿ج﴾

ہم ان جہلاء کے (جن کو کافر کہا گیا ہے) کلام میں تاویل کرتے ہیں اور حسن ظن کو ضروری سمجھتے ہیں اور تکفیر کو حتی الوسع غیر ضروری قرار دیتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فقہاء متاخرین اور قدماء اہل کلام کا اختلاف ہے

(۱) سورۃ ط آیت نمبر: ۹۲، ۹۳ پارہ نمبر ۱۶

(۲) سورۃ ط آیت نمبر: ۹۳ پارہ نمبر ۱۶

(۳) سورۃ نحل آیت نمبر: ۱۰۵ پارہ نمبر ۱۳

(۴) أخرجه الترمذی من حدیث انس رضی اللہ عنہ : وقال : هذا حدیث حسن غریب

فقہاء متاخرین بہت سی جزئیات پر تکفیر کا فتویٰ صادر فرمادیتے ہیں اور اہل کلام کا مقالہ ہے لاکھ احداً من اهل القبلة ببدعة (۱) اور ان کا اصول ہے کہ اگر کسی کے کلام میں سوا احتمالات ہیں ۹۹ احتمالات کفر کے نکلنے ہوں اور ایک احتمال ایسا ہے جس سے اس کا ایمان معلوم ہوتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کرنی چاہیے اور احتمال ایمان کو ترجیح دینی چاہیے حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز اپنے مکتوب انوار القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ حقد من اہل کلام کا ننانوے احتمالات کو ذکر کرنا تحدید انہیں ہے بلکہ تقریباً ہے اگر ہزار احتمالات میں سے ۹۹۹ احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس کی بھی تکفیر نہ کرنی چاہیے اس لیے وہ احتمال بلیغ عمل میں لاتے تھے میں نے خود حضرت گنگوہی قدس سرہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب سے میں نے مکتوب انوار القلوب لکھا ہے اس وقت سے روافض کی تکفیر پر جرأت نہیں ہوتی اس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ان کے ایمان پر بھی تو جرأت نہیں ہوتی تو فرمایا کہ نہ ہو مگر تکفیر نہ ہونی چاہیے۔

(مخطوطات مبارکہ ص ۱۰۹) (۱)

## شُرک اور اس کے معنی

﴿س﴾

شُرک کی حقیقت اور اس کی اقسام کیا ہیں۔

﴿ج﴾

لفظ شرک عربی زبان کا کلمہ ہے اردو میں اس کا ترجمہ حصہ دار اور ساجھی ہونے کا ہے لفظ شرک اسی سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ کسی چیز کو ساجھی اور حصہ دار بنانا ہے لفظ شریک حصہ داری اور ساجھا کرنے والے پر بولا جاتا ہے یہ اس کی لغوی حیثیت ہے عرف شرع میں اشراک کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا مساوی اور ہم مرتبہ یا حصہ دار اس کی ذات میں یا صفات خاصہ میں یا افعال خاصہ میں بنایا اور منایا جائے (۲) اس لیے اشراک کی شرع میں چار قسمیں ہوتیں:

(۱) لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن وفي الدرر وغیرہ اذا کان فی المسئلة وجوه . توجب الکفر وواحد یمنعه فعل المفتی المیل لما یمنعه الدر المختار ۳۵۳/۶ مطلب الاسلام یکون بالفعل باب المرتد (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) الشریک ۳ شرکاء و اشراک ۴ شریکۃ ۵ شراک : المشارک یقال ( واللہ لا شریک لہ ) ای لا یشارك فی ملکہ ولا فی ذاته ولا فی صفاته (المنجد ص ۳۸۳) (بیروت)

①..... اول اشراک فی الذات یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرح واجب الوجود (از خود موجود) ازلی (ہمیشہ سے) ابدی (ہمیشہ تک) خود بخود ہونے والا سمجھا جائے۔

②..... اشراک فی الصفات یعنی کسی کے لیے وہ صفات مانی جائیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور مخصوصہ ہیں اور ان کو وہی درجہ دیا جائے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ہے مثلاً اس میں علم محیط یا ذاتی مانا جائے یا شفا رکھا جائے کہ کوئی دوسرا ہر چیز کو اپنے علم میں احاطہ کئے ہوئے ہے کوئی چھوٹی بڑی چیز کہیں بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے یا یہ عقیدہ رکھا جائے کہ کسی دوسرے کا بھی علم اصلی اور ذاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اصلی اور ذاتی ہے کسی کا دیا ہوا نہیں اسی طرح کسی کو عالم الغیب والشہادہ ماننا وغیرہ وغیرہ۔ اس ہی طرح اس کی صفت ارادہ و صفت سمع اور کلام تکوین صفات ذاتیہ کو کسی کے لیے عام یا ذاتی ماننا ہے۔

③..... اشراک فی الافعال یعنی کسی لیے وہ افعال ماننے جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں جیسے احیاء (زندہ کرنا) امات (جان سے مارنا) ترزیق (رزق دینا) خلق و ایجاد پیدا کرنا موجود کرنا شفا، بیماری کو دور کرنا تصرف فی العوام تمام کائنات میں تصرف کرنا وغیرہ وغیرہ اسی طرح سے کہ کوئی چیز ان افعال سے باہر نہ ہو۔

④..... اشراک فی العبادت یعنی وہ امور جو عبادت قرار دیئے گئے ہیں اور ان میں معبود کی انتہائی تعظیم اور عابد کی انتہائی ذلت ہوتی ہے ایسے امور کو کسی غیر خدا کے سامنے بجالانا جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنا رکوع کرنا اس کی نذر ماننا اس کو پکارنا اس عقیدہ سے کہ وہ غیر اس کی پکار کو سنتا اور دستگیری کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (۱)

(مخطوطات مبارکہ ص ۱۷۰)

① وانما قلنا : انه حي قيوم ، لانه واجب الوجود لذاته كل ما سواه فانه ممكن لذاته محدث حصل تكوينه وتخليقه وايجاده على ما بين كل ذلك في تفسير قوله تعالى : الله لا اله الا هو الحي القيوم واذا كان الكل محدثا امتنع كون شي منها ولداً والهاً كما قال (( ان كل من في السموات والارض الا ات الرحمن عبداً التفسير الكبير ال عمران ۲۱ ۱۵۶۷ دار الكتب العلميه ))

واذا ثبت هذا فاعلم ان علماء نأ في الله تعالى عنهم قالوا : الشرك على ثلاث مراتب وكله محرم واحله اعتقاد شريك طلب في الوهية وهو الشرك الأعظم ، وهو شرك الجاهلية : وهو المراد بقوله تعالى : ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء ، النساء ۴۸ - ويكفيه في الرتبة اعتقاد شريك لله تعالى في الفعل وهو قول من قال ان موجود اما غير الله تعالى يستقل يا حداث فعل وايجاده وان لم يستقد كونه الها كالتدريه مجوس هذا الامة : وقد تبرأ منهم ابن عمر في الحديث جبريل ويلي هذا الرتبة الاشراك في العبادة وهو الريه وهو ان يفعل شياء من العبادات التي أمر الله تعالى بفعلها له لغيره وهذا هو الذي سميت الايات والاحاديث لبيان تحريمه وهو مبطل الاعمال وهو خفي لا فاشرك في الربوبية فان العرب سبحانه هو المالك المدبر المصطفى المانع الضاء النافع الخاضع الرفع المعز الذل ، فمن شهد ان المصطفى او المانع او انصار او النافع او المذل غيره فقد اشرك بربوبية (مجموعة الفتاوى لابن تيمية رحمة الله عليه ۷۲۱ بيروت جديد)

## توحید و رسالت دونوں پر ایمان ضروری ہے



بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام لانے کے لیے صرف وحدانیت پر ایمان کافی ہے رسالت پر یقین ضروری نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے۔



ان الذی یکفرون باللہ ورسله ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسله ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلاً اولئک ہم الکفرون حقاً واعتدنا للکافرین عذاباً مہیناً والذین امنوا باللہ ورسله ولم یفرقوا بین احد منهم اولئک سوف یوتیہم اجرهم وكان اللہ غفوراً ورحیماً (۱)

ترجمہ: جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دے گا ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

①..... آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا کہ نہ فقط اللہ تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا ایمان بغیر رسول کے ایمان کے معتبر ہے اور نہ فقط رسول پر ایمان بغیر اللہ کے، اور اس کی توحید کے ایمان معتبر ہے اور نہ بعض رسولوں پر ایمان اور بعض پر عدم ایمان معتبر ہے اس لیے یہ قول کہ صرف لا الہ الا اللہ کا قائل یا عامل قابل نجات ہے اس کو اقرار برساتے کی ضرورت نہیں باطل ہے۔ (۲)

(۱) سورة النساء پارہ ۶، الایة ۱۳۹

(۲) المراد "بالضروریات" علی ما اشتهر فی الکتب: ما علم کونہ من دین محمد ﷺ بالضرورة، بأن تواتر عنہ استفاض، وعلمتہ العامة کالوحدانیت والنبوۃ وختمہا بخاتم الانبیاء وانقطاعہا بعدہ، وهذا مما شهد اللہ بہ فی کتابہ وشهدت بہ الکتب السابقۃ، وشہد بہ النبیون وشہد بہ الاموات ایضاً۔ کذلا بن خارجۃ الذی تکلم بعد الموت وکالبعث والجزاء، ووجوب الصلاة والزکوۃ، وحرمة الخمر ونحوها (اکفار الملحدين، لانور شاہ کشمیری) مجموعۃ رسائل کشمیری ۳۵۳ (ادارۃ القرآن کراچی)

①..... ہر نص میں بہت سی قیود بوجہ ظہور ملحوظ ہوتی ہے جن کو بسا اوقات ذکر نہیں کیا جاتا اور وہ بالا اتفاق ضروری ہوتی ہیں مثلاً اسی حدیث میں قلبی یقین اور تصدیق کا تذکرہ نہیں ہے فقط یہی کہا گیا ہے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة تو کیا اگر کسی نے یہ کلمہ استہزا اور مذاق کے طور پر یا کسی کے کلام کی نقل کے طور پر کہا تو وہ بھی اس کا مستحق ہوگا یا کسی نے مسلم جیش کے سامنے جانے بچانے کے لیے یہ کلمہ کہا اور قلب میں تصدیق نہیں ہے تو کیا وہ اس اجر کا مستحق ہوگا یا اس کلمہ کہنے کے بعد انکار کر دیا یا کلمہ شرک کا بول دیا یقیناً معلوم ہے کہ وہ توحید نجات کے لیے کافی نہیں ہے اور حسب تصریحات روایات و آیات قید تصدیق قلبی کی ضرور لگانی ہوگی اور عدم انکار کی بھی قید ضروری ہوگی اسی طرح اس روایت میں ایمان بالرسالت کی بھی قید لگانی ضروری ہوگی۔ (۱)

جیسا کہ آیت مذکورہ سے ظاہر ہے سورہ حجرات میں ہے ﴿انما المؤمنون الذين امنوا بالله ورسوله ثم لم يرتابوا وجاهدوا باموالهم وانفسهم في سبيل الله اولئك هم الصادقون﴾۔ (۲)

ایمان والے لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنے جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے..... لفظ الصابغہ جو کہ صیغہ حصر ہے یہاں استعمال کیا گیا ہے حدیث جبرئیل (علیہ السلام) میں اور حدیث وفد عبد القیس میں ایمان کی تفصیل اور تعریف اسی لیے بیان فرماتے ہوئے ایمان بالرسول والملائکة والکتب والقیامہ والقدر کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ (۳)

②..... توحید کا دعویٰ تو یہود و نصاریٰ مشرکین عرب اور ہنود ہند سب کرتے ہیں مگر اسی توحید کے ساتھ یہود (عزیز علیہ السلام) کو ابن اللہ (۴) اور یسوع (۵) اور ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء (۶) اور تجسیم وغیرہ کے قائل ہیں (۷)۔

(۱) والایمان هو الاقرار والتصديق وذهب جمهور المحققين الى ان الايمان هو التصديق بالقلب وانما الاقرار شرط لاجراء الاحكام في الدنيا لما ان تصديق القلب امر لا بدله من علامة "شرح الفقه الاكبر لملاعلی قاری ص ۸۶۸۵" (قدیمی)

○ وفي حدیث جبرئیل: قال فأخبرني عن الايمان قال: ان تومن بالله تعالى وملائكته وكتبه ورسوله واليوم الآخر وتومن بالقدر خيرة وشره الخ مشكوة المصابيح كتاب الايمان ۱۱۱ (قدیمی) صحیح مسلم كتاب الايمان ۲۷۱ (قدیمی)

(۲) سورة الحجرات آية نمبر ۱۵ / پارہ ۲۶ ر کو ۶ نمبر ۲

(۳) وفي الحديث: قال اخبرني عن الايمان: قال ان تومن بالله وملائكته وكتبه ورسوله واليوم الآخر وتومن بالقدر خيرة وشره الخ مشكوة المصابيح: كتاب الايمان ۱۱۱ قدیمی كتب خاله

(۴) سورة التوبة آیت نمبر: ۱۰۳۰ ر کو ۶: ۱۰

(۵) سورة المائدة آیت: ۶۷۳ ر کو ۶: ۱۳

(۶) سورة آل عمران آیت: ۱۸۱ / ۳ ر کو ۶: ۹

(۷) يأهل الكتاب لا تغلوا في دينكم ولا تتولوا على الله الا الحق انما المسيح عيسى ابن مريم رسول الله كلحمة العنقا الى مريم وروح منه فامنوا بالله ولا تتولوا ثلثة انتهوا خيرا لكم انما الله له واحد سبحانه ان يكون له ولد له ما في السموات وما في الارض وكفى بالله وكيلاً۔ سورة النساء آیت نمبر ۱۷۳ ر کو ۶: ۳

نصاری اسی توحید کے ساتھ تثلیث اور ابن اور روح القدس اور زوجہ وغیرہ کے قائل ہیں بت پرستان ہندو نرائکار صرف خدا کے قائل ہوتے ہوئے تاروں اور عبادت غیر اللہ کے قائل ہیں، تجسیم اور حلول وغیرہ ان کے عقائد ہیں کیا ایسی توحید قابل اعتبار ہوگی اس لیے قائل من قال لا الہ الا اللہ ہی سے جو تفسیر توحید منقول ہے وہ ہی موجب نجات ہوگی اور جب اس کی تعلیم کا اعتبار کیا گیا تو تصدیق رسالت لازم آگئی ورنہ وہ توحید حقیقی نہیں لفظی ہے۔ جو کہ قابل اعتبار نہیں، واللہ اعلم۔

(۴)..... اسی روایت من قال لا الہ الا اللہ الحدیث کے جملہ طرق اگر جمع کئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ روایت مختصر واقع ہوئی ہے۔ اس میں کچھ اور بھی زیادتی ہے جو کہ راوی نے بوجہ ظہور یا اختصار یا نسیان یا عدم ضرورت بعض اوقات میں چھوڑ دی ہے اور بعض اوقات میں ذکر کر دیا ہے مثلاً مخلصاً من قلبہ (۱) بخاری شریف وغیرہ میں اسی روایت میں موجود ہے دوسری روایتوں میں وانسی رسول اللہ بھی موجود ہے اسی لیے ائمہ فن فرماتے ہیں کہ جب تک کسی روایت کو اس کے تمام طرق سے نہ دیکھا جائے جب تک معنی متعین کرنے میں غلطی ہوتی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ستر اور اسی تک کی قید لگاتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ روایت مذکورہ کے جملہ طرق کو جمع کئے ہوئے بغیر کسی معنی کو متعین کرنی ناواقفی اور بے اصولی ہے کسی فن میں اس کے اصول اور قوانین کو ترک کر کے داخل ہونا اہل فن کے نزدیک انتہائی غلطی ہوتی ہے جس کو تمام اہل فن ضروری مانتے ہیں مگر افسوس کہ طبابت، ڈاکٹری، انجینئری، نقشہ نویسی، تاریخ سائنس وغیرہ میں تو قاعدہ یہ ضروری قرار دیا ہے مگر فن حدیث و فقہ میں ہر ناواقف بغیر اصول و قوانین رائے زنی ضروری سمجھتا ہے اور اپنی رائے کے خلاف کی تحقیق کرتا ہے۔ (مکتوبات ۲۱۱/۱-۲۱۳)

## ایمان فرعون



شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ فرعون آخری وقت میں ایمان لے آیا تھا کیا یہ رائے صحیح ہے۔

(۱) وعن انس رضی اللہ عنہ : قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : الاسلام علانیة والایمان فی القلب قال ثم یشیر بیدہ الی صدرہ ثلاث مرات قال ثم یقول التقوی ہاھنا اخرجہ الاحمد بن حنبل فی مسندہ ۱۳۲/۳ (بیروت)



ایمان فرعون کے بارے میں جو کچھ شیخ اکبر نے لکھا ہے وہ جمہور کی رائے کے خلاف ہے (۱)، استدلال کی سخافت سے شبہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ قول ان کا نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ ملاحظہ نے ان کی کتاب میں اپنی طرف سے زیادہ کر دیا ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقالہ پر رد کے لیے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے، جس کو عرصہ ہوتا ہے، میں نے مدینہ منورہ زید شرفا میں دیکھا تھا، یہ نہیں معلوم کہ وہ چھپ گیا ہے یا نہیں استدلال میں اولاً امرأة فرعون (۲) کا قول پیش کیا گیا ہے مگر یہ استدلال نہایت کمزور ہے۔ جس وقت یہ قول ان سے صادر ہوا اس وقت تک وہ خود بھی ایمان نہیں لائی تھیں پھر ان کا عالم الغیب ہونا یا امور مستقبلہ پر مطلع ہونا کسی وقت میں بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان کا کشف والہام کسی زمانہ میں شرعی حجت ہو سکتا ہے، پھر کس طرح یہ قول قابل استدلال ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر محض ان کے قول کو نقل فرمایا ہے، اس کی تصحیح اور تصدیق نہیں فرمائی، یہ عادت خداوندی اقوال صحیحہ اور باطلہ دونوں میں جاری ہے، نیز قرۃ العین ہونا محبوبیت سے کنایہ ہے جو کہ الْقَمِیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةٌ مَنِی (۳) (اور الذی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے) کا نتیجہ تھا۔ اس لیے ہر مومن اور غیر مومن کے اس زمانہ طفولیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب اور قرۃ عین تھے اس سے ایمان فرعون پر استدلال نہایت ہی کمزور ہے بالخصوص جب کہ اس کے خلاف قواعد کلیہ اور آیات جزئیہ دونوں کھلے بندوں دلالت کر رہی ہوں، علیٰ ہذا القیاس اس کو آیت قرار دینا بھی اسلام پر دال نہیں ہر وہ شے جس سے جناب باری عز اسمہ کے صفات و افعال و ذات پر کسی وجہ سے استدلال ہو سکتا ہو وہ آیت ہو سکتی ہے اس میں ذی روح ہونے کی شرط بھی نہیں ہے چہ جائے کہ اسلام مشروط ہو۔

### قواعد کلیہ شرعیہ جو کہ قطعی طور پر اس کے بطلان کے شاہد ہیں

فلما رأوا بأسنا قالوا آمناً بالله وحده و كفرنا بما كنا به مشركين فلم يك ينفعهم ایمانهم

(۱) وقوله تعالى (ألن وقد عصيت قبل وكنت من المفسدين) استفهام انكار ونص على عدم قبوله تعالى منه ذلك، لانه، واللہ اعلم! وقد ارسله غير واحد من السلف كإبراهيم التيمي: وقتادة، وميمون بن مهران ويقال ان الضحك بن قيس خطب به الناس. وفي بعض الروايات ان جبريل قال ما بغضت احداً بغضى لفرعون حين قال: اناركم الاعلى، ولقد جعلت ادس في فيه الطين حين قال ما قال البداية والنهاية: مبدأ الخلقه وقصص الانبياء۔ ذكر هلاك فرعون وجنوده ابن كثير۔ ۵۲۸ (رشديه كونه)

(۲) ايضاً البداية والنهاية لابن كثير ۳۹۸ وتفسير ابن كثير ۳۲۷ بیروت

(۳) سورة ط آیت نمبر ۳۹ پارہ نمبر ۱۶: رکوع نمبر ۱۱

لما رأوا بأسنا سنة الله التي قد خلت في عبادة وخسر هنالك الكافرون۔ (پ ۲۳/۱۳۷) (۱)

ترجمہ: پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو بولے ہم یقین لائے اللہ اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو شریک بتلاتے تھے پھر نہ ہوا کہ کام آئے ان کو یقین لانا ان کا جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر۔

اس آیت سے قاعدہ کلیہ اور سنت الہی کا پتہ چلتا ہے کہ عذاب الہی کے دیکھنے کے بعد ایمان معتبر نہیں۔ (۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا أَحْسَوْا بِأَسْنَا إِذْ هَمُّ مِنْهَا يَرْكُضُونَ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أَنْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْتَلُونَهُ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَا هُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ۔ (۳)

ترجمہ: پھر جب آہٹ پائی انہوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے بھاگنے، مت بھاگو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا، اور اپنے گھروں میں شاید تم کو کوئی پوچھے کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے گنہگار، پھر برابر یہی رہی ان کی فریاد یہاں تک کہ ڈھیر کر دیئے گئے کاٹ کر بچھے پڑے ہوئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ أَمِنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَعْنَا هُمُ الْيَوْمَ حِينَ۔ (۴)

ترجمہ: سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لائی پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم، جب وہ ایمان لائی اٹھا لیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو ایک وقت تک۔

الغرض عذاب کے دیکھنے کے بعد ایمان لانا نفع نہیں دیتا، اس قاعدہ کلیہ سے صرف قوم یونس عَلَيْهِمُ السَّلَامُ کو مستثنیٰ

(۱) سورة المؤمن آیت نمبر ۲۳/۸۵ رکوع ۱۵

(۲) جس وقت روح نکل رہی ہو اور نزع کا عالم ہو وہ وقت دنیا کی زندگی میں شمار نہیں اس وقت کا کوئی عمل بھی شرعاً معتبر نہیں اس سے پہلے پہلے ہر عمل معتبر ہے تفسیر معارف القرآن۔ لمولانا محمد شفیع رحمہ اللہ سورة یونس (ادارۃ المعارف کراچی)

(۳) سورة الانبیاء آیت نمبر ۱۱/۱۷ رکوع ۲

(۴) سورة یونس آیت نمبر ۹۷: ۱۱ رکوع ۱۳

قراردیا گیا ہے (۱)، جس کی وجہ یہ تھی کہ حقیقتاً ان پر عذاب نہیں آیا تھا، بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کی جلد بازی کی بنا پر صورت عذاب نمودار کی گئی تھی، ادھر حضرت یونس علیہ السلام پر اس جلد بازی پر عتابات متعددہ وارد کئے گئے، اسی قاعدہ کلیہ کو سورہ نساء میں مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ شرح فرمایا گیا ہے۔

وليست التوبة للذين يعملون السيئات حتى اذا حضر احدهم الموت قال اني تبت الان ولا الذين يموتون وهم كفار اولئك اعتدنا لهم عذاباً اليم (۲)

ترجمہ: اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں برے کام یہاں تک کہ جب سامنے آ جاوے ان میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں ان کے لیے توبہ ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک۔

جس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ موت حاضر ہو جانے کے وقت میں (جب کہ علامات موت ظاہر ہو جائیں اور انسان کو عالم الغیب کی اشیاء دکھائی دیے لگیں) توبہ مقبول نہیں ہے، نہ عذاب دنیوی دور ہوتا ہے اور نہ عذاب آخرت سے رستگاری ہوتی ہے، نیز ان آیات نے صاف طور پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ فرعون جس نے ادراک غرق اور عذاب الہی کے مشاہدہ کے بعد ایمان کے کلمات کہے وہ ایمان دار عند اللہ اور عند الشرع نہیں ہوا، اور اس کی توبہ مقبول نہیں ہوئی، ادراک غرق کا مرتبہ تو رویت عذاب الہی اور رویت باس خداوندی سے بعد کا ہے جبکہ رویت ہی سے ایمان کا نفع دینا ممنوع ہو جاتا ہے، تو ادراک عذاب سے بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا (۳)۔

(۱) قال علماء التفسیر: بعث الله تعالى يونس الى اهل (( نينوى )) من ارض الموصل فدعاهم الى عزوجل فكذبوه وتمردوا على كفرهم وعنادهم، فلما طال ذلك عليه من امرهم خرج من بين أظهرهم، ووعدهم حلول العذاب بهم بعد ثلاث- وقال ابن مسعود، ومجاهد، وسعيد بن جبیر، وقتادة، وغير واحد من السلف والخلف: فلما خرج من بين ظهرانيهم وتحققوا نزول العذاب بهم، قذف الله في بين كل بهيمة وولدها، ثم عجوا (بالدعا) الى الله عزوجل وضرخوا وتضرعوا اليه، وتمسكوا لديبه، وبكى الرجال والنساء والبنون والبنات والأمهات، وجاءت الانعام والدواب والمواشي، فرغت الابل وفصلانها وخارت البقروا ولادها وثقت الغنم وحملانها، وكانت ساعة عظيمة هائلة، فكشف الله العظيم بحوله وراحمته عنهم العذاب الذي كان قد اتصل بهم بسببه ودار على رؤوسهم كقطع الليل المظلم، ولهذا قال تعالى (فلولا كانت قرية امنة فنفعها ايمانها) يونس: ۹۸، البداية والنهاية لابن كثير ۱/ ۳۳۰: قصه يونس (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) سورة النساء آیت نمبر ۱۷: ۴: رکوع ۳

(۳) اس سے ثابت ہوا کہ عین موت کا ایمان لانا شرعاً معتبر نہیں اس کی مزید تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں۔ جب تک غرغذہ موت کا وقت نہ آ جائے (ترمذی شریف) تفسیر معارف القرآن ۵۶۴/۳

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور فرعونوں کے لیے بددعا میں ارشاد فرمایا: فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم (۱) خود اس کے لیے شاہد عدل ہے۔ اگر ایسے وقت میں ایمان نافع ہوتا تو اس بددعا کے کوئی معنی نہیں تھے، حالانکہ یہ دعا مقبول ہوئی اور فرمایا گیا قد اجیبت دعوتکما اور اس بددعا کا اثر بھی تھا کہ فرعون نے مرتے وقت تک ایمان قبول نہ کیا (۲)، بہر حال ان آیات سے جو حکم اور قاعدہ خداوندی مفہوم ہوتا ہے وہ نہایت قوی ہے، اور فصوص الحکم میں جو استدلال ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کوئی بھی وقعت اور قوت نہیں رکھتا غور فرمائیے۔

## فرعون کے متعلق آیات خصوصیہ بھی جمہور ہی کی تائید کرتی ہیں

- سورہ ہود، میں فرمایا جاتا ہے:

ولقد ارسلنا موسیٰ بأیتنا وسلطان مبین الی فرعون وملائه فاتبعوا امر فرعون وما فرعون برشید یقدم قومه یوم القیامہ فاوردھم النار وبنس الورد المورود واتبعوا فی ہذہ لعنة ویوم القیامہ بنس الرفض المرفود۔ (۳)

”اور البتہ ہم بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ کام کی آگے ہو گا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائے گا ان کو آگ پر اور برا گھاٹ۔ ہے جس پر پہنچے اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہاں میں لعنت اور دن قیامت کے بھی برا انعام ہے جو ان کو ملا

آیات مذکورہ بالا میں یقدم قومه الخ کے جملہ پر غور کریں، اگر اس کا ایمان عند اللہ معتبر ہوتا ہے تو دوزخ کے وارد کرنے میں وہ سب سے آگے آگے کیوں ہوتا اور دنیا و آخرت میں لعنت کیوں اس پر کی جاتی، بالخصوص صاحب فصوص بحمد اللہ کے اس قول کی بنا پر فقبضہ طاہراً ومطہراً لیس فیہ شئی من الحیف لانه قبضہ عند ایمانہ قبل ان یکتسب شیئاً من الاثام۔ والاسلام یجب ما قبلہ (۴) (فرعون دنیا سے طاہر اور

(۱) سورہ یونس آیت نمبر ۸۷: ۱۱: رکوع ۶: ۱۳

(۲) قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کو سحر کہہ کر نظر انداز کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ: مہماتاتینا بہ من آیة لتسحرنا بها فما نحن لك بمومنین۔ سورہ یونس آیت ۱۳۲: پارہ نمبر ۱۱: رکوع نمبر ۵ (معارف القرآن ۴/۳۳۴)

(۳) سورہ ہود آیت نمبر ۹۵ تا ۹۷: رکوع نمبر ۹: پارہ ۱۲

(۴) یقدم قومه الخ یعنی انہ یتقدم الی النار اذھو رئیسہم یقال: قدّمہم یقدمہم وقدوما اذا تقدمہم الخ۔

تفسیر قرطبی ۸۰/۹ سورہ ہود بیروت

مطہرہ اس کے اندر کوئی گناہ نہیں رہا کیوں کہ اس کی موت قبل اس کے کہ کچھ گناہ کرے ایمان کے ساتھ ہو گئی اور اسلام ما قبل گناہوں کو محو اور قطع کر دیتا ہے) تو اس آیت کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے اور بالکل ہی مناقضہ لازم آتا ہے۔

نوٹ: یہ تاویل کرنا کہ ضمیریں صرف ملاء کی طرف راجع ہیں، فرعون اس میں داخل نہیں ہے خلاف عربیت اور خلاف لسان عربی ہے، بالخصوص جبکہ یہ قدم اور قومہ کی ضمیر خصوصیت کے ساتھ فرعون ہی کی طرف راجع ہوتی ہے، اس لیے آئندہ کی ضمیریں مجموعہ کی طرف ہی عائد ہو گئی، نیز یہ تاویل کہ وہ اپنی قوم کو داخل فی النار کرادے گا مگر خود داخل نہیں ہوگا بالکل غلط ہے اگر اس کا امر بالمعصیت معصیت نہیں رہا تھا اور اسلام نے حسب ارشاد مجیب ما قبلہ گذشتہ کو محو کر دیا تھا تو پھر یہ جزا یا مقدمہ قوم اللعینوں دی گئی، اور وہ اغوا کار کیوں بنایا گیا، اور جب کہ وہ ظاہر اور مطہر لیس فیہ شنی من الحیف ہے تو قیامت میں یہ معاملہ کیوں ہے؟ ایسے لوگوں کے لیے تو ارشاد کیا گیا ہے لا یسمعون حسیسہا نیز دوزخ کی گرمی اور تعظیم، زفر و کھمبہ وغیرہ مسیرۃ سبعین سہ تک پہنچتی ہے کیا اس ایراد قوم میں وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا؟

سورہ قصص میں ہے۔

(واستکبر هو و جنودہ فی الارض بغير الحق وظنوا انہم الینا لا یرجعون فاخذناہ و جنودہ فنبذناہم فی الیم فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین وجعلناہم ائمة یدعون الی النار و یوم القیامۃ لا ینصرون واتبعناہم فی ہذہ الدنیا لعنۃ و یوم القیامۃ ہم من المقبوحین۔) (۱)

ترجمہ: ”اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کرنے آئیں گے۔ پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو دریا میں۔ سو دیکھ لیا کیسا انجام ہوا گنہگاروں کا اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی اور پیچھے رکھ دی ہم نے ان پر اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن ان پر برائی ہے۔“

ان آیات میں غور فرمائیے، استکبار کی معصیت میں فرعون کی نسبت خاص طور پر ذکر کی گئی ہے اور پھر ماجد کی ضمیریں مجموعہ کی طرف عائد کی جارہی ہیں، نیز ائمة یدعون الی النار کا حقیقی مصداق خود فرعون ہوتا ہے، اس کے ملاء کے لوگ تو ثانیاً و بالعرض ہوں گے اور ان سب کو قیامت میں مقبوح فرماتے ہیں، کیا ایمان اور اس کے آثار کے ہوتے ہوئے یہ جزائیں مترتب ہو سکتی ہیں؟

(فوقاه الله سينات مامكروا وحقاق بال فرعون سوء العذاب النار يعرضون عليها غدواً وعشياً

ويوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب) (۱)

ترجمہ: ”پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤں سے جو وہ کرتے تھے اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ان کو صبح اور شام اور جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔“

اس میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی یہ تاویل کہ آل فرعون میں خود فرعون داخل نہیں ہے، قرآن کے محاورہ کے خلاف ہے فرمایا جاتا ہے، اعملوا ال داؤد شکر الایہ میں بالاتفاق حضرت داؤد علیہ السلام مخاطب ہیں اسی طرح ولقد اخذنا آل فرعون بالسنین الایہ میں فرعون بھی بالاتفاق اس مواخذہ میں داخل ہے۔ (۲)

حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ ہیں اور بہت بڑے محقق ہیں اس لیے یہ قول یا تو دینی حقیقت ان کا ہے ہی نہیں، بلکہ ان کی تصانیف میں ملاحظہ نے چھپا کر داخل کر دیا ہے جیسا کہ امام العارفین شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے اور اگر ان کا قول ہی ہو تو یقیناً اس میں ان سے خطا ہوئی ہے وہ بڑے ہیں مگر معصوم نہیں ہیں اس لیے جمہور کا قول صحیح ہے۔

حدیث قوی میں وارد ہے کہ اس کے اس قول کے وقت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریا میں سے گارا نکال کر اسکے منہ میں بھر دیا کہ کہیں رحمت خداوندی اس کی نگراں کار نہ بن جائے۔ (مخالفان تذکرہ الرحمة) (۳)

یہ فعل ان کا یقیناً بغض فی اللہ ہی کی بنا پر ہو سکتا ہے جو کہ اعلیٰ درجات ایمان میں سے ہے مگر جو ہستی کہ لا یعضون اللہ ما امرهم ویفعلون ما یومرون کے مصداق کی امام اور عند ذی العرش کلین مطاع اور امین ہو بغیر مرضی خداوندی کب ایسا فعل کر سکتی ہے؟ لہذا یہ جملہ تاویلات غیر مرضی اور غیر قابل التفات ہیں قدرت خداوندی میں کلام نہیں واقعات سے بحث ہے واللہ اعلم رحمت الہی کی وسعت جو نصوص سے معلوم ہوتی ہے وہ اسی پر منحصر نہیں ہے۔ (مکتوبات ۲۱۳-۲۱۹)

(۱) سورة مومن: ۱۰، ۲۳: ۶، ۲۳

(۲) سورة اعراف: پارہ نمبر ۹

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: (فلما قال فرعون ء امنتم انہ لا الہ الا الذی ء امنتم بہ بنو اسرائیل) قال: قال لی جبریل: لورأیتنی وقد اخذت من حال البحر فدمتہ فی فیہ مخافة ان تنالہ الرحمة) رواہ ترمذی رقم (۳۱۰۷) فی تفسیر، باب سورة یونس وهو حدیث صحیح بطرقہ (الہدایہ النہایہ ۵۵۲ (رشیدیہ)

کیا گائے کا گوشت جناب رسول اللہ ﷺ نے تناول فرمایا ہے

﴿س﴾

گائے کے گوشت کو کیا آنحضرت ﷺ نے تناول فرمایا ہے۔

﴿ج﴾

سفر حج میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح فرمانا اور پھر گوشت کو ان میں تقسیم کرنا صحاح میں موجود ہے (۱) جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے باری والی زوجہ کے یہاں جب کھانا کھایا ہوگا تو یہ گوشت بھی کھایا ہوگا اس کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کے یہاں کھانا اور بھی قرین قیاس ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی روایت (۲) جس میں صراحتاً لحم بقر کا تناول فرمانا ذکر کیا گیا ہو یا نہیں آتی کتابیں موجود نہیں ہیں کہ زیادہ تفحص کر کے جواب دوں۔ (مکتوبات ۱۹۶۱)

حدیث اولیائی تحت قبائی کا مطلب

﴿س﴾

اولیائی تحت قبائی لایعر فہم غیرى کے معنی و مطلب کیا ہیں۔

﴿ج﴾

حدیث اولیائی تحت قبائی لایعر فہم غیرى کے متعلق وجہ اشتباہ درج نہیں کی گئی بظاہر وجہ اشتباہ یہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کو ہم لوگ بھی جانتے ہیں اس لیے لایعر فہم غیرى کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

①..... اس لیے عرض ہے کہ یہ قضیہ سور کلیہ سے خالی ہے۔ اس لیے مہملہ ہوگا جو کہ قوت جزئیہ میں ہوتا ہے

(۱) مسلم شریف ۳۲۳۱

(۲) مسلم شریف میں یہ روایت ہے۔ واتی النبی ﷺ بلحم بقر فقیل هذا ما تصدق به علی بريرة الخ (مسلم شریف ۳۳۵۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دسترخوان پر گائے کا گوشت پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ آپ نے اسے تناول فرمایا ہوگا۔ نیز ایک غزوہ سے واپسی میں آپ نے گائے ذبح فرمائی اور سب شرکاء سفر نے اسے نوش کیا، مسلم شریف میں ہے امر ببقرة فذبحت فاكلوا منها (مسلم شریف ۲۹۶۲) ایضاً سنن ابی داؤد ۲۵۱۱ باب ہدی البقر

یہ اشکال جب ہوتا کہ کہا جاتا جمع اولیائی تحت قبائی الخ اس جزئیہ کے صدق میں کوئی کلام نہیں ہے کیوں کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہے۔

②..... دوسرا جواب یہ ہے کہ مدار ولایت ظاہری اعمال پر نہیں ہے فرمایا جاتا ہے الا ان اولیاء اللہ لا

خوف علیہم ولا ہم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون۔ لهم البشری فی الحیاة الدنیا و فی الآخرة لا تبدیل لکلمات اللہ ذالک هو الفوز العظیم (یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نڈر رہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کے لیے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بدلتی نہیں اللہ کی باتیں یہی ہے بڑی کامیابی)۔ (۱)

تفسیر اولیاء میں ایمان اور تقویٰ کو ذکر فرمایا ہے اور دونوں قلبی امور میں سے ہیں ایمان کا قلبی ہونا ظاہر ہے فرماتے ہیں قالت الاعراب امنوا ولم یکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم الایہ (کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں ایمان گھساتمہارے دلوں میں)۔ (۲)

اور تقویٰ کے لیے ارشاد ہے: الا ان التقوی ہھنا و اشار الی قلبھا او کما قال علیہ

السلام۔ (۳)

”آنحضرت ﷺ نے فرمایا یا در کھو تقویٰ یہاں ہے اور آپ نے اپنے سینہ مبارک کی جانب تین بار اشارہ فرمایا۔“ اعمال ثمرات اور نتائج امور قلبیہ اور ان سے صادر ہونے والے ہونے ہیں جن کی دلالت قطعی نہیں امور قلبیہ کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے عام لوگ تو صرف ظاہر کی بناء پر کسی کی ولایت کی شہادت دے سکتے ہیں جو محض ظنی دلیل ہے۔ بسا اوقات اس میں غلطی اور فاحش غلطی ہوتی ہے۔ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست الخ البتہ اولیاء کا ملین کو قلبی امور پر اطلاع ہو جاتی ہے مگر یہ بھی علم یقینی نہیں عقائد میں تصریح ہے کہ کشف والہام و رویاء صالحہ غیر انبیاء ﷺ کے ظنی اور غیر حجت شرعیہ ہیں اگرچہ مشہور ہے کہ ولی را ولی می شناسد۔

③..... مدار ولایت حقیقت میں موجودہ اعمال اور احوال اور صفات ظاہرہ یا باطنہ پر نہیں ہے بلکہ حسن

خاتمہ پر ہے فرمایا جاتا ہے ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ (۴)

(۱) سورة یونس: ۶۳ تا ۶۱: رکوع نمبر ۱۱ پارہ نمبر ۱۱

(۲) سورة الحجرات: ۱۳: رکوع ۲ پارہ ۲۶

(۳) التقوی ہھنا و لبشیر الی صدرہ ثلاث مرار: مسلم شریف ۳۱۷/۲ (مکتبہ قدیمی)

(۴) سورة آل عمران: ۱۰۲: رکوع ۲

④..... حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالخوائیم۔ (۱) (او کہا قال علیہ السلام)

اور فرمایا جاتا ہے ان الرجل يعمل بعمل اهل الجنة حتى لا يكون بينه وبين الجنة الاذراء واحد فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل النار فيكتب من اهل النار (الحديث) (۲) (بیشک ایک شخص اہل بہشت کا کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور بہشت کے درمیان میں ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر جو لکھی جا چکی ہے اس پر غلبہ کرتی ہے پس وہ دوزخیوں کا کام کرتا ہے اور جہنمی لکھ دیا جاتا ہے)۔  
بنابریں خواہ کیسے ہی تقویٰ پر انسان ہو اور کیسے ہی اعمال صالحہ اور کشف و کرامات کا مظہر ہو کسی کے متعلق ولایت حقیقیہ کا فتویٰ نہ عامی دے سکتا ہے نہ کوئی ولی دے سکتا ہے جب تک کہ خاتمہ کا علم نہ ہو جائے اور یہ مخصوص بعلم اللہ ہے یا وحی سے پیغمبر کو علم کرا دیا جاتا ہے جیسا کہ مبشرین بالجنتہ کے متعلق واقع ہوا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من کان منکم مستنفا فليستن بمن مات فان الحي لا يؤمن عليه الفتنة۔ (۳) اس لیے کوئی شخص بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کو نہیں پہچان سکتا بلعم باعور اور برصیصا وغیرہ کے احوال معروف و مشہور ہیں کس قدر کرامات و کشف اور فیوض کے مالک تھے مگر آخر الامر کیا ہوا۔

⑤..... حدیث شریف لا یعرفہم غیری فرمایا گیا ہے۔ لا یعلمہم نہیں فرمایا گیا۔ اور معلوم ہے کہ معرفت ہر علم کو نہیں کہتے ہیں جو کہ مسبوق بالعلم ہو اور اس وجہ سے اس شخص کو کہا کرتے ہیں کہ پہچان لیا جس کو پہلے سے جانتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے سب لوگوں کے احوال کو جانتے ہیں اس لیے وہی پہچان سکتے ہیں کہ کون ولی ہوگا اور کون نہ ہوگا۔ ملائکہ مقربین اور اولیاء اللہ وغیرہ نہیں پہچان سکتے ان الذین سبقت لهم منا الحسنی اولئک عنہا مبعدون الایہ (۴) (جن کے لیے پہلے ہی سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور رہیں گے) اولئک یسارعون فی الخیرات وهم لها سابقون۔ (۵)

ترسم زگنہ نیست کہ او غفار است

از سابقہ روز ازل می ترسم

اگر چہ اطلاق لفظ عارف جناب باری عزاسمہ پر ایہام کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ انسانوں میں اس کا اطلاق ادراک بعد الذہول پر بھی ظاہر ہوتا ہے وہو محال علی اللہ عزوجل اور بھی

(۱) بخاری شریف ۹۷۸/۲

(۲) بخاری شریف ۹۷۶/۲، مسلم شریف ۳۳۲/۲، بتغییر یسیر

(۳) مظاہر حق قدیم ۹۳/۱

(۴) سورة الانبیاء: ۱۰۰/۱۷: رکوع ۷

(۵) سورة المؤمنون: ۱۸/۶۰: رکوع ۳

ادراکات جزئیہ پر ہوتا ہے جس سے ایہام ہوتا ہے کہ معاذ اللہ کلیات کا علم اس کو نہیں ورنہ فی ذاتہ یہ اطلاق جناب باری عزاسمہ پر ممنوع نہیں تھا جیسا کہ روایات میں لفظ مذکور بصیغہ فعل ماضی یا فعل مضارع وغیرہ موجود ہے۔

⑥..... حصر اس روایت میں اضافی ہو یعنی استغراق حقیقی نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو عام لوگ نہیں پہچان سکتے اگرچہ خاص خاص لوگ بتعلیم اللہ پہچان جاتے ہوں یا بالذات کوئی نہیں پہچانتا بلکہ بتعلیم اللہ تعالیٰ و بتعریفہ پہچان سکتے ہیں۔ واللہ اعلم (مکتوبات ۱۶۹/۱-۱۷۱)

## خلق اللہ آدم علی صورتہ کے معنی

﴿س﴾

خلق اللہ آدم علی صورتہ کے کیا معنی و مفہوم ہیں؟

﴿ج﴾

①..... یہ روایت بہت قوی ہے بخاری شریف کی روایت ہے مگر معلوم ہے کہ حسب قواعد عربیہ ضمیر کو اقرب مراجع کی طرف لوٹانا چاہیے اور وہ فقط آدم ہے (۱)۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت آدم عليه السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا ایسا نہیں ہوا جیسا کہ عام آدمیوں میں ہو رہا ہے سورہ حج میں یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة الآية (۲) (اے لوگوں اگر تم کو دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر قطرے سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی سے الی آخر) سورہ مومنون میں ہے ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ الآية (۳) (اور ہم نے بنایا آدمی کو چینی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی) سورہ مرسلات میں ہے الم نخلقکم من

(۱) معنی ان اللہ تعالیٰ خلق آدم علیہ السلام علی صورتہ: فذلک علی ماجاء فی الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: للعلماء فیہ وجہان: منهم من یری للحدیث سبباً: هو ان رجلاً ضرب غلامہ فرآہ النبی فنہاہ وقال: ان اللہ تعالیٰ خلق آدم علی صورتہ: وتأولو عود الضمیر علی المضروب الخ (کتاب الاملاء فی اشکلات الاحیاء احیاء علوم الدین للغزالی رحمہ اللہ (مکتبہ رشیدہ کوئٹہ ۵/۵۸)

(۲) سورة الحج: ۱۷۴: رکوع ۱

(۳) سورة المومنون: ۱۸/۱: رکوع ۱

ماء مهین الآیة (۱) (کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے) الحاصل تمام انسانوں کی خلقت تدریجی ہے مگر حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت دفعی ہے اسی بناء پر روایت موجودہ میں بعد کو فرمایا ہے طولہ ستون ذراعا الحدیث (۲) اب اس تقریر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

②..... صورتہ کی ضمیر حضرت آدم علیہ السلام ہی کی طرف راجع ہو اور مراد ان کی صورت روحانیہ ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جسمانی اور مادی حیثیت ایسی ہی دی گئی جیسی ان کو روحانی صورت عطا کی گئی تھی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسانی ارواح بھی واقع میں مرکب ہیں بسیط وہ نسیم یعنی روح حیوانی، نفس ناطقہ، روح ملکوتی سے مرکب ہے۔ اور اس میں مادہ شیطانی اور مادہ ملکی وغیرہ بھی رکھا گیا ہے اس میں عالم علوی کی تمام موجودات کا عنصر اسی طرح رکھا ہوا ہے جس طرح اس کے جسم میں عالم سفلی کے تمام مواد خاک، نار، ماء، ہوا، نفس جمادی، نفس نباتی، نفس حیوانی وغیرہ موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں وہ سب چیزیں اور قوتیں پیدا کی گئیں جو کہ اس کی روح میں کائن اور مستتر تھیں، اس کی روح میں قوت باصرہ تھی، اس کو آنکھ دی گئی اس میں قوت بطش تھی، اس کو ہاتھ دیئے گئے وعلی ہذا القیاس، اس کی روح میں قوت حاسہ تھی اس لیے اس کے جسم میں قوت حاسہ رکھی گئی، اس کی روح میں قوت واہمہ تھی اس کے دماغ میں یہ قوت رکھی گئی۔ اس کی روح میں قوت بہمیہ تھی اس کے جگر میں یہ قوت رکھی گئی علی ہذا القیاس، اس کو قلب دیا گیا تاکہ قوت سمعیہ کا مرکز ہو، اس کو دماغ دیا گیا تاکہ قوت عقلیہ کا تخت سلطنت بنے، وہ کذا۔ غرض یہ کہ مبداء فیاض سے انسان پر فیض کامل کیا گیا اور اس کی باطنی اور ظاہری دونوں طرح تکمیل فرمائی گئی ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی (کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے بنایا اپنے ہاتھوں سے) ارشاد فرمایا گیا ہے:

یہاں مخلوق ہے جس میں باطنی تکمیل ہے مگر ظاہری نہیں جیسے فرشتے وغیرہ یا ظاہری تکمیل ہے مگر باطنی نہیں، جیسے حیوانات اور پہاڑ نباتات وغیرہ، بخلاف انسان کے کہ وہ خلاصہ موجودات اور عالم اصغر بنایا گیا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۳) (ہم نے بنایا آدمی کو خوب سے خوب اندازے پر) اس لیے اس پر بوجھ تشکر کا سب سے زیادہ رکھا گیا اور اسی وجہ سے عدم شکر پر عذاب بھی زیادہ اور سب سے زیادہ رکھا گیا، قاعدہ ہے کہ جس پر زیادہ انعام ہوتا ہے اس سے باز پرس بھی زیادہ ہوتی ہے ثم رد دناہ اسفل سافلین الایہ (۴)

(۱) سورة المرسلات: ۲۹، ۳۰: رکوع ۱۶

(۲) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ: قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل من یدخل الجنة علی صورة آدم علیہ السلام وطولہ ستون ذراعاً (رواہ بخاری ۹۱۹۲) (قدیمی)

(۳) سورة التین: ۳۰، ۳۱

(۴) سورة التین: ۳۰، ۳۱

(پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے) اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہی مستحق خلافت ربانیہ قرار دیا گیا، شہنشاہ کی نیابت ہر شخص کو نہیں دی جاتی۔

③..... حضرت آدم علیہ السلام کی روح ارواح میں سب سے زیادہ جامع اور خوب صورت پیدا کی گئی جس پر ساربت خلافت اور مجلس ملائکہ میں اس کو پیش کرنا بتلاتا ہے، اسی طرح ان کو جسم بھی تمام اجسام سے خوب صورت اور مکمل دیا گیا لہذا خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۱)۔ شاعر کہتا ہے۔

ما انت مادحها یا من یشبہها

بالشمس والبدن لابل انت ہا جیہا

اے مادح تو محبوبہ کی تعریف کرتا اور اس کو سورج اور ماہ کامل سے تشبیہ دیتا ہے یہ تو تعریف نہیں ہوئی بلکہ

اس کی ہجو ہے۔

من این الشمس خال فوق وجنتها

ومضحک من نظام الدر فی فیہا

بھلا سورج کے گالوں پر سیاہ تل اور اس کے منہ میں موتیوں کی لڑی کہاں ہے۔

من این للبدن اجفان مکحلة

بالسحر و الفنج یجری فی حواشیہا

بھلا بدن کامل میں وہ سرگیں آنکھیں کہاں جو جادو اور ناز کے ساتھ گردش کرتی رہتی ہیں۔

فارسی شاعر کہتا ہے:

من ماہ ندیم کلمہ دارد

من سرو ندیم قباپوش

④..... اگر ضمیر صورتہ کی لفظ جلالہ کی طرف راجع کی جائے اگرچہ یہ طریقہ شائعہ عربیہ کے خلاف ہے

تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسے ال اتفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر الایہ (۲) اور

لتعزروہ وتوقروہ وتسجوه بکرة واصیلا (۳) ضمیر تسبحوہ ما بعد مذکور کی طرف راجع ہے تو البتہ

اشکال وارد ہوتا ہے۔ کیوں کہ جناب باری عز اسمہ صورت اور شکل سے منزہ ہے لیس کمثلہ شئی ذی

(۱) سورۃ التین: ۳۰/۵

(۲) سورۃ الانفال آیت: ۷۳: ۷۴: رکوع: ۶: پارہ نمبر ۱۰

(۳)

صورت کے لیے ”محاط بحد“ یا محدود ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بشکل شنئی محیط ہے وہ محاط نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورت اس جگہ بمعنی صفت ہے، جیسے مسائل عقلیہ غیر مادیہ کے لیے کہا جاتا ہے۔ صورت المسئلة کذا و کذا ای صفتها کذا و کذا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی تمام صفات کمالیہ میں سے حصہ دیا، ان کے ظلال و عکوس بتما مہا اس میں رکھ دیئے اور مخلوقات سب کو جامع نہیں ہیں جس طرح آئینہ مظہر نور شمس ہے اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام مظہر جملہ صفات کمالیہ جناب باری عز اسمہ بنائے گئے اور اسی لیے اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ ہو سکے۔ کسی کا نائب وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ نبیب کے صفات خاصہ کا کم و بیش حامل ہو آفتاب کا نائب چاند یا ستارے یا شمع چرخ ہو سکتے ہیں۔ شجر حجر نہیں ہو سکتے۔ (مکتوبات ۱۷۲/۱-۱۷۳/۱) (۱)

## الولاية افضل من النبوة کے معنی



الولاية افضل من النبوة کے کیا معنی ہیں نبوت سے ولایت کیونکر افضل ہو سکتی ہے۔



①.....الولاية افضل من النبوة کسی حدیث کا جملہ نہیں ہے بعض اکابر طریقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کسی قطعی اور منصوص مجمع علیہ امر کے خلاف کسی شخص کا بھی قول معتبر نہیں ہو سکتا۔

②.....ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس بزرگ نے یہ قول حالت سکر میں فرمایا ہے یا حالت صحو میں؟ ظاہر ہے کہ سکر کا قول قابل اعتماد نہیں ہو سکتا۔

③.....اس جملہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ اولی افضل من النبی جو کہ مجمع علیہ اور قطعی کے خلاف ہے بلکہ الولاية افضل من النبوة کہا گیا ہے۔

④.....ولاية النبی افضل من نبوتہ۔ اس سے مراد لیا جاتا ہے اور غالباً یہی معنی مراد ہیں کیونکہ ہر نبی

(۱) ولہذا قال لہ موسیٰ علیہ السلام حین اجتمع ہو وایاہ فی الملا الأعلى وتناظرا: انت آدم ابوبشر الذی خلقت اللہ بیدہ، ونفخ فیک من رُوحہ، وأسجدَ لک ملائکتہ، وعلمک اسماء کل شیء۔ وهکذا یقول اهل المحشر یوم القيامة وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما: ہی ہذہ الأسماء التي یتعرف بها الناس: انسان، ودابة، وأرض، وسهل، وبحر وجبل وجمل وحمار، وأشباہ ذلك من الامم وغيرہ۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱/۳۳۱ باب ما ورد فی خلق آدم علیہ السلام (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

کو مراتب ولایت طے کر لینے ضروری ہیں۔ اگرچہ وہ نہایت قلیل زمانہ بلکہ آن واحد میں ہو جائے۔ فکل نبی ولسی ولاعکس۔ چونکہ ولایت سیرالی اللہ فقط یا سیرنی اللہ کے ساتھ یا سیرنی اللہ فقط سے عبارت ہے اور نبوت سیرمن اللہ الی العباد کا نام ہے اس لیے ذاتی حیثیت سے ولایت اعلیٰ اور اکمل ہوئی کہ اس میں توجہ الی المحبوب الحقیقی اور حضور حاصل ہے بخلاف نبوت کے کہ وہاں پر توجہ الی غیر المحبوب الحقیقی والی العباد کرنی ہوتی ہے اور اس کا انہماک اور اس کے فرائض کا ادا کرنا غفلت یا کم از کم بے توجہی کا باعث ہوتا ہے۔ اذا فرغت فانصب (۱) اور واذا ذکر ربک اذا نسیت اور ان لک فی النہار سبحا طویلا (۲) وغیرہ ان کے شواہد ہیں۔ انہ لیغان علی قلبی الحدیث اس کا مستدل ہے ایک عاشق صادق قوی العشق کے لیے محبوب کی طرف سے منہ پھیرنا اور غیروں میں الجھنا کس قدر شاق ہے اہل عشق سے پوچھئے:

ہر آنکہ غافل ازوے یک زباں است  
ہما ندم کافر است اما نہبان است  
مبادا غائبی پیوستہ باشد  
در اسلام بروے بستہ باشد  
از سر بالین من بر خیز اے ناداں طیب  
در مندے عشق رادارو بجز دیدار نیست

اہل جنت کو کوئی نعمت رویت باری عزاسمہ کے برابر نہ معلوم ہوگی اس لیے ذاتی حیثیت سے فضیلت ولایت ہی میں ہے۔ مگر چونکہ نبی مامور ہے کہ مخلوق کو کھینچ کر بارگاہ محبوب حقیقی تک لائے اور ان کو پروانہ شمع محبوب بنائے اس لیے وہ خلاف جذبہ طبیعت اطاعتاً للحبیب دن و رات جو رو جفا و شدائد مکارہ جھیلتا ہے اور معلوم ہے کہ جس قدر اس کو عشق تام ہوگا اسی قدر توجہ الی الغیر میں تکلیف اور گرانی ہوگی:

بھنورالو بھی پھول کا کلی کلی رس لیت  
کانا لاگے پریم کا ہرت پھرت جی دیت (۳)

لقد اخفت فی اللہ وما یخاف احد ولقد اوذیت فی اللہ ولم یوذ احد (۴) (جس قدر مجھ کو

(۱) سورۃ الانشراح آیت: ۷: پارہ ۳۰

(۲) سورۃ المزمل آیت: ۷: رکوع نمبر ۱: پارہ ۲۹

(۳) یہ ہندی کا شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تلی کو پھول سے رس چوسنے میں اگر کانٹے سے بھی سابقہ پڑے تو وہ خوشی خوشی پھولوں کی محبت میں اسے جھیل لیتی ہے۔

(۴) ترمذی شریف ۷۰۲

اللہ کے راستے میں تکلیف دی گئی کسی نبی کو نہیں دی گئی، اور جس قدر مجھ کو اللہ کے راستے میں ڈرایا گیا کسی اور نبی کو نہیں ڈرایا گیا) قول حضرت سرور کائنات ﷺ ہے۔ یا ایہا النبی بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ قول خداوندی ہے اس سے یہ شبہ بھی زائل ہو جاتا ہے کہ بعض بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بظاہر آنجناب ﷺ سے زیادہ تر تکلیف پہنچائی گئی حضرت زکریا اور حضرت نوح ﷺ کے واقعات ظاہر ہیں۔ بہر حال اگر یہ مراد ہے کہ اس پیغمبر کا مقام ولایت اس کے مقام نبوت سے افضل ہے اگرچہ بحیثیت امتثال حکم محبوب حقیقی مقام نبوت میں خارجی اور عارضی فضیلت اس قدر آجائے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ جائے۔ تب تو جواب ظاہر ہی ہے۔

⑤..... اور ممکن ہے کہ نفس مقام کی فضیلت بتلانی منظور ہو کہ مقام ولایت میں مقام نبوت سے ذاتی طور پر فضیلت ہے اگرچہ خارجی طور پر مقام نبوت کی فضیلت مقام ولایت کی فضیلت سے بڑھ جائے۔ قد یوجد فی النہر مالا یوجد فی البحر واللہ اعلم۔ (مکتوبات ۱۷۶/۱-۱۷۹)

## انا مدینۃ العلم کی تحقیق



انا مدینۃ العلم وعلی بابہا کی حدیث کے متعلق حضرت والا کی کیا تحقیق ہے۔



①..... انا مدینۃ العلم یا انا دار الحکمة وعلی بابہا نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔

②..... ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے (۱) جس میں حسن لغیرہ ہونے کا بھی احتمال ہے اور ممکن ہے کہ کسی نے اس کی تصحیح بھی کی ہو۔ کتابیں ہمارے پاس موجود نہیں ہیں کہ ان کا انکشاف کیا جاتا تاہم یہ حدیث ان روایات سے مقابل ہونے کی طاقت نہیں رکھتی جو بالاتفاق صحیح ہیں۔ پس بوقت تعارض ساقط سمجھی جائے گی۔

(۱) ترمذی میں اس روایت کی تحسین نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ اسے غریب قرار دیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔ ہذا حدیث غریب منکر روی بعضهم ہذا الحدیث عن شریک ولم یدکر وہ فیہ عن الضابحی ولا نعرف ہذا الحدیث عن احد من الثقات غیر شریک (ترمذی ۲۱۲۲ قوت المغتذی حاشیہ ترمذی اس حدیث کی سند اور دیگر طرق پر مفصل کلام کیا گیا ہے) وقال علامۃ القاری: حدیث: انا مدینۃ العلم الخ الی انہ قال: انہ کذب لا اصل له وکذا قال ابو حاتم ویحییٰ وسعید۔ موضات الکبریٰ ص ۱۷، حدیث ۲۵۱ (قدیمی کتب خانہ) وایضاً فی الفتاویٰ حقانیہ ۲۲۰۲

③..... اگر اس کے مفہوم میں تعارض نہ ہو تو البتہ قابل اعتماد قرار دی جاسکتی ہے مگر جب ہم لفظ مدینہ اور لفظ باب میں غور کرتے ہیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ مدینہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سے مکانات مجتمع ہوں۔ ایک مکان بلکہ دس پندرہ مکان والی آبادی کو مدینہ نہیں کہا جاتا۔ خود لفظ مدینہ کا لغوی مفہوم بھی اجتماع پر دلالت کرتا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس علمی مدینے میں بہت سے علمی گھر ہونگے۔ اور بہت زیادہ آبادی اس کے اندر ہوگی۔ ادھر دروازہ خواہ مکان کا ہو یا شہر کا ہمیشہ خارج ہوا کرتا ہے۔ شہر کا اندرونی حصہ یا مکان کا اندرونی حصہ شمار نہیں کیا جاتا اور کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ من وجہ خارج ہو اور من وجہ داخل ہو۔ اس بناء پر اور صحابہ کرام بالخصوص ان کے خواص (رضی اللہ عنہم) اس مدینۃ العلم کے اندر والے ہونگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بحیثیت باب اندر داخل نہیں ہوں گے، لہذا ان کی فضیلت دیگر صحابہ پر ثابت نہ ہوگی ہاں باہر سے آنے والوں یعنی غیر صحابہ پر ممکن ہے کہ فضیلت ثابت کی جائے کہ ان کو اس مدینے میں بغیر توسط حضرت علی کرم اللہ وجہہ داخل ہونا ممکن نہیں اس لیے اشکال کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

④..... کیا دنیا میں کوئی مدینہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جس کا ایک ہی دروازہ ہو آخرت میں جنت اور دوزخ کے لیے بھی متعدد ابواب کہے گئے ہیں۔ جہاں کا انتظام انتہائی قوت والا ہے اور دنیا میں تو حوائج شدیدہ اور کمزوری انتظامات ہمیشہ اسی کے متقاضی ہوتے رہے ہیں کہ ہر سو ربلد اور ہر شہر کے ابواب متعدد ہوا کریں۔ ورنہ اہل شہر سخت تنگیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسی لیے مدینۃ العلم کے لیے بھی متعدد دروازے ہونے چاہئیں اس روایت میں اس کی نفی کہاں ہے کہ اس کے لیے سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوئی دوسرا دروازہ نہیں ہے۔ لہذا شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

⑤..... ”انا مدینۃ العلم، العلم“ اصل الف ولام میں عہد خارجی ہے، جس کے معنی علی طریق الاصولین والبیانین فرد معین کا ارادہ کرنا ہے خواہ اس کا تعین عبارتہ ہو یا حضوراً یا عملاً یا حاساً لہذا کیوں نہیں ممکن ہے کہ کسی خاص علم کا ارادہ فرمایا گیا ہو، اور اس کے حاصل کرنے کے لیے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذریعہ ہوں، جملہ علوم روحانی یا مادی شراعی سے تعلق رکھتے ہوں یا طریق تصوف سے عبادات کے علوم ہوں یا معاملات وغیرہ وغیرہ سب کا ارادہ کرنا محلی باللام الخارجی سے کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ باتفاق الاصولیین والبیانین اصل عہد خارجی ہے، استغراق کا ارادہ صرف اس وقت میں کیا جاسکتا ہے کہ عہد خارجی ممتنع ہو جائے اور واقعہ بھی یہی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ کے علوم متنوعہ تمام صحابہ کرام سے پھیلے، صرف تصوف کا نشوونما حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ دنیا میں جس قدر بھی سلاسل طریقت ہیں سب کا مرجع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی ہے نقشبندیہ کا ایک سلسلہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، مگر اس میں انقطاع بہت زیادہ ہے اتصال والا طریقہ ان کا بھی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کادریوزہ گر ہے، بناء علیہ اس حدیث کو اسی پر محمول کرنا لازم ہے کہ علم باطن اور تصوف میں داخل ہونے کے لیے پسماندوں اور بعد میں آنے والوں کے لیے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ وسیلہ ہیں، صراط مستقیم میں حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (ص ۵۸)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک نوع تفضیل بر حضرات شیخین ہم ثابت است و آل تفضیل محبت تکثر است اتباع ایثار و وساطت مقامات ولایت بل سائر خدمات است مثل قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہ ہمہ از عہد کرامت عہد حضرت مرتضیٰ تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایثار است کہ در سلطنت سلاطین راء امراء ہم امت ایثار را دخلی است کہ بر سیا حین عالم ملکوت مخفی نیست الخ۔

اس قسم کی تفصیل حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں بھی بکثرت موجود ہے بہر حال مراد اس جگہ پر عموم نہیں ہو سکتا نہ تو قواعد اس کے حامی ہیں نہ واقعات۔ واللہ اعلم

(مکتوبات ۱۷۹۱-۱۸۲)

## علم حدیث کی تعریف

﴿س﴾

علم حدیث کی کیا تعریف ہے۔

﴿ج﴾

علم حدیث کی تعریف حسب ذیل ہے:

”علم يعرف به احوال مانسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولاً أو فعلاً أو تقریراً أو صفةً“ علم حدیث وہ علم ہے جس سے ان چیزوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے گئے ہوں بطور قول کے یا فعل کے یا تقریر کے یا صفت کے یہی تعریف راجح اور قوی ہے (۱)؛ بعض حضرات نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی داخل کیا ہے اور ان کے اقوال و افعال کو بھی حدیث میں شمار کیا ہے۔ (مکتوبات ۹۹۱)

(۱) ہو علم یشتمل علی اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم و افعاله، أو نقل کل ما أضيف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قول او فعل او تقریر او صفة خلقیة نقلاً دقیقاً و روایتها و ضبطها و تحریر الفاظها فی قول مؤرخی علم حدیث (مقدمہ، المستدرک علی الصحیحین، الحاکم النیسابوری ۱۵۱) (قدیمی)

## وحی کیا ہے

### ﴿س﴾

وحی کا اطلاق کس پر ہوتا ہے کیا احادیث طیبہ کو بھی وحی کہہ سکتے ہیں۔

### ﴿ج﴾

جبکہ قرآن شریف میں وارد ہے ”وما ینطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی“ (۱) ان علینا جمعہ وقرانہ ثم ان علینا بیانہ (۲) تو پھر اس میں داری وغیرہ کی روایت کی کیا حاجت ہے کہ حدیث کے وحی ہونے میں اس کو تلاش کیا جائے اور اس کی صحت و سقم سے بحث ہو جو کچھ بھی جناب رسول اللہ ﷺ از قسم تفسیر کلام اللہ اور از قسم دینیات ارشاد فرمائیں گے وہ سب وحی ہے۔ ہاں بعض وحی اس قسم کی ہیں کہ جس کے الفاظ بھی القاء فرمائے گئے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جس کے معنی القاء کئے گئے اور الفاظ میں اختیار دیا گیا ان معنی کو جناب رسول اللہ ﷺ اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، پھر وہ الفاظ دو قسم کے ہیں بعض وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عز اسمہ کی طرف ہے۔ اور اکثر وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عز وجل کی طرف نہیں ہے۔ اول الذکر قرآن کریم ہے۔ ثانی حدیث قدسی ہے ثالث عام احادیث قولیہ ہیں، سب واجب التسلیم ہیں۔ مگر فرق ثبوت کے درجات میں ہے، قرآن جناب رسول اللہ ﷺ سے تو اتر منقول ہے یعنی اس کے نقل کرنے والے ہر زمانے میں اس قدر نفوس کثیرہ رہے ہیں جن میں جھوٹ بولنے یا غلطی کرنے کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اس لیے اس کا منکر کافر ہے اور اس کو ماننا عقلاً و نقلاً ضروری ہے، اور احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ ہوں ان کے نقل کرنے والے اتنے کثیر نفوس نہیں ہیں اس لیے ان میں احتمال جھوٹ یا غلطی کا آتا ہے، اس لیے قطعی الثبوت نہ ہوں گی اور ان کا منکر کافر نہ ہوگا، یہ تو فرق ہمارے لیے ہے صحابہ کے لیے نہیں۔ ان کے لیے قرآن کریم اور ارشادات نبویہ سب قطعی الثبوت ہیں وہ اگر ایک حدیث کے بھی سننے کے بعد منکر ہوں تو کفر لازم ہو جائے گا۔ پھر اگر ایسے لوگ ناقل اور راوی ہیں جن کے احوال ایسے پاکیزہ اور عمدہ ہیں جن سے جھوٹ کا احتمال بالکل چھوٹ جاتا ہے تو غلبہ ظن سچائی اور واقعیت ثبوت کے پیدا ہو جانے کی بناء پر اس حدیث کو مقبول اور صحیح (۳) یا حسن (۴) کہا جاتا ہے

(۱) سورۃ النجم آیت نمبر: ۳، ۴ پارہ ۲۷

(۲) سورۃ القیامہ آیت: ۱۹: رکوع نمبر: ۱ پارہ ۲۹

(۳) هو الحدیث الذی یتصل اسنادہ بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط الی منتہا الخ

(۴) هو ما عرف مخرجه اشہر رجالہ (مقدمہ فی الحدیث النبوی وعلومہ) (مستدرک علی الصحیحین ۱/۱۷۱)

اور اگر ان کے اقوال ایسے نہیں ہیں تو حدیث ضعیف یا مردود قرار دی جاتی ہے، پھر اگر صحیح حدیث ہم معنی متواتر طریقے پر ہوں اگرچہ الفاظ میں تو اترا نہ پایا جاتا ہو اس حدیث کو متواتر معنی کہا جاتا ہے، عذاب قبر وغیرہ کی روایت ایسی ہی ہے، انہیں میں اعداد رکعات وغیرہ کی روایات ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہوگا اور کفر ہوگا اگرچہ الفاظ کا انکار ایسا درجہ نہ رکھے گا۔

جو ارشادات نبویہ حسب عادت بشری ہوں ان کا تعلق دینیات اور تفسیر کلام اور تبلیغ عن اللہ سے نہ ہو جیسے روزمرہ کے بشری کاروبار دنیاویہ وغیرہ میں کلمات ہوتے رہتے ہیں، ان کا تعلق وحی سے نہ ہوگا، وہ حسب طبیعت بشریہ مثل دیگر بشر آپ ﷺ سے صادر ہوں گے، انہیں کو کھجور کے متعلق والی حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ”انتم أعلم بأمور دنیاکم الخ“ ہر حدیث کی وحی کے لیے نزول جبریل علیہ السلام ضروری نہیں، وحی کے اقسام آٹھ یا نو ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہیں الہام اور کشف بھی وحی ہے۔

(مکتوبات ۱۰۱-۹۹)

## تدوین حدیث

### ﴿س﴾

کیا یہ بات صحیح ہے کہ احادیث مبارکہ کی تدوین تین صدی بعد ہوئی ہے۔

### ﴿ج﴾

یہ بات بالکل غلط ہے کہ علم حدیث کی تدوین تین صدی کے بعد ہوئی، علم حدیث کی تدوین تو آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی تھی (۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو آپ ﷺ نے احادیث کے لکھنے کی اجازت دے دی تھی وہ لکھا کرتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”مجھ سے زیادہ احادیث نبویہ کا حافظ کوئی دوسرا بجز عبداللہ بن عمرو بن العاص نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں گھٹانہ تھا۔“ (۲)

(۱) عصر الصحابة رضی اللہ عنہم - الحدیث بین التدوین والحفظ : شاهد الصحابة رسول اللہ ﷺ ورافقہ ولا زموه وسمعوا منه، وحفظوا ما سمعوه، حتی أنهم كانوا يحرسون على التناوب في السماء كي لا يغيب عن احدهم امر من امور الوحي - فاذا غاب احدهم لأمر طارى - او سفر، اخبره الآخر (مقدمة في الحدیث النبوی ﷺ وعلومه) مستدرک علی الصحیحین ۱/۱۷۱

جناب رسول اللہ ﷺ نے جب حجۃ الوداع میں منیٰ میں اپنا نہایت جامع اور فصیح خطبہ پڑھا، جس میں اجمالاً تمام شرایع اسلامیہ کو ذکر کیا گیا تھا، تو ابوشاہ نے اس کے لکھو اذینے کی استدعا کی آپ نے ارشاد فرمایا اس کو لکھ دو۔ (۱) زکوٰۃ حیوانات اور نقود وغیرہ کے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ نے تفصیلات اپنے عاملوں کو لکھوا کر دیں، جو کہ کتاب ابن حزم وغیرہ کے نام سے مشہور ہے، دیت کے اقسام اور ان میں اونٹوں کی عمریں وغیرہ درج ہیں جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا آپ کے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی چیز جناب رسول اللہ ﷺ سے موجود ہے؟ فرمایا کہ نہیں مگر جو کاغذ ہماری تلواہ کے میان میں موجود ہے، پوچھا گیا اس میں کیا ہے؟ کہا: دیت کے اونٹوں کی عمریں اور احکام اہل ذمہ وغیرہ۔ (بخاری ج: ۲ ص: ۱۰۲۰)

غرض یہ کہ تسوید احادیث زمانہ نبوی ﷺ میں شروع ہو گئی تھی جو کہ صحابہ کرام کی توجہ سے ترقی پذیر ہوتی رہی (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کو منضبط کر دینے کی بنا پر پورے اطمینان اور وثوق کے ساتھ اس پر توجہ ہو گئی) مگر یہ تحریریں محض یادداشت اور مسودہ کے طور پر تھیں کوئی ترتیب نہ تھی۔

اسلام کی نشر و اشاعت کی مصروفیت، اشتغال بالجمہاد کی شدید اہمیت کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے حافظہ پر اعتماد کر رکھا تھا۔ مگر اسی زمانہ صحابہ میں تابعین میں اہل قلم اور اہل حفظ ایسے ایسے نشوونما پاتے ہیں جنہوں نے ان متفرق مسودوں کو محفوظ فی الصدور احادیث کو ابواب پر ترتیب دینا اور بڑے بڑے دفاتر تیار کرنا شروع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری اور محمد ابن ابی بکر بن حزم اور ان کے ہم عصر بڑے بڑے ائمہ تابعین ہر ہر مرکز میں بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ خلافت سوہجری ہے، یعنی بعد وفات نبوی ﷺ، انہوں نے اپنے پر انہوں نے بہت سے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا تھا، بہت بڑے علامہ عظیم القدر، خلیفہ راشد ہیں، انہوں نے اپنے عہد خلافت میں نشر و اشاعت حدیث کا نہایت عظیم الشان اور غیر معمولی انتظام کیا۔ ان کے زمانہ خلافت میں علم حدیث کی بے بہا ترقی ہوئی اور اس وقت سے علم حدیث کی تدوین کتابوں کی صورت میں شروع ہو گئی۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کی جو کہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے محمد بن اسحاق اور واقدی وغیرہ کی کتاب المغازی ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق کی ضخیم ضخیم تصنیفات نہایت کثرت سے فقہ اور حدیث میں کی گئیں۔ امام محمد اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی تصانیف بھی اسی زمانہ کی ہیں جن میں فقہ کے ساتھ احادیث بکثرت مذکور ہیں، امام محمد رضی اللہ عنہ کی مؤطا اور کتاب الآثار اور سیر کبیر اور سیر صغیر مبسوط وغیرہ تلب ظاہر الروایت ملاحظہ فرمائیے، اوزاعی رضی اللہ عنہ کی

تصانیف نیز سفیان ثوری اعمش طبری وغیرہ رضی اللہ عنہم نے نہایت بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ ہاں ان کتابوں میں یہ بات ضرور تھی کہ احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور فتاویٰ بھی بکثرت ہوتے تھے۔ فقہی استیجابات اور استدلالات بھی ہوتے تھے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کی ”کتاب الام“ اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی امالی وغیرہ ایسے مضامین سے بھری ہوئی ہیں، ان حضرات نے سنہ ۱۰۰ھ کے بعد عموماً ابتدائی صدی میں یہ ذخائر جمع کر دیئے ہیں پھر اسی دوسری صدی کا آخری زمانہ آتا ہے جس میں ایسے بڑے بڑے اولوالعزم حضرات پیدا ہو جاتے ہیں جو کہ ان سابقہ مؤلفات کو چھانٹتے ہیں اور فقط صحیح اور مرفوع احادیث کو جمع کرتے ہیں۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ سنہ ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ان سے بہت پہلے پیدا ہوئے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ”الجامع الصحیح“ مشہور کتاب تصنیف کی امام احمد رضی اللہ عنہ ان کے استاذ ہیں انہوں نے اپنے مسند کو خاص طور پر ترتیب دیا اور اسی دوسری صدی کے آخری زمانہ میں امام طحاوی رضی اللہ عنہ، علی ابن المدینی رضی اللہ عنہ اور ابن معین رضی اللہ عنہ، یحییٰ ابن سعید القطان رضی اللہ عنہ، دارمی رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں جن کی تصانیف کثرت سے ہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ تدوین حدیث کا ابتدائی دور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی حسب الحکم شروع ہو جاتا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی ترتیب کے بعد اس میں ترقی ہو جاتی ہے، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عام طور پر تسوید اور ترتیب ابواب جاری ہو گئی اور روز افزوں ترقی کے ساتھ آخری صدی تک میں بڑی بڑی کتابیں مرتب اور مہذب ہو کر وجود میں آ گئیں، ہر حدیث کے معلم کے یہاں املاء کا طریقہ جاری تھا ان محدثین کی جو کہ پہلی ہی صدی اور زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور بالروایت اور تدریس حدیث ہیں تاریخ میں ملاحظہ فرمائیے صرف یہی طریقہ نہیں تھا کہ احادیث صحیح حدیث میں سنادی جائیں اور ان کی تفسیر کر دی جائے بلکہ عموماً قلم دوات اور کاغذ کے ذریعہ ہر طالب علم کے پاس استاذ کی مرویات کا ایک ضخیم خزانہ جمع ہو جاتا تھا جس کی یادگار معجمات ہیں محکم صغیر و کبیر و اوسط طبرانی اسی کی یادگار ہیں ہاں ان معجمات میں استاذ کی جملہ روایات رطب و یابس لکھی جاتی تھیں امام مالک رضی اللہ عنہ نے اولاً یہ قدم اٹھایا کہ ان روایات کی چھان بچھوڑ اور کانٹ چھانٹ کی اور اسی وجہ سے ان کی کتاب مؤطا وظیفہ محدثین میں بہت زیادہ مقبول ہوئی اور عام شہرہ ہو گیا کہ (اصح الکتب تحت لیدہ السماء بعد کتاب اللہ المؤطا) مگر امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر کہ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال اور فتاویٰ اور تابعین کے اقوال بکثرت درج ہیں اور اس وجہ سے کہ اس میں عموماً روایات حفاظ مدینہ منورہ کی ہی پائی جاتی ہیں دوسری تصنیف کی ضرورت سمجھی اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ ظہور پذیر ہوئیں۔ جو کہ تیسری صدی کی ابتدائی یادگار ہیں بہر حال یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ تدوین حدیث تیسری صدی کے بعد ہوئی۔ (مکتوبات ۱-۹۶-۹۹)

## تصور شیخ

﴿س﴾

سوال دریافت طلب یہ ہے کہ ابھی ابھی ایک فتویٰ سامنے آیا ہے جس میں یہ مسئلہ آتا ہے کہ تصور شیخ کو امر محدث اور شرک قرار دیا گیا ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔

﴿ج﴾

تصور: کسی صورت کو ذہن میں جمانے اور حاصل کرنے کو لغت میں کہتے ہیں خواہ وہ صورت جاندار کی ہو یا غیر جاندار کی، خواہ معمولی شخص کی ہو یا غیر معمولی شخص کی، کسی بزرگ اور ولی کی ہو یا مرشد اور ماں باپ کی، خواہ اس صورت سے کسی کونفح کی امید ہو یا نہ ہو۔ مگر عرف میں تصور شیخ کسی مقدس اور بزرگ کی صورت کو ذہن میں دھیان لانے اور جمانے کا نام ہے، بالخصوص اپنے مرشد کے شخص اور چہرے کو خیال میں جمانے اور حاصل کرنے کو تصور شیخ کہتے ہیں، ذہن میں اپنے مرشد کی تصویر اور تمثال کو جمانا اور حاصل کرنا بالاتفاق جائز ہے بلکہ مفید بھی ہے (۱)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا ہے، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی تمثال اور سراپا کو اپنے ماموں ”ہند بن ہمالہ رضی اللہ عنہ“ سے بار بار پوچھ کر کے اپنے ذہن میں جمایا ہے (۲) اور جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شکل و صورت و لباس وغیرہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ذکر فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کی صورت اور شکل کو مخاطبین کے دماغ میں میں تمثل اور جگہ دینا مقصود ہے۔

## تصور شیخ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں

(۱) حدثنا سفیان بن وکیع ثنا جمیع بن عمیر بن عبدالرحمن العجلی املاء علینا من کتابہ قال اخبرنی رجل من بنی تمیم من ولد ابی ہالۃ زوج خدیجۃ یکنی ابا عبد اللہ عن ابن

(۱) لان غایۃ التصوف حصول القرب والرضا من اللہ تعالیٰ فی الدنیا والاخرۃ، وحصول بشاشۃ الایمان ومخالطتها بالقلب فی الدنیا، وہی المعروفۃ عندهم بالنسبۃ مع اللہ وهذه النسبۃ لا تکاد تحصل الا بصحبۃ المشایخ الکمل الذین استنارت قلوبہم بنور هذه السنۃ العظمیٰ وہی التي لم تنقل من قلب الی قلب (اعلاء السنن، باب الذاکر والدعا ۲۵۴/۱۸) (ادارۃ القرآن کراچی)

(۲) عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہما قال سألت خالی ہند ابن ابی ہالۃ رضی اللہ عنہا وكان وصافاً عن حلیۃ رسول اللہ ﷺ وانا اشتہی ان یصف لی منہل شرح شمائل الترمذی لمولانا زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ایح ایمر سعید)

ابى هالة عن الحسن بن على قال سألت على هند ابى هالة وكان وصفاً عن حلية رسول الله ﷺ وأنا اشتهى  
أن يصف لى شيئاً أتعلق به فقال- (١)

(٢) عن جابر بن عبدالله رضى الله تعالى عنهما أن رسول الله ﷺ قال عرض على الأنبياء  
فاذا موسى عليه السلام ضرب من الرجال كأنه من رجال شنوءة ورأيت عيسى بن مريم عليه  
السلام فاذا اقرب من رأيت به شيئاً عروة بن مسعود ورأيت ابراهيم عليه السلام فاذا اقرب من  
رأيت به شيئاً صاحبكم يعنى نفسه الكريمة ورأيت جبرئيل عليه السلام فاذا اقرب من رأيت به  
شيئاً وحية (٢)

(٣) عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما عن النبي ﷺ قال رأيت ليلة اسرى بى موسى  
رجلاً ادم طوالاً جعداً كأنه من رجال شنوءة ورأيت عيسى رجلاً مريوعاً مريوعاً الخلق الى الحمرة  
والبياض سبط الرأس ورأيت مالكا خازن النار والدجال فى آيات اراهن الله اياه فلا تكن فى مرية  
من لقاءه (٣)

(٤) عن سمرة قال قال رسول الله ﷺ أتانى الليلة آتيان فأتيا على رجل طويل لا اكاد ارى  
رأسه طولاً وانه ابراهيم عليه السلام- (٤)

(٥) عن مجاهد انه سمع ابن عباس رضى الله عنهما وذكروا له الدجال بين عينيه مكتوب كافر  
أوك فر- قال لم اسمعه ولكنه قال اما ابراهيم فانظروا الى صاحبكم واما موسى فوجد آدم على  
جمل احمر مخطوم بخلبة كأنى انظر اليه انحد فى الوادى يكره (٥)

(٦) عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله ﷺ ليلة اسرى بى لقيت موسى قال  
فنعته فاذا رجل حسبته قال مضطرب رجل الرأس كأنه من رجال شنوءة قال ولقيت عيسى فنعته  
النبي ﷺ فقال ربعة احمر كأنما خرج من ديماس يعنى الحمام- (٦)

(٧) عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما قال قال النبي ﷺ رأيت عيسى و موسى

(١) خصائل نبوى لزود شرح شمائل الترمذى لهولانا زكريا رحمه الله ص: ١١ مكتبة الشيخ

(٢) المصدر السابق ص: ١٣

(٣) بخارى شريف، الجزء نمبر ١٣، باب ذكر الملائكة ٥٧٨١ (مكتبة رحمانيه)

(٤) بخارى شريف باب قول عزوجل: واتخذ الله ابراهيم خليلاً ٥٩٢١ (رحمانيه)

(٥) بخارى شريف- باب قول الله عزوجل: واتخذ الله ابراهيم خليلاً ٥٩١١ (رحمانيه)

(٦) بخارى شريف- باب قول الله عزوجل: ولا تكرر فى الكتاب من ٧١٠١ (رحمانيه)

وابراہیم فاما عیسیٰ فاحمر جعد عریض الصدر واما موسیٰ فآدم جسیم سبط كأنه من رجال الزط۔ (۱)

(۸) قال عبداللہ ذکر النبی ﷺ یوما بین ظہری الناس المسیح الدجال فقال ان اللہ لیس بأعور الا ان المسیح الدجال اعور العین الیمنی کان عینیہ عنبة طافیة وارانی اللیلة عند الکعبۃ فی المنام فاذا رجل آدم کا حسن ماتری من آدم الرجال تضرب لمتہ بین منکبہ رجل الشعر یقطر رأسہ ماء واضعاً یدیه علی منکبى رجلین وهو یطوف بالبیوت فقلت من هذا فقالوا هذا المسیح ابن مریم۔ (۲)

اس قسم کی روایتیں صحاح میں بکثرت ہیں جن سے نہ صرف تصور شیخ کی اباحت نکلتی ہے بلکہ اس میں بہتری اور اولویت بھی معلوم ہوتی ہے اور کسی نہ کسی قسم کے فیض اور نفع کا ترشح ہوتا ہے ورنہ شارع علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ نہ کیا جاتا بلکہ ممانعت ظاہر ہوتی انہی منافع کی وجہ سے زمانہ سابق میں اہل فراست اور مقدس حضرات نے تصور شیخ کو معمول بہ قرار دیا اور مقصد سمجھ کر اس سے عظیم الشان منافع کی اسکیم بنائی۔

حضرت قطب عالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اپنے خلیفہ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرماتے ہیں۔

”اگر فراغ باشد بعد نماز صبح ویا مغرب یا عشاء علیحدہ در حجرہ وغیرہ بہ نشیند ودل را از جمیع خیالات خالی کردہ متوجہ بایں جانب شوند و تصور کنند کہ گویا پیش شیخ خود نشسته ام و فیضان الہی از سینہ او سینہ می آید بایں حیثیت اگر دل بچسپد ذوق و شوق دست دہد فیہا والا ذکر نفی و اثبات بجز متوسط مشغول باشند یک دو ساعت کم و زیادہ شغل دارند۔ (مرقومات امدادیہ ص ۲۵۰ و ۲۵۱)

نیز ایک دوسرے والا نامہ میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

”اگر بعد نماز صبح ویا مغرب فرصت باشد لمحہ دولحہ مراقب باشند و چنان خیال کنند کہ گویا پیش مرشد خود نشسته ام و از قلب مرشد بہ قلب من چیزے می آید و انشاء اللہ تعالیٰ ایں جانب ہم خیال باں طرف خواهد کرد اگر فضل الہی شامل حال است فائدہ خواهد شد خاطر جمع دارند۔“ (ص ۲۵۵)

حضرت شاہ ولی اللہ ارشاد فرماتے ہیں: قالوا والرکن الأعظم ربط القلب بالشیخ علی وصف المحبة والتعظیم وملاحظۃ صورته قلت ان للہ مظاهر کثیرة فما من عابد غبیا کان اوز کیا

(۱) بخاری شریف۔ تحت باب قول اللہ عزوجل واذکر فی الکتاب مریم الخ ۶۱۲/۱ (رحمانیہ)

(۲) المصدر السابق ج ۶۱۲/۱ (رحمانیہ)

الا وقد ظهر بحذائه صار معبودا له في مرتبته ولهذا السر نزل الشرع باستقبال القبلة والاستواء على العرش وقال رسول الله ﷺ اذا صلى احدكم فلا يبصق قبل وجهه فان الله تعالى بينه وبين قبلته وسأل رسول الله ﷺ جارية سوداء من انا فاشارت باصبعها تعني الله ارسلك فقال هي مومنة فلا عليك أن لا تتوجه الا الى الله ولا تربط قلبك الا به ولو بالتوجه الى العرش وتصور النور الذي وضعه عليه وهو ازهر اللون كمثل لون القمر او بالتوجه الى القبلة كما أشار اليه النبي ﷺ فيكون كالمراقبة بهذا الحديث (۱)

ترجمہ: مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ رکن اعظم دل کا لگانا اور گانھنا ہے مرشد کے سامنے محبت اور تعظیم کی صفت پر اور اس کی صورت کاملہ ملاحظہ کرنا، میں کہتا ہوں حق تعالیٰ کے مظاہر کثیرہ ہیں سو کوئی عابد غبی ہو یا ذکی مگر اس کے مقابل ظاہر ہو کر اس کا معبود ہو گیا ہے بحسب مرتبہ اس کے اور اسی کے بھید کے سبب سے رو قبلہ ہونا اور استواء علی العرش کا شرع میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے مونہہ کے سامنے نہ تھو کے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے درمیان اور اس کے قبلہ کے درمیان میں اور آں حضرت ﷺ نے ایک کالی لونڈی سے پوچھا میں کون ہوں تو اس نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا مراد اس کی یہ ہے کہ خدا نے تجھ کو بھیجا ہے پس فرمایا آپ ﷺ نے کہ یہ ایمان دار ہے، تو اے سالک تجھ پر کچھ مضا لقمہ نہیں ہے اس میں کہ تو متوجہ نہ ہو مگر اللہ ہی کی طرف اور اپنا دل نہ لگائے مگر اسی سے اگر چہ ہو عرش کی طرف متوجہ ہو کر اور اسی کے نور کا تصور کر کے جس کو حق تعالیٰ نے عرش پر رکھا ہے اور وہ نہایت روشن رنگ ہے چاند کے رنگ کے مانند یا قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر، چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس حدیث کا گویا مراقبہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ مصنف نے حاشیہ پر فرمایا کہ حق تعالیٰ کی عالم مثال میں تجلی ہے، تو ہر شخص اپنی استعداد کے موافق اس کو ادراک کرتا ہے۔

مترجم کہتا ہے تجلی اور عالم مثال کی حقیقت کتب صوفیہ میں مفصل مذکور ہے یہ رسالہ مختصر اس کی تفصیل کے لائق نہیں۔

حضرت مولانا نعیم اللہ صاحب نقشبندی بہراپچی اپنی مشہور کتاب معمولات مظہر یہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔  
”اس کتاب میں حضرت مرزا جان جاناں مظہر صاحب شہید نقشبندی دہلوی قدس سرہ کے احوال اور تعلیمات مذکور ہیں۔“ (معمولات مظہر یہ ص ۵۷، ذکر طریق کیفیت رابطہ)

(۱) شیخ کے ساتھ ربط قلب کے عنوان کے تحت یہ عبارت مذکور ہے۔ پانچویں فصل ۶۸ شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (اتح ایم سعید کراچی)

حضرت محترمی مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ العزیز در رسالہ ”سررشتہ دوست“ می فرماید سوم طریقہ ذکر رابطہ بہ پیرے کہ مقام مشاہدہ رسیدہ باشد و تجلیات ذاتیہ متحقق گشتہ دیدار وئے بمقتضائے ”ہم الذین اذا روا ذکر اللہ“ فایدہ ذکر دہد و صحبت وے بموجب ہم جلساء اللہ نتیجہ صحبت مذکور دہد پس چوں دولت دیدار و صحبت چنیں عزیزے دست دہد و اثر آنرا بخود می نماید چنداں کہ تواند نگاہ دارد و اگر در اں معنی فتوری واقع شود باز بصحبت وے مراجعت نماید تا برکت وے ایں معنی پر تواند از و بچنیں مرۃ بعد اخری تا آں زماں کہ آں کیفیت ملکہ وئے گردد و اگر چنانچہ آں عزیز غائب باشد صورت وے در خیال گرفتہ کججمع قوائے ظاہری و باطنی متوجہ قلب صنوبری گردد و ہر خاطرے کہ در آید نفی کند تا کیفیت غیبت و بے خودی روئے نماید و بتکرار ایں معاملہ ملکہ گردد و ہیچ طریق از ایں اقرب نیست بسیار باشد کہ مرید را قابلیت آں باشد کہ پیر از روئے تصرف در اول صحبت وے را بمرتبہ مشاہدہ رساند چوں دریافت صحبت چنیں، عزیزے در ایں روزگار اعز من الکبریت الاحمر است می باید کہ بیکے از اں دو طریقے کہ پیش تر مذکور شد یعنی طریقہ مراقبہ و طریق نفی اثبات اشتغال دارد و از بیان ایں طریق ثلاثہ معلوم شد کہ توجہ بقلب صنوبری کہ در عرف ایں طائفہ آنرا وقوف قلبی خوانند در جمیع اوقات ضروری است و حضرت خواجہ احرار قدس اللہ سرہ العزیز از لوازم می شمرده انداھ۔ لیکن معمول خانقاہ شمسیہ چنیں بود کہ در صورت غیبت آں عزیز صورت مثالیہ اش را در محاذی خود تصور نموده منتظر آں کیفیت معہودہ کہ در حضور وے حاصل می باشد چوں آں کیفیت کہ در حضور وے است بعد او دست دید خود را در اں بدوزد ہر گاہ در اں فترت واقع شود بچنیاں بعمل آرد تا آں کیفیت ملکہ گردد و ملک او شود۔ واللہ اعلم (ص ۵۷-۵۸)

یہ طریقہ تصور شیخ اسلاف کرام سے جاری اور مشمر نتائج قویہ چلا آتا تھا مگر بعد کولوگوں نے افراط اور غلو سے کام لیا اور ایسی ایسی چیزیں ملانی اختیار کیں جو کہ ضرر دینے والی اور صراط مستقیم سے دور کرنے والی ہیں۔ چنانچہ حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز فتاویٰ رشیدیہ میں مختلف مقامات پر تحریر فرماتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد اول ص ۲)

س

تصور کرنا پیر کا یا استاذ یا مرشد وغیرہ کا جائز ہے یا نہیں۔

ج

کسی کا تصور کرنا بطور خیال کے کچھ حرج نہیں مگر رابطہ جو مشائخ میں مروج ہے کہ اس کو مشائخ نے کسی علاج کے واسطے تجویز کیا تھا اگر اسی حد پر ہے کہ جس حد پر بزرگوں نے کیا تھا تو چنداں دشوار نہیں گو ترک اس کا بھی اولیٰ

ہے کہ مختلف فیہ بین العلماء ہے اور ایسا ضروری بھی نہیں کہ بدون اس کے کام نہ چل سکے اور جو اس جد سے بڑھ جاوے ناجائز ہے۔ (۱)

### ﴿س﴾

تصور شیخ جو صوفیہ چشت کا معمول ہے اور اقوال حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور مجدد صاحب رضی اللہ عنہما کے مؤید ہیں اور مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اس کو حرام اور کفر و شرک بتاتے ہیں۔ آپ کے نزدیک نفس تصور شیخ جائز ہے یا حرام اور کفر و شرک ہے۔

### ﴿ج﴾

نفس تصور جائز ہے اگر کوئی امر ممنوع اس کے ساتھ نہ ہو۔ جیسا تمام اشیاء کا آدمی خیال و تصور کرتا ہے مگر جیسا اس کے ساتھ تعظیم اس شکل کا کرنا اور متصرف باطن مرید میں جاننا مفہوم ہوا تو موجب شرک کا ہو گیا۔ لہذا قدما اس کی تجویز کرتے تھے کہ اس میں خلط معصیت کا نہ تھا اور متاخرین نے اس کو حرام کہا تو یہ حکم کا اختلاف بسبب اختلاف زمانہ کے ہوا ہے۔ (۲)

### ﴿س﴾

تصور کرنا اولیاء اللہ کا مراقبہ میں کیسا ہے اور یہ جاننا کہ جب ہم ان کا تصور باندھتے ہیں تو وہ ہمارے پاس موجود ہو جاتے ہیں اور ہم کو معلوم ہوتے ہیں ایسا اعتقاد کرنا کیسا ہے۔

(۱) لما قال شاه ولي الله رحمة الله عليه قالوا: والركن العظيم ربط القلب بالشيخ علي وصف المحبة والتعظيم ملاحظة صورته (شفاء العليل ترجمه قول جميل ص ۸۰ پانچویں فصل) وقال العلامة الشكارپوری۔ واذا غاب الشيخ عنه يخيل صورته في خياله بوصف المحبة والتعظيم فانه يفيد فائدة صعبة (قطب الارشاد ص ۵۵۸ الفصل العاشر)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تصور شیخ کوئی خاص شغل نہیں۔ بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو لغت مفہوم ہوتی ہے۔ محل کا وہ وقت ہے کہ ذکر کے ساتھ خطرات فاسد کا هجوم ہو اور دفع کرنے سے مندرج نہ ہوتے ہوں تو منتھی اس کا علاج زیادت توجہ الی اللہ المذکور سے کرتا ہے۔ کیونکہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہو جاوے گی حسب قاعدہ فلسفی، النفس لا توجہ الی شئین فی آن واحد دوسری طرف نہ رہے گی اس سبب سے تصور شیخ نافع سمجھا گیا ہے کہ وہ محسوس بھی ہے اور محبوب بھی ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۸/۵ ادار العلوم کراچی) وکذا فی الفتاویٰ رشیدیہ از تالیفات رشیدیہ کتاب السلوک



ایسا تصور درست نہیں اس میں اندیشہ کا شرک کا ہے۔



تصور شیخ و شغل برزخ جو برائے جمعیت خاطر دفع خطرات مشائخ زمانہ کرتے ہیں اور اس کو رکن طریقت و واجبات سے جانتے ہیں کہ بدون اس کے حصول فیوض و برکات محال ہیں لہذا ایسی صورت میں یہ شغل کرنا کیسا ہے۔ اور قرون ثلاثہ مشہور لہا بالخیر میں کسی صحابی و تابعین و ائمہ دین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا نہیں کیوں کہ جب ایسا ضروری ہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح اس فعل سے محروم رہے ہوں گے اور جو زمانہ خیر القرون میں اس کا وجود نہ تھا تو پھر کس طرح ایسا ضروری مذکور سوال ہو سکتا ہے گو عقیدہ شرک تک نہ پہنچا ہو۔



اس شغل میں متاخرین صوفیہ نے غلو کیا ہے اور شرک تک نوبت پہنچی لہذا متاخرین علماء نے اس کو منع فرمایا اور اب علماء متاخرین کے قول پر عمل چاہیے۔ اس شغل کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس شغل کا کچھ اثر تھا۔

ان فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس تصور شیخ میں شرعاً ممانعت نہیں ہے بلکہ جو چیزیں اس میں ناجائز داخل کی گئی ہیں وہ ممنوع ہیں انہیں کے اقرار کی وجہ سے اس میں قباحت آتی ہے لہذا مطلقاً تصور شیخ کو حرام یا شرک قرار دینا غلط فہمی اور غلط گوئی ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ العزیز فرماتے ہیں۔ (مکتوبات ہفتم تصور شیخ فیوض قاسمیہ، ص: ۳۰) ”وقت یاد خداوند جل و علیٰ اگر شیخ رابطہ خود تصور کند چہ باک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس از لا الہ الا اللہ ہمیں جانب مشیر است و ایں بداں ماند کہ کسی رابا کسے کارے افتد کہ نظر عنایت یاد داشتہ باشد و بار کار خود بر انداختہ۔ پس چناں کہ مرد حاجت مندر ابہ تقاضائے ضرورت وقت تدبیر و جانفشانی بائے خود یاد محتاج الیہ ضروری است و بوجہ مداخلت آں ذکر نیاز بہ اولازم، و توسل بہ او واجب ہچناں طالبان خدا رایا و خداوند متعال ضروری است و نیاز بہ رہبران دین راہ لابدی و وقت عرض نیاز اقرار بعدم استحقاق و نگی لیاقت خود لازم۔ و بدیں وجہ توسل آں مقرباں واجب بالجملہ ایں چنین تصور شعبہ از اعتقاد شفاعت است یا پر تو اعتقاد رسالت و ہمیں است کہ ایں تصور را اکابر طریقت رابطہ و وسیلہ نام نہادہ اند آرے اگر تصور مستقل است و از مفہوم ربط و توسل عاری آں را مسقط اشارہ ماندہ۔ التماثل اللتی انتہ لها عاکفون۔ تصور باید فرمود گو فیما بین افراد ایں قسم تصور

باعتبار اعتقاد استقلال فرق باشد بالجملہ بخیال۔ مقتضائے باخدا کس نتواں گفت و از یاد خدا دل محو یاد پیر را خبر نہ باشد شائبہ از تماثل مشار الیہا دارد گو صاحب تصور پیر را حسب اعتقاد اسلام بندہ محتاج اعتقاد کردہ باشد چہ یاد اصلی از حقوق خداوندیست چنانچہ بر ماہر لکن قرآن وحدیث مخفی نہ خواهد بود و چون ذکر یاد و گران داد از میں وجہ دل خود را از یاد خداوندی پرداخت و باز از میں کار خود را بنظر احتسان دید لا جرم رہ کساں رفت کہ خود را واقف کردہ اند و چون ایں صورت تصور حاصل شیخ اول است آنا کہ علی الاطلاق منع کردہ اند با ہمیں قسم را معمول بہ یا کہند یا رخنہ بندی شریعت و طریقت مد نظر و اشہد و ہر چہ کہ روند بجا کردند اما حقیقت حال ایں است کہ ایں پرانگندہ حال بعض رسانید۔ واللہ اعلم (فیوض قاسمیہ ص ۳۰)

مرشدوں کی نسبت یہ خیال غلط ہے کہ وہ ہر قدم ساتھ رہتے ہیں اور ہر دم آگاہ رہتے ہیں یہ خدائی کی شان ہے کہ وہ بے گاہ بطور خرق بعض اکابر سے ایسے معاملات ظاہر ہوتے ہیں اس سے جاہلوں کو یہ دھوکہ پڑا ہے۔ تصور میں صورت کا خیال امر فضول ہے جیسے کسی کے تذکرہ کے وقت کسی کا خیال آتا ہے۔ ایسا ہی تصور شیخ ہے مگر تصور کرو تو اپنے آپ کو اپنی جگہ اور شیخ کو اپنے وطن میں اور اس کے ساتھ یہ خیال رہے کہ اوپر سے کچھ فیض آتا ہے۔ (فیوض قاسمیہ ص ۲۸ دربارہ تصور شیخ)

مذکورہ بالا تصریحات سے صراط مستقیم کی مندرجہ ذیل عبارت کی بھی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔  
 فائدہ: از جملہ اشتغال مبتدعہ شغل برزخ است کہ در متاخر ایں اکثر طرق اشتہار یافتہ بلکہ کلام بعض اکابر ہم براں مشتمل گردید و تصویر شغل مذکور ایں است کہ برائے دفع خطرات و جمعیت ہمت صورت شیخ را کما فیض بہ تعین و تشخیص در خیال خاطر می کنند و خود بادب و تعظیم تمام بہمگی ہمت خود متوجہ ہاں صورت می شوند کہ گویا بادب و تعظیم بسیار بروئے شیخ نشستہ اند و دل بالکل ہاں سو متوجہ سازند و حال ایں شغل از احوال تصویر معلوم می توان کرد چہ ساختن گناہ کبیرہ عظیمہ است و نگاہ کردن در اں خصوصاً بہ تعظیم و توقیر البتہ حرام و قول حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ صلوة والسلام کہ قوم خود را فرمودند ما ہذہ التماثل الی انعم لہا عاکفون۔ باطلاق خود دلالت دارد و بر آں کہ عکوف پیش تماثل ممنوع است و معنی عکوف لزوم حضور است با ایستادہ تعظیم بادب و محبت و شک نیست کہ ہر کہ با صورت ظاہری ایں عمل کند البتہ آثم و گنہگار است و تفاوت در عمل آں آثم و گنہگار و شغل ایں طالب راہ حق ہمیں وارد است کہ در اول تصویر نگاہ بر قرطاس یا مثل وے خواهد بود و در ثانی تصویر تمام صورت بلون جلد و اشعار و خط و خال در صحیفہ خیال خواهد بود ہر چند بظاہر صورت پرستی نیست لیکن در باطن صاف صورت پرستی است صورت قرطاسی آں قدر دقائق تصویر را حکایت نمی کند کہ صورت خیالی می کند با وجودے کہ ہر ذلایے جان اند پس در معنی تصویری صورت خیالی از صورت قرطاسی چہ فرق ہر دونہ می تواند شد مگر با ایں کہ در صورت اول در انتظام ظاہر شرع

تخلل راہ می باید و در صورت ثانی انتظام ظاہری را آپسے نمی رسد لیکن قبح کہ بہ نسبت تاثیرش در نفس فاعل اس کار است در صورت دوم ازید از صورت اولی است پس بایں وجہ می باید کہ حرام باشد و قطع نظر از اس معنی رواج شغل برزخ ناقصاں را بصورت اولی رساند و تصاویر ظاہری ساختہ آں حرکات تعظیمہ کہ پیش اہل صومری کنند و بروئے آں تصاویر معمل می آرند صاف بصورت صنم پرستان می شوند و در منجر شدن شغل برزخ بایں عمل کہ صریح حرام است شبیہ نیست پس اس ہم باید کہ حرام بود و در شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بنا بر پیش بندی صورت پرستی تصویر سازی مطلقاً ممنوع شدہ و در شرائع دیگر بنا بر بعضی اغراض صحیحہ مثل دریافت حال شکل و شمائل مردہ یا زندہ غائب درست بود پس وقتیکہ شارع اس قدر احتیاط را پیش گرفتہ شغل برزخ را حرام و قبح پندارند و ہر کہ بر سیرت پیغمبر ﷺ بخوبی آگاہی دارد خواہد دانست کہ اگر استفتای اس امر در اس زمانہ متبر کہ می شد البتہ ازاں منع می فرمودند و تحریم آں ظاہری شد۔ ص: ۱۱۸-۱۱۹

خلاصہ یہ ہے کہ خطرات کے دور کرنے اور خیالات کو جمع کرنے اور ہمت کو قوی بنانے کی عبادات میں جس قدر اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اور چونکہ تصور شیخ کی تاثیر اس امر میں انتہائی درجہ پر مفید ہے فان الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ اس لیے تجربہ اور نصوص نے اکابر امت کو اس طریقہ کے جاری کرنے پر آمادہ کیا تھا امت کو اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے جیسا کہ مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے ظاہر ہے مگر چونکہ متاخرین غلط کاروں نے اس میں محظورات اور ناجائز اشیاء داخل کر دیں۔ مثلاً شیخ کو ہر جگہ حاضر و ناظر اعمقاً دکرنا یا اس کے تصور اور توجہ الی الشیخ میں اس قدر منہمک ہو جانا کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی سے مستغنی اور غافل ہو جائیں یا شیخ کو مثل کعبہ ہر نماز میں قبلہ اور متوجہ الیہ بنا لینا، یا باطن مرید میں شیخ کو متصرف سمجھنے لگنا یا اس صورت کی اور شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرنے لگنا یا اس سے ناعاقبت اندیشوں اور احمقوں کا صورت پرستی حقیقی اختیار کرنا جیسے مختلف مبتدع پیروں کے یہاں رائج ہو گیا ہے اس لیے سمجھدار اکابرین پر لازم ہو گیا کہ اس پر فکر فرمائیں اور ذریعہ شرک و کفر کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں بہر حال یہ امر مطلقاً ممنوع ہے نہ مطلقاً ضروری ہے۔ فتویٰ دینے اور عمل کرنے میں غور و فکر اور سوچ سمجھ سے کام لینا چاہیے۔ واللہ اعلم (مکتوبات: ۲۲۱/۴-۲۳۶)

### مساجد میں کیا کیا امور جائز ہیں

۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں مساجد میں دینی و ملی اجتماعات کے انعقاد کے متعلق ایک استفتاء ملک کے اہم علماء اور مراکز افتاء کو بھیجا گیا تھا۔ جو سہ روزہ الجمعیتہ دہلی کے شمارہ ۱۶ جلد ۱۶، ۳، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، اس استفتاء کے جواب میں ملک کے مقتدر علماء و مفتیان کرام نے فتاویٰ تحریر فرمائے۔ جو الجمعیتہ کی متعدد اشاعتوں میں شائع ہوئے۔ اسی ضمن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا

درج ذیل مفصل فتویٰ قسط وار شائع ہوا، اس کی پہلی قسط ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۲ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ اور آخری قسط کی اشاعت مع تصدیقات دیگر علماء ۲ شعبان ۱۳۵۱ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۳۲ء کو ہوئی۔ مولانا معز الدین احمد قاسمی ناظم امارت شریعہ ہند شکر یہ کے مستحق ہیں جن کی توجہ سے یہ قیمتی فتویٰ حاصل ہو سکا۔ (مرتب)

## مساجد و معابد کے متعلق ایک شرعی مسئلہ

### حضرات علماء کرام سے استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین حسب ذیل مسائل میں شرعی و اسلامی حکم کیا ہے۔

①..... مساجد محلہ و جوامع میں نماز باجماعت اور نماز جمعہ اور خطبہ جمعہ کے علاوہ وعظ و تقریر اور کوئی اسلامی جلسہ اسلام اور مسلمانوں کے دینی یا دنیوی مفاد و اغراض کے لیے کرنا جائز ہے یا نہیں اور کیا اس میں مساجد کی کوئی توہین ہے۔

②..... کیا یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مسجد نبوی اور مسجد کوفہ اور مسجد شام میں اہل اسلام کا اجتماع تمام مہمات امور اور امت مسلمہ کے اجتماعی کاموں کے لیے ہوا کرتا تھا، مشورہ ہوتا تھا، تقریریں ہوتی تھیں۔ خلفاء اربعہ کی بیعت عامہ بھی مسجد نبوی میں ہوئی۔ وفد و سفراء بھی مسجد نبوی میں آتے تھے، دشمنان اسلام سے جنگ کے لیے مسجد میں مسلمانوں کو جمع کر کے سمجھایا جاتا تھا اور ان کو آمادہ کیا جاتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو کیا آج کل مساجد میں مسلمانوں کو ظالموں کے ظلم سے آگاہ کرنا اور رفع ظلم کی ہدایت کرنا اور مسلمانوں کو آزادی کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی عزت کے تحفظ کا درس دینا کیا اس سنت سعیدہ کی اتباع نہیں ہے۔

③..... جو شخص امور بالا کو مسجد میں روکے یا روکنے کی سعی کرے تو کیا وہ ایک شرعی و مذہبی حکم میں مداخلت بیجا کا مرتکب نہیں ہے اور کیا وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

④..... اگر کوئی شخص یا چند لوگ مساجد میں ایسے جلسوں کو روکنا چاہیں جن میں حکومت کے ان مظالم کو بیان کیا جائے جو اس نے اسلام اور مسلمانوں پر کئے ہیں اور مظالم بیان کر کے ان مظالم سے نجات حاصل کرنے کی تلقین کی جائے تو کیا اس شخص یا ان چند لوگوں کا یہ فعل کسی طرح پر جائز ہوگا اور یہ روکنا خاص کر جب کہ محض حکومت کے خوف یا اس کی خوشنودی کے لیے ہو۔

⑤..... اگر اس قسم کے عام جلسے حکومت کے خوف یا خوشی کے لیے کسی ایک مسجد میں روکے گئے تو کیا

قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر جو اکثر مساجد میں بیان کی جاتی ہیں جن میں ظالموں کی مذمت اور ظالموں کے مقابلہ کی تعلیم و تلقین بھی ہوتی ہے اور دیندار علماء حقانی قرآن مجید کے ان اصول تعلیم کو واقع حال پر منطبق کر کے بتائیں تو کیا اس خوف اور خوشنودی حکام کے لیے ان کو بھی بند کیا جاسکے گا؟

⑥..... اگر کسی مسجد میں جہاں عموماً اسلامی جلسے ہوا کرتے ہیں اگر کسی جلسے میں کسی ایسے شخص کی تقریر سے کوئی فساد ہو جس کی بد اعمالیوں کے باعث اس کی تقریر لوگ سننا نہیں چاہتے ہیں تو اس صورت میں اس شخص کو اس مسجد میں تقریر سے روکا جائے گا۔ یا اس مسجد میں اسلامی جلسوں ہی کو بند کر دیا جائے گا؟ شرعی اصول سے کیا تدبیر ہونی چاہیے؟ خصوصاً جب کہ جلسوں کا بند کرنا ایک اسلامی سنت جاریہ اور اسلامی حق کو پامال کرنے کے علاوہ سخت فتنہ کا موجب بن سکتا ہے اور اس کا قرینہ غالب ہے۔

⑦..... اگر کسی مسجد کا امام فاسق و فاجر ہو اور اکثر مقتدی اس کی بے دینی سے نالاں ہوں مگر امام اس قدر ضدی ہو کہ وہ امامت سے باز نہ آئے اور عوام تنگ آکر مشتعل ہو جائیں اور مسجد میں مار پیٹ ہو جائے تو ایسی صورت میں قیام امن اور احترام مسجد کے لیے اس امام کو علیحدہ کیا جائے گا یا یہ حکم بھی دیا جاسکتا ہے کہ سرے سے اس مسجد میں نماز و اذان ہی بند کر دی جائے شرعی حکم صحیح کیا ہوگا۔

⑧..... اگر کسی مسجد کی انتظامی کمیٹی جس کو مسلمانوں نے نہیں قائم کیا ہے از خود مسجد میں اسلامی جلسوں کو روکے یا حکومت کے اشارہ سے منع کرے تو کیا یہ مذہبی مداخلت نہیں ہوگی اور کیا مسلمان اس کمیٹی کے حکم کو تسلیم کر لیں خصوصاً جب کہ مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتنہ کا باعث بھی ہو۔

⑨..... اگر کسی مسجد پر کسی ظالم نے قبضہ کر کے مسلمانوں کو اس مسجد کے اسلامی حقوق سے باز رکھا ہو اور پھر کسی مسلمان نے اس ظالم کو کچھ روپیہ دے کر مسلمانوں کے لیے واگداشت کر لیا ہو مگر اس کے ساتھ ظالم نے کچھ ایسی شرط بھی کی ہو جو اسلامی اصول سے صحیح نہ ہو مثلاً یہ کہ مسجد میں کوئی اسلامی جلسہ نہ ہو یا کوئی وعظ و تقریر نہ ہو تو کیا یہ شرط باطل نہیں ہے اور اس شرط باطل کی پابندی کسی طرح مسلمانوں پر عائد ہو سکتی ہے۔

⑩..... اگر ہندوستان میں کسی اسلامی مسجد پر جو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہے اور وہ کسی شخص یا حکومت کی ملکیت نہیں ہوتی ہے کوئی حکومت کافرہ غاصبانہ قبضہ کرے تو کیا یہ قبضہ شرعاً درست ہوگا نیز ملکہ و کٹوریہ آنجہانی کے اس مشہور اعلان عام کے بعد (کہ ہندوستان میں کسی مذہب میں مداخلت نہیں کی جائے گی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کے مطابق ہندوستان میں حکومت ہوگی) حکومت کسی مسجد پر قبضہ قائم رکھے اور پھر کسی مسجد کے متعلق بہت کافی روپیہ لے کر واگداشت کرے تو کیا اس روپیہ کی واپسی حکومت پر از روئے حق و

انصاف لازم ہے یا نہیں۔ بینوا تو جو روا

براہ کرم مدلل و مفصل جواب سے سرفراز فرمائیں۔

(فتی) تصدق حسین احمد جعفری

### الجواب

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى  
 اما بعد! ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سوالات مذکورہ کے تفصیلی جوابوں سے پہلے ہم چند ضروری اور اہم امور  
 عرض کر دیں جن سے جوابات کے لیے کافی اور مفید مواد حاصل ہو جائے۔ کتب احادیث و سیر کی اور اراق گردانی  
 کرنے والے اور دفاتر فقہ و تفسیر پر غائرانہ نظر ڈالنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ: مساجد کے بیشتر احکامات کا مدار  
 مسجد نبوی "علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام" پر ہے مسجد حرام کے بعد تمام مساجد سے اس کا مرتبہ بلندتر  
 مت محمدیہ کے نزدیک مسلم ہے (۱) بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین تو اس مسجد کو مسجد الحرام سے بھی بالاتر  
 مانتے ہیں۔ اگرچہ مسجد قبا کی بنیاد اس سے پہلے رکھی گئی تھی مگر (۲) مدینہ منورہ میں سب سے پہلے جناب رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اسی مسجد کی بنیاد رکھی (۳)۔ سب سے پہلے افضلیت کا امتیاز اسی کو ملا۔  
 مساجد کے لیے احکام شرعیہ میں امامت کا تاج بھی اسی کے سر پر رکھا گیا۔ یہ ہی مسجد عموماً احکام مساجد کے لیے  
 مشعل ہدایت تسلیم کی گئی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اور تابعین  
 عظام (رضی اللہ عنہم) کی ابتداء سے آماجگاہ اور منظر نظریہ مسجد رہی۔ یہیں سے اسلام اور مسلمانوں کا ہر قسم کا عروج ہوا،  
 اسی وجہ سے احکام مساجد کے لیے اسی مسجد سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔ یہ مقدس مسجد زمانہ سعادت اور اس

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: صلاة فی مسجدی هذا أفضل من الف صلاة فیما  
 سواہ من المساجد الا المسجد افضل ۱۰۱/۱: ترمذی شریف باب ماجا فی ای المساجد الحرام باب ماجاء  
 فی فضل الصلاة فی المسجد الحرام ومسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (قدیمی)

(۲) انہ صلی اللہ علیہ وسلم: قال صلاة فی مسجد قباء کھرق ابن ماجہ عن سہل بن حنیف، باب ماجاء فی الصلاة فی مسجد قباء

(۳) عن الحسن: قال: لما بنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد اعانہ علیہ اصحابہ وهو معہم یتناول اللبن حتی اغبر  
 صدرہ الخ فصل فی بناء مسجدہ الشریف البدایہ والنہایہ ۳۹۰/۳ (رشیدیہ)

○ ایضاً تفصیل کے لیے سیرت مصطفیٰ لولانا محمد اور لیس رحمہ اللہ ۲۲۲/۱ فصل نمبر ۳ تعمیر مسجد نبوی (مکتبہ خلیل)

○ وقال تعالیٰ! (لمسجد أسس علی التقوی من اول یوم احق ان تلوم فیہ، رقم الایۃ ۴۰۸ العوبہ روی ان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم سنل: ای مسجد هو! قال مسجدی هذا، رواہ مسلم / کتاب الحج: باب بیان ان المسجد

الذی أسس علی التقوی هو مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۱۳۹۸ الشفا بتعریف حقوق المصطفی ج ۲/۲۹۴/۲ مکتبہ

وحیدی پشاور

کے بعد زمانہ ہائے خیر القرون میں صرف دارالصلوٰۃ والعبادات ہی نہیں رہی جیسا کہ بعض کوتاہ فہم خیال کرتے ہیں۔ بلکہ یہ مسجد نہایت عظیم الشان تعلیم گاہ ”دارالعلوم“ بھی بنائی گئی (۱)۔ جس میں ہر قسم کے علوم تعلیم دیئے جاتے تھے اگر کبھی قرآن شریف اور اس کے وجوہ قرأت و تجوید کی تعلیم ہوتی تھی۔ تو کبھی معانی الفاظ قرآنیہ اور وجوہ تفسیر اور مقاصد و حکم آیات پر بحث کی جاتی تھی، اگر کبھی عبادات بدینہ اور ان کے اقسام و قوانین زیر بحث آتے تھے تو کبھی عبادات مالیہ اور ان کے انواع و احکام و علل زیر نظر ہوتے تھے۔ اگر کبھی عقائد قلبیہ اور تصدیقات باطنیہ پر تقریر ہوتی تھی تو کبھی تہذیب اخلاق اور درستی رسوم و عادات پر روشنی ڈالی جاتی تھی، اگر کبھی تدبیر منزل اور حسن معاشرت کی تدریس ہوتی تھی تو کبھی سیاسیات مدنیہ اور انتظامات ملکیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اگر کبھی قوانین تعزیرات و حدود اور قواعد احتساب و جس تادیب ارباب جرائم و منکرات زیر بیان آتے تھے تو کبھی قواعد معاملات بیع و شراء، رخص، کفالت، اقالہ، شرکت، مضاربت، سلم، صرف، ربو، تجارت و صنعت وغیرہ وغیرہ زیر تقریر آتے تھے۔ اگر کبھی فصل خصومات، قضاء قاضی، قطع منازعات، عدالت و احکام صلح، صلح خصوم، شہادت، ایمان وغیرہ کے احکام تعلیم دیئے جاتے تھے تو کبھی دشمنان ملک و ملت کے ساتھ جنگ اور جہاد، صلح و امان اسیر و استرقاق، عتق و کتابت، استیلاء و تدبیر کے قواعد کی پرزور تقریر سے مسجد شریف گونجتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اگر کبھی تواریخ امم ماضیہ اور سیر انبیاء و صالحین پر روشنی ڈالی جاتی تھی تو دوسرے وقت میں عرب کے ایام قدیمہ اور زمانہ جاہلیت کی عبرتناک باتیں بیان کی جاتی تھیں۔ اگر کبھی خراج اور باج گذاری، عشر اور زکوٰۃ ٹیکس وغیرہ کی تدریس ہے تو کبھی اقوام عالم اور ان کے وفود و سفراء کے ساتھ معاملات اور طرز معیشت کی تعلیم ہے کبھی روحانیات کی تعلیم ہوتی ہے تو کبھی مادیات کی۔ کبھی علم طب اور علاج کے طرق ذکر کئے جاتے ہیں تو دوسرے وقت مبداء و معاد کے مسائل زیر بحث ہوتے ہیں۔ غرض کہ نوع انسانی کے جس قدر بھی شعبہ ہائے زندگی اجتماعی یا انفرادی ہیں اور جن کے لیے اس زمانہ میں علیحدہ علیحدہ تعلیم گاہیں اور مدارس قائم ہیں اور جن کے لیے علیحدہ علیحدہ تصانیف اور کتابیں لائبریریاں اور اساتذہ وغیرہ مقرر کئے جاتے ہیں یہ سب علوم و فنون اسی عظیم الشان درسگاہ میں اسلام کا معلم اول حاوی علوم اولین و آخرین خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حلقہ ہائے علمیہ اور منبر سے تعلیم دیتا رہا۔

(۱) اصحاب صفار باب توکل اور اصحاب تجل کی ایک جماعت تھی۔ جو لیل و نہار تزکیہ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم پانے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی۔ نہ ان کو تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ زراعت سے کوئی سروکار تھا۔ یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ ﷺ کے دیدار پر انوار کے لیے اور کانوں کو آپ ﷺ کے کلمات قدسیہ کے سننے کے لیے اور جسم کو آپ ﷺ کی صحبت اور معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔ سیرت مصطفیٰ باب تحول قبلہ ۴۷۹ (مکتبہ خلیل)

اسی جامعہ کلیہ میں نو یا دس برس تعلیم پا کر تمام عالم کے جملہ فنون اور علوم میں نہ صرف اساتذہ بنے بلکہ انہوں نے اپنی سچی عملی کارروائیوں سے تمام عالم کو جگمگا دیا۔ (۱)

④..... اسی طرح یہ مسجد مقدس ”دارالقضاء والاحکام“ (۲) بھی رہی۔ جس میں ہر قسم کے مقدمات خواہ دیوانی کے ہوں یا فوجداری کے، خواہ مال کے ہوں یا آئین ملکی و فوجی کے، خواہ احتساب کے ہوں یا سیاسیات عامہ کے، ایک سب سے بڑے قاضی القضاة کے سامنے پیش کئے جاتے تھے مدعی اور مدعی علیہ حاضر ہوتے تھے شہود اور گواہ لائے جاتے تھے حسب قواعد قسمیں لی جاتی تھیں صلح کرائی جاتی تھی۔ دعاوی اور خصوصیتیں باقاعدہ سنی جاتی تھیں فیصلہ کیا جاتا تھا۔ مجرموں کو سزائیں سنائی جاتی تھیں وغیرہ وغیرہ۔

⑤..... اسی طرح یہ مسجد مقدس ”دارالارشاد والتسلیم“ (خانقاہ) بھی رہی جس میں سب سے بڑا مرشد روحانی اپنے انتہائی روشنی والے قلب اور بے حد مزکی اور قوی روح سے مسترشدین کے قلوب اور جوارح باطنیہ کا تصفیہ اور تجلیہ کرتا تھا۔ اس طرح بے نظیر مرشد نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو تمام اولیاء اللہ اور عارفین کا سردار بنا دیا۔ کوئی صوفی اور کوئی ولی زمانہ مابعد یا ماقبل میں ان کے اشراق اور صفاء قلب کو نہ پہنچ سکا۔

⑥..... اسی طرح یہ مقدس مسجد ”دارالوعظ والذکر“ رہی جس میں کبھی ترغیب الی الحسنات والامور المعروف پر خطبہ پڑھا جاتا تھا اور کبھی ترہیب عن مصائب الدنیا وعن عذاب الآخرة پر لکچر دیا جاتا تھا۔ کبھی بشارت کا سماں نظر آتا ہے تو کبھی انداز کا میدان کھلا ہوا ہے۔ کبھی عدل و انصاف اطاعت و فرمانبرداری کی طرف ان کے فصائل بیان کر کے بلایا جاتا ہے تو کبھی ظلم و عدوان نافرمانی اور عصیان کی قباحتیں بیان کر کے ان سے نفرت دلانی جاتی ہے، کبھی دشمنوں کے مظالم اور برائیاں بیان کر کے ان کے خلاف جہاد اور جنگ پر آمادہ کیا جاتا ہے اور کبھی دوستوں کی بھلائیاں اور ان کے احسانات گنوا کر ان کی طرف مائل کیا جاتا ہے یہ طریقہ تذکیر و ترغیب، وعظ و نصیحت، انداز و ہشیر، تغفیر و تجیب وغیرہ کا ہمیشہ منبر اور حلقہ ہائے مسجد ہی میں عموماً اخیر تک جاری رہا۔

⑦..... اسی طرح یہ مقدس مسجد ”دارالوفود والسفراء“ بھی رہی جس میں مختلف قبائل کے وفود ”خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم“ ٹھہرائے جاتے تھے اور ان سے ہر قسم کے معاملات پر گفتگو ہوتی تھی۔ قبیلہ ثقیف کا مشہور وفد ”ڈیپوٹیشن“ اسی میں ٹھہرایا گیا۔ اور جب کہ بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آیت ﴿انما المشركون نجس﴾ کی وجہ سے جو کہ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی شبہ کیا تو آپ ﷺ نے نجاست قلبی کی تفسیر سے اس شبہ کا ازالہ فرما دیا۔

⑧..... اسی طرح یہ مقدس مسجد ”دارالاقامہ (بورڈنگ)“ بھی رہی ہے جس میں وہ طلبائے علوم اور مستر

(۱) بخاری ۱۳۶۱: باب التعاضی والملازمة فی المسجد

(۲) بخاری ۱۳۶۱: باب القضاء واللعان فی المسجد بین الرجال والنساء (رحمہم اللہ)

شدین معارف جن کے پاس گھر بار اور مسکن نہ تھا اور جو کہ دور دراز سے استفادہ کے لیے آتے تھے دن و رات رہتے تھے اہل صفہ کا مقر یہیں تھا۔

⑥..... اسی طرح یہ مقدس مسجد ”دارالمشورہ“ بھی رہی جس میں ہر قسم کے ضروری امور اور احکام پر حسب ارشاد ”وشاورہم فی الامر“ اور ”امرہم شوریٰ بینہم“ مشورہ لیا جاتا تھا قصہ افک، واقعہ اسارائے بدر، غزوہ احد، واقعہ وفد ہوازن وغیرہ میں یہیں مشورہ سے تصفیہ کیا گیا۔

⑧..... اسی طرح یہ مقدس مسجد ”دارالاساری (حوالات)“ بھی رہی ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ کو ان کے مسلمان ہونے سے قبل ایک ستون سے باندھا گیا تھا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ایک جرم کی پاداش میں اپنے آپ کو اسی میں باندھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ (۱)

⑨..... اسی طرح مساجد ”دارالتفتیش“ بھی تھیں جن میں تفتیش احوال اور رجال و تنقید شکایات وغیرہ بھی ہوتی تھی اہل کوفہ کی شکایات پر جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے جرائم مزموومہ کی تفتیش کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت (کمیشن) کو فہم بھیجی ہے تو اس نے وہاں کی ہر مسجد میں جا کر لوگوں سے پوری پوری تحقیق کی ہے بخاری شریف میں ہے۔

فارسل معہ رجلا او رجلاً الی الکوفۃ یسأل عنہ اهل الکوفۃ ولم یدع مسجداً الا سأل عنہ  
ویثنون علیہ معروفاً حتی دخل مسجداً لبنی عبس فقام رجل منهم یقال له أسامة ابن قتادہ یکنی  
ابا سعدة فقال اما اذ نشدتنا الک۔ (بخاری ج ۱، ص ۱۰۴)

⑩..... اسی طرح یہ مقدس مسجد ”دارالقسمۃ“ بھی رہی۔ مسلمانوں کے لیے جو اموال خراج، جزیہ بدل صلح، و ہدایا، صدقات وغیرہ باہر سے آتے تھے وہ اس مقدس عبادت گاہ میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ بحرین کا مشہور و معروف خراج جو کہ اپنی مالی حیثیت سے اس زمانہ میں نہایت گراں مایہ تھا اور جس کی مقدار ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھی اسی مسجد میں تمام و کمال تقسیم کیا گیا اور جب تک اس میں ایک حصہ بھی باقی رہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں بیٹھے اور تقسیم کرتے رہے۔ اسی مسجد میں کھجوروں کے خوشہ لٹکا دیئے جاتے تھے تاکہ دارالطلبہ (صفہ) کے مساکین طلبہ اس میں سے روزانہ پکی ہوئی کھجوریں کھا لیا کریں۔ (۲)

⑪..... اسی طرح یہ مقدس مسجد ”دارالمفاخرہ والمشاعرہ“ بھی رہی اس میں اشعار حقہ اور قصائد صحیحہ جن

(۱) بخاری باب الاسیر والغریم یربط فی المسجد ۱۳۲/۱ (رحمانیہ)

(۲) بخاری باب ذکر البیع والشرآء علی المنبر فی المسجد ۱۳۱/۱ (رحمانیہ)

بخاری وایضاً باب القسمۃ وتعلیق القیوفی المسجد ۱۲۶/۱ (رحمانیہ)

میں حمد باری عزوجل اور مدح رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف وغیرہ ہوتی تھی پڑھے جاتے تھے، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے منبر رکھا جاتا تھا اور وہ قصائد مدحیہ کو پڑھتے اور کافروں کے بھوکا جواب دیتے تھے اور دوسرے شاعروں کے بھی اس قسم کے واقعات بکثرت مسجد میں واقع ہوئے ہیں جیسے وفد بنی تمیم کے شاعر برقان اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے مشاعرہ کے وقائع اور حضرت کعب بن زبیر اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کے قصائد اور اشعار۔ (۱)

(۱۲)..... اسی طرح یہ مسجد ”دارالتمرین لفنون الحرب“ مدرسہ حربیہ عملیہ بھی رہی ہے جس میں فنون جنگ جہاد کی تعلیم کا مظاہرہ کیا گیا۔ حبشیوں نے نیزہ بازی کی مشق کی نمائش اسی میں کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ (۲)

(۱۳)..... اسی طرح یہ مسجد دارالاعانتہ والاستمداد رہی ہے جب بھی کوئی مالی ضرورت جنگی کارروائیوں یا ارباب احتیاج و فقرا یا خون بہا اور دیات و غرامات کے لیے پیش آتی تھی جناب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو مسجد میں منادی کے ذریعہ سے بلا کر اعانت اور چندہ کی ترغیب دیتے تھے مسجد میں ہی چندہ وصول کیا جاتا تھا اور تقسیم بھی وہاں کیا جاتا تھا۔ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ، غزوہ تبوک اور دوسرے غزوات وغیرہ میں بارہا ترغیبیں دی جاتی تھیں قبیلہ مضر و ہوازن وغیرہ فقراء اور ارباب حاجت و فود کے لیے بارہا یہیں چندہ کیا گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے جماعتی جملہ امور خواہ ان کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہو یا آخرت سے اور خواہ وہ عبادت کی قسم سے ہوں یا معاملات وغیرہ سے عموماً مسجد نبوی میں انجام پاتے تھے اور مساجد میں وہ امور نہ صرف جائز ہیں بلکہ مساجد کی ساخت ہی ایسے امور کے لیے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی و حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما فرماتے ہیں۔

”قال المهلب المسجد موضوع الامر جماعة المسلمين فما كان من الاعمال يجمع منفعة

الدين واهله جاز فيه الخ۔“

مہلب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسجد کی وضع سے شرعی مقصود مسلمانوں کے اجتماعی امور کا انصرام ہے لہذا ہر وہ کام جس میں اسلام اور اہل اسلام کی مصلحت موجود ہو مسجد میں جائز ہو جائے گا۔ (۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ اس عبارت کو نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

”واللعب بالحراب من تدريب الجوارح على معاني الحروب فهو جائز في المسجد

(۱) بخاری شریف باب الشعر فی المسجد (رحمانیہ)

(۲) بخاری ۱۳۱/۱ باب اصحاب الحیراب فی المسجد (رحمانیہ)

(۳) عمدة القاری: ۲۲۰/۲ باب القضاء واللعان فی المسجد کتاب الصلوة باب ۴۴ (رشیدیہ)

وغیرہ الخ۔“ یعنی اصول جنگ کے مطابق ورزش جسمانی آلات جنگ کی مشق مسجد وغیرہ میں جائز ہے۔ (۱)  
اور ابو الحسن نخعی کے انکار لعب حراب پر حافظ ابن حجر اور عینی رحمۃ اللہ علیہ سخت انتقاد کرتے ہیں۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ  
باب القضاء واللعان فی المسجد“ میں فرماتے ہیں۔

”وانما ذکر البخاری لهذا الحدیث مختصراً لاجل جواز القضاء فی المسجد وهو  
عند عامة العلماء وقال مالك جلوس القاضی فی المسجد للقضاء من الامر القديم  
المعمول به۔“ (۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا مختصر اُس لیے ذکر فرمایا کہ مسجد میں قضاء فصل خصوصیات کا جواز ثابت ہو  
جائے جیسا کہ جمہور علماء کا مسلک ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قاضی کا مسجد میں بیٹھ کر اجلاس کرنا  
ہمیشہ سے معمول بہ چلا آ رہا ہے۔

اور پھر چند مذاہب مختلفہ ذکر کرنے کے بعد ائمہ حنفیہ کا مذہب ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

”قلت قال اصحابنا جميعا والمستحب ان يجلس (القاضی) فی مجلس الحكم فی الجامع فان  
كان مسجداً بجنب داره فله ذلك وان قضی فی داره جاز والجامع اوفق المواضع بالناس واجدر ان  
لا يخفی علی احد جلوسه ولا يؤمر حکمه وقد كان الشعبي يقضی فی الجامع وشریح يقضی فی  
المسجد ويخطب بالسواد وقد قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین الانصار فی موارث تقادمت وكانت الائمة  
يقضون فی المساجد وعثمان رضی اللہ عنہ فی الحریقیم فی المسجد وقضی بین سقاء وخصم له  
فی المسجد الخ۔“ (۳)

میں کہتا ہوں کہ ہمارے علماء متفقہ طور پر یہ فرماتے ہیں کہ قاضی اسلام کے لیے مستحب یہ ہے کہ حکم و فیصلہ  
کے لیے مسجد جامع میں اجلاس کرے لیکن اگر اس کے مکان کے قریب کوئی اور مسجد موجود ہو تو اس میں بھی اجلاس  
کر سکتا ہے اور خود اپنے گھر میں بھی اجلاس کرنا جائز ہے لیکن بایں ہمہ جامع مسجد اس کام کے لیے زیادہ موزوں و  
مناسب ہے تاکہ پبلک میں سے کسی شخص پر اس کی نشست پوشیدہ اور اس کا حکم مخفی نہ رہے چنانچہ امام شععی رحمۃ اللہ علیہ  
کے فیصلے قاضی شریح کے احکام اور تقریریں ہمیشہ عراق کی جامع مسجد میں ہوا کرتی تھیں۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) تخریج سابق

(۲) عمدة القاری شرح بخاری شریف: باب القضاء واللعان فی المسجد، کتاب الصلاة باب نمبر ۴۴/۴۳۳

(مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ جدید)

(۳) عمدة القاری: ۴: ۲۴۴ (رشیدیہ)

انصار کے میراث کا فیصلہ مسجد شریف ہی میں فرمایا۔ اسی طرح دیگر ائمہ اسلام کا بھی معمول یہی رہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ موسم گرما میں مسجد میں تشریف فرما رہا کرتے تھے ان کا وہ فیصلہ جو سقاء اور ایک دوسرے شخص کے مابین فرمایا ہے مسجد ہی میں ہوا تھا۔

شرح نقایہ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ”باب القضاء“ میں فرماتے ہیں:

”والجامع الذی فی وسط البلد اولی من دارۃ لجلوسه الظاهر وهو الجلوس اللذی یاتی الناس فیہ لقطع الخصومات کیلا یشعبہ مکانہ علی الغریب“ (۱)

”جو جامع مسجد وسط شہر میں واقع ہے قاضی کے مکان سے (فیصلہ کے لیے) بہتر ہے اس لیے کہ اس کی نشست سب پر ظاہر رہے گی اور یہی وہ نشست ہے کہ جس میں اشخاص جھگڑے چکانے کے لیے اس کے پاس آئیں گے تو ایسی حالت میں اس قاضی کا مقام نشست غریبوں پر مشتبہ نہ رہنا چاہیے۔“  
اور پھر اپنے مذہب (حنفیہ) کی دلیل ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں:

”ولنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی فی المسجد الجامع وكذلك الصحابة والتابعون لما فی الصحیحین عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ فی قصة اللعان ان رجلاً قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارنیت رجلاً وجد مع امرأته رجلاً (الی ان قال) فتلا عنا فی المسجد وانا شاهد ولما اخرجہ الجماعة الا الترمذی عن کعب بن مالک انه تقاضی ابن حدرد دیناً کان علیہ فی المسجد فارتفعت اصواتهما حتی سمعہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو فی بیته فخرج الیہما حتی کشف سجف حجرتہ فنادی یا کعب قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاشاریبده ان ضع الشرط من دینک قال کعب قد فعلت یا رسول اللہ قال قم فاقضه ولا عن عمر عند منبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقضی شریح والشعبی ویحیی بن یعمر فی المسجد وقضی مروان علی زید بن ثابت بالیمین عند المنبر واخرج ابن سعد فی الطبقات عن ربیعہ بن ابی عبدالرحمن انه رای ابابکر بن محمد بن عمرو بن حزم یقضی فی المسجد عند القبر، وكان علی القضاء بالمدينة فی ولاية عمرو بن عبدالعزیز وكان قدولى قضاء المدينة الخ۔ ولان القضاء عبادة فیجوز اقامتها فی المسجد كالصلوة الخ۔“ (۲)

”ہمارے لیے یہ دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جامع مسجد (مسجد نبوی) میں فیصلے کئے اور اسی طرح

(۱) شرح نقایہ ملا علی قاری۔ کتاب القضاء: ۱۱۳۳ (مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی)

(۲) شرح نقایہ ملا علی قاری: کتاب القضاء: ۱۱۳۳ (مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی)

صحابہ و تابعین کا طرز عمل رہا ہے۔ قصہ لعان جو سہیل بن سعد کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے اس کی ظاہر دلیل ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس اجنبی شخص کو دیکھے تو اس کا حکم کیا ہے (واقعہ کا آخری حصہ ہے) کہ شوہر و بیوی میں مسجد کے اندر لعان کرایا اور میں مجلس میں موجود تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ترمذی کے علاوہ ایک جماعت نے کعب ابن مالک سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے ابن حدرد پر اپنے قرض کا تقاضا کیا حتیٰ کہ باہمی گفتگو میں آوازیں بلند ہو گئیں اور نبی کریم ﷺ نے اپنے حجرہ شریفہ میں ان کو سن لیا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے پردہ اٹھا کر کعب سے فرمایا کہ تم اپنے مطالبہ میں سے کچھ معاف کر دو جس کی کعب رضی اللہ عنہ نے فوراً تعمیل کی۔ پھر مدیون سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو اور ان کا قرض ادا کر دو۔“

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد ہی میں جانہین سے معاف کرایا ایسے ہی امام شعیب، قاضی شریح یحییٰ بن یعمر نے مسجد میں قضا یا کا فیصلہ فرمایا، مروان بن الحکم نے جوزید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے قسم لی تھی وہ بھی مسجد ہی کا واقعہ ہے جو عین منبر شریف کے سامنے ہوا تھا، ابن سعد طبقات میں ربیعہ بن ابی عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو دیکھا کہ وہ قبر کے پاس فیصلہ کیا کرتے تھے اور یہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی ولایت میں مدینہ کے قاضی تھے۔

نیز فیصلہ اور قضا ایک عبادت ہے لہذا اس کا مسجد میں قیام بالکل نماز کی طرح جائز ہے۔

فی البحر الرائق قوله و (یقضی فی المسجد او داره) لانه ﷺ حکم بین المتلاعنین فی المسجد وقال للمدیون قم فاقضه بعد امر الدائن بوضع الشطر وکانا فی المسجد وقد ارتفعت اصواتهما، وامر باقامة الحد وهو فی المسجد، وقد لاعن عمر رضی اللہ عنہ عند منبر رسول اللہ ﷺ كما رواه البخاری، واما كون المشرك يدخله للقضاء وهو نجس فلا يمنع لان نجاسته نجاسة الاعتقاد علی معنى التشبيه واما الحائض فتخبر بحالها ليخرج اليها القاضي او يرسل نائبه، كما اذا كانت الدعوى فی دابته، وكذا السلطان يجلس فی المسجد للحكم واطلق المسجد فشمّل غير

الجامع لكنه اولی لانه اشهر ثم الذى تقام فيه الجماعات وان لم تصل فيه الجمعة الخ (۱)

ترجمہ: ”اور بحر الرائق میں ہے کہ قاضی مسجد میں یا اپنے گھر میں فیصلہ کر سکتا ہے دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں دولعان کرنے والوں کے متعلق فیصلہ صادر فرمایا ہے اور نیز مدیون سے فرمایا کہ اٹھو اور اس کا قرض ادا کرو جب کہ قرض خواہ سے فرما چکے تھے کہ وہ اپنے مطالبہ میں سے کچھ کم کر دے در اں حالیکہ وہ

دونوں مسجد میں تھے اور ان کی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں۔ نیز مسجد میں تشریف فرماتے ہوئے آپ نے اقامت حد کا حکم دیا۔ رہا مشرک کا فیصلہ کے لیے مسجد میں آنا باوجود یہ کہ نجس ہے ممنوع نہیں ہے اس لیے کہ اس کی نجاست اعتقادی ہے (نہ ظاہری) بوجہ شرک کے۔ رہی حائضہ عورت (اس کے لیے اس کو مسجد میں آنے کی ممانعت ہے) اپنے حالات کی اطلاع (قاضی کو) بھیجے تاکہ قاضی خود نکل کر اس کے پاس آئے یا اپنے قائم مقام کو بھیجے جیسا کہ چوپایوں کے دعویٰ میں عمل در آمد ہوتا ہے۔ اسی طرح بادشاہ مسجد میں فیصلہ کے لیے اجلاس کر سکتا ہے مسجد عام ہے خواہ جامع ہو یا غیر جامع لیکن جامع مسجد اجلاس کے لیے زیادہ مناسب ہے اس لیے کہ وہ زیادہ مشہور ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ مسجد جس میں صرف جماعت پنجگانہ (نہ جمعہ) ہوتی ہو مناسب ہے۔“

غالبگیری وغیرہ کتب فقہ میں یہی مضمون ذکر کیا گیا ہے مذکورہ بالا حکم ذکر کرنے کے بعد عالمگیری میں فرماتے ہیں:

”وان كان جاهلاً يستحب له ان يقعد معه اهل العلم كذا في التبيين ويشاورهم كذا في النهر الفائق ويقوم القمطر الى جانبه عن يمينه لان فيه السجلات والمحاضر والصكوك ويجلس كاتبه في ناحية عنه حيث يراه حتى لا يخذع بالرشوة فيزيد في الفاظ الشهادة۔ الخ“ (۱)

”اور اگر قاضی جاہل ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ علماء کو اپنے ساتھ رکھے اسی طرح تبیین میں مذکور ہے اور ان سے مشورہ لے اسی طرح النہر الفائق میں مذکور ہے قطر (یہ ایک قسم کا ظرف ہوتا ہے جس میں کارروائی کے باغذات محفوظ رکھے جاتے ہیں) اپنی داہنی جانب رکھے اس لیے کہ اس میں کارروائی کے متعلق رجسٹرات اور چک وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور قاضی اپنے پیشکار کو اس طرح اپنے پاس بیٹھائے کہ قاضی کی نگاہ اس پر پڑتی رہے تاکہ وہ رشوت لے کر دھوکہ نہ دے اور گواہی کے الفاظ میں زیادتی نہ کر سکتے۔“

جس سے معلوم ہو گیا کہ اگر قاضی عالم نہ ہو تو اس کو مسجد میں اپنے ساتھ علماء کو رکھنا اور ان سے مشورہ لینا مستحب ہے اور قاضی کو مسجد ہی میں اپنے تمام رجسٹروں اور مقدمات کی مسلوں اور محرروں وغیرہ کو اپنے پاس رکھنا چاہیے۔

روح المعانی میں تعمیر مساجد والی روایت کی تفسیر کے ماتحت ذکر فرماتے ہیں:

وادامة العباداة والذکر ودراسة الغلوم الشرعية فيها ونحو ذلك وصيانتها من مالم تبين له في نظر الشارع كحديث الدنيا۔ (۲)

(۱) الباب السابع في جلوس القاضى ومكان جلوسه وما يتصل بذلك: ۳۲۰/۳ (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) روح المعانی ۶۵/۶

”مساجد میں عبادت اور ذکر کو دایماً کرنا اور علوم شرعیہ کی تعلیم دینا وغیرہ اور جو امور مقصود تعمیر مساجد کے خلاف ہوں ان سے مساجد کو محفوظ رکھنا مثلاً دنیاوی باتیں اور امور۔“  
بحر الرائق جلد دوم میں ہے۔

ویجوز الجلوس فی المسجد بغیر الصلوٰۃ ولا بأس به للقضاء کالتدریس والفتویٰ الخ۔ (۱)  
مسجد میں نماز کے علاوہ تدریس اور فتویٰ کے لیے بیٹھنا جائز ہے اور فیصلہ کے لیے اجلاس کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے۔

”مباشرة عقد النکاح فی المساجد مستحب واختار ظہیر الدین خلاف هذا۔“ (۲)  
”مساجد میں عقد نکاح مستحب ہے ظہیر الدین کا مختار اس کے خلاف ہے۔“ یہی مضمون بحر الرائق میں بھی ہے۔ بحر الرائق جلد ثانی میں ہے۔

”فلا یجوز لاحد مطلقاً ان یمنع مومنأ من عبادة یاتی بها فی المسجد لان المساجد ما بنی الالہا من صلوٰۃ واعتکاف و ذکر شرعی وتعلیم علم وتعلمہ وقراءة قرآن الخ۔“  
”کسی ایماندار کو مسجد میں عبادت کرنے سے روکنا مطلقاً جائز نہیں دلیل یہ ہے کہ مساجد کی تعمیر نماز، اعتکاف ذکر شرعی، تعلیم قرآن اور قرأت قرآن ہی کے لیے ہوئی ہے۔“  
یعنی شرح بخاری میں حدیث تقسیم مال فی المسجد کے تحت حدیث مذکورہ کے فوائد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ومنها ان فیہ وضع مال الناس متشکون فیہ من صدقة وغیرها فی المسجد لان المسجد لا یحجب من احد ذوی الحاجة من دخوله والناس فیہ سواء وقال ابن القاسم وسئل مالک عن الافتاء فی المسجد وما یشبه ذلك فقال لا بأس بها وسئل عن الماء الذی یسقی فی المسجد اتری انه یشرب منه قال نعم انما جعل للعطش ولم یرد به اهل المسکنة فلا اری انه یترک مشربه ولم یزل هذا من امر الناس۔“ (۳)

تقسیم مال فی المسجد کے فوائد میں سے ایسے مال کا مسجد میں رکھنا بھی ہے جس میں لوگوں کی شرکت ہو یعنی

(۱) بحر الرائق ۳۶۲

(۲) فتاویٰ عالمگیری الباب الخامس فی آداب المسجد والمصحف الخ ۳۲۱/۵ (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) عمدة القاری: کتاب الصلاة: باب التسمہ وتعلیق القنونی فی المسجد، باب نمبر ۲۳ بر ۲۳۰۸۳ (رشیدیہ)

صدقہ وغیرہ اس لیے کہ مسجد کسی صاحب حاجت کو داخل ہونے سے نہیں روکتی اور اس باب میں سب لوگ مساوی ہیں ابن القاسم کا قول ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد میں فتویٰ دینے کے متعلق اور جو امور اس کے مشابہ ہیں دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ نیز اس پانی کے متعلق بھی دریافت کیا گیا جو مسجد میں پلایا جاتا ہے کہ کیا آپ کے نزدیک وہ پانی پینا مناسب ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! وہ تو پیاس کے لیے ہی رکھا گیا ہے۔ مساکین کی کوئی خصوصیت نہیں اور میں مناسب نہیں سمجھتا ہوں کہ اس کا پینا ترک کیا جائے اور ہمیشہ یہ لوگوں کے امر سے رہا ہے۔

”باب من دعا لطعام فی المسجد ومن اجاب فیہ“ میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وفیہ ان الدعاء الی ذلک من المسجد وغیرہ سواء لان ذلک من اعمال البرولیس ثواب

الجلوس فی المسجد باقل من ثواب الاطعام۔“ (۱)

”مسجد اور غیر مسجد میں دعوت دینا برابر ہے اس لیے کہ دعوت دینا اچھے اعمال میں سے ہے مسجد میں

نشست کا ثواب کھانا کھلانا کے ثواب سے کم نہیں۔“

”باب نوم الرجال فی المسجد“ میں غیر مسافرین کی نوم کے متعلق علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ذکر ما یستنبط منه وهو جواز النوم فی المسجد لغير الغریب وقد اختلف العلماء فی ذلک

فمن رخص فی النوم فیہ ابن عمر وقال کنا نبیت فیہ ونقیل علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن سعید بن

المسیب والحسن البصری وعطاء و محمد بن سیرین مثله وهو احد قولی الشافعی واختلف عن ابن

عباس فروی عنه قال لا تتخذوا المسجد مرقداً وروی عنه انه قال وان کنت تنام فیہ لصلوة فلا باس

وقال مالک لا احب لمن له منزل ان یبیت فی المسجد ویقیل فیہ وبه قال احمد واسحاق وقال مالک

وقد کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبیتون فی المسجد وکرة النوم فیہ ابن مسعود وطاؤس ومجاهد وهو

قول الاوزاعی وقد سئل سعید بن المسیب وسلیمان بن یسار عن النوم فیہ فقالا کیف تسألون عنها

وقد کان اهل الصفة ینامون فیہ وهم قوم کان مسکنهم المسجد وذكر الطبری عن الحسن قال

رأیت عثمان بن عفان نائماً فیہ لیس حوله احدٌ وهو امیر المومنین قال وقد نام فی المسجد جامعة

من السلف بغير معذور للانتفاء به فیما یحل کالا کل والشرب والجلوس وشبه النوم من الاعمال

والله اعلم. (۲)

(۱) عمدة القاری: کتاب الصلوة، باب نمبر ۳۳: ۲۳۱/۳ (رشیدیہ)

(۲) عمدة القاری شرح بخاری شریف: کتاب الصلاة: باب نمبر ۵۸: ۲۹۳/۳ (رشیدیہ)

”ذکر اس امر کا جو باب النوم سے نکالا گیا ہے یعنی مسجد میں غیر مسافر کے سونے کا جواز اس باب میں علماء کا اختلاف ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد میں سونے کی رخصت دی ہے اور فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد کے اندر سوتے اور قیلولہ کرتے تھے۔ اسی طرح سعید بن المسیب، حسن بصری، عطاء اور محمد بن سیرین سے مروی ہے یہی ایک قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے اختلاف کیا گیا ہے ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسجد کو سونے کی جگہ مت بناؤ اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر نماز کے لیے مسجد میں سوؤ تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھر والوں کے لیے مسجد میں سونا میں پسند نہیں کرتا ہوں اسی کے قائل امام احمد و اسحاق رحمۃ اللہ علیہما ہیں نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مسجد میں سوتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، طاؤس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسجد میں سونا مکروہ ہے یہی قول امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ اور سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہما سے مسجد میں سونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو دونوں نے تعجباً فرمایا کہ تم لوگ نوم فی المسجد کے متعلق کس طرح سوال کرتے ہو حالانکہ اہل صفہ مسجد میں سوتے تھے اور یہ وہ لوگ تھے کہ مسجد ہی ان کی جائے سکونت ہو گئی تھی۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت حسن رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں سوتے ہوئے دیکھا اور ان کے ارد گرد کوئی نہ تھا حالانکہ وہ امیر المؤمنین تھے نیز سلف کی ایک جماعت مسجد میں سوتی ہے حالانکہ وہ مسجد میں حلال امور کے ساتھ نفع اٹھانے کے لیے معذور بھی نہ تھی مانند کھانے، پینے، بیٹھنے، سونے وغیرہ کے اعمال میں سے واللہ اعلم۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

”قوله فان المساجد لم تبين لهذا اي منشآت الضالة ونحوه بل لذكر الله تعالى وتلاوة القرآن والوعظ حتى كره مالك البحث العلمي وجوزه ابو حنيفة وغيره لانه فيما يحتاج الناس اليه لان المسجد مجتمعهم قاله ابن الملك رحمۃ اللہ علیہ۔ (۱)

”مساجد کی تعمیر گم شدہ چیزوں وغیرہ کی تلاش کرنے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ ذکر خداوندی تلاوت قرآن اور وعظ کے لیے بنائی گئی ہے حتیٰ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے علمی بحث کو بھی مسجد میں مکروہ قرار دیا ہے ہاں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ائمہ نے اس کی اجازت دی ہے اس لیے کہ لوگوں کو اس کی حاجت ہوتی ہے بدین وجہ کہ ان کی جائے اجتماع مسجد ہی ہوتی ہے اسی کے قائل ابن الملك رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔“

(۱) مرقاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ شریف کتاب الصلاة: باب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث نمبر ۷۰۶، ۳۸۳۲ (رشیدیہ کوئٹہ)

ہم ان چند معتبر نصوص پر بخوف تطویل اکتفا کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ گمان کرنا کہ مساجد میں سوائے نماز، تلاوت قرآن اور ذکر کے کوئی چیز درست نہیں۔ اس لیے کہ ان کے علاوہ اور امور کو منع کرنا سخت غلطی ہے، مسلمانوں کے وہ تمام اجتماعی امور جن کو اسلام اور مذہب سے تعلق ہے خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی، مالی ہوں یا نفسی روحانی ہوں یا مادی اور اسی طرح انفرادی عبادتیں زمانہ قدیم سے مساجد میں انجام پاتی رہی ہیں اور مساجد ان کے لیے مستقر اور مرکز ہیں احادیث اور اقوال ائمہ نہایت صراحت کے ساتھ اس پر روشنی ڈال رہے ہیں، مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جس کا بعد مسجد حرام افضل المساجد ہونا مسلمات اسلامیہ میں سے ہے اس میں یہ سب امور ہمیشہ سے جاری رہے تو دیگر تمام مساجد میں بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے ہاں اگر کوئی خلاف شرع امر پیدا ہو جائے تو اس کو روکنا چاہیے نہ کہ مساجد کو ان امور اسلامیہ سے ممنوع قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم

اس ضروری تمہید کے بعد دریافت کردہ شدہ امور خود بخود حل ہو جاتے ہیں مگر مزید توضیح کے لیے ہر سوال کا جواب ہم مختصراً عرض کرتے ہیں۔

### تفصیلی جوابات

- ①..... پیشک جائز ہے اور مسلمانوں کا ہمیشہ اس پر عمل درآمد رہا ہے جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت سنہی یہی ہے مساجد کی اس میں توہین ہرگز نہیں بلکہ تعمیر ہے۔
- ②..... صحیح ہے اور آج کل بھی مسلمانوں کو اعداء اسلام کے مظالم سے آگاہ کرنا اور حسب استطاعت دفاع اور ان کی قوتوں کی کمزوری پر آگاہ کرنا، آزادی و طوق تحفظ اسلام و تحفظ ناموس دین محمدی کی ترغیب دینانہ صرف اس سنت سنہی کی اتباع ہے بلکہ واجب ہے۔
- ③..... بے شک وہ شرعی مداخلت بے جا کا مرتکب اور گنہگار ہے البحر الرائق مسجد کے دروازے کے بند کرنے کی بحث میں ہے۔

”كان المتقدمون يكرهون شد المصاحف واتخاذ المشدة لها كيلا يكون ذلك في صورة المنع من قراءة القرآن فهذا مثله او فوqe لان المصحف ملك لصاحبه والمسجد ليس بملك لاحد ومن ههنا يعلم جهل بعض مدرسي زماننا من منعهم من يدرس في مسجد تقرر في تدرسه او كراهتم لذلك زاعمين الاختصاص بها دون غيرهم حتى سمعت من بعضهم انه يضيفها الي نفسه ويقول هذه مدرستي اولا تدرس في مدرستي واعجب من ذلك انه اذا غضب على شخص يمنعه من دخول المسجد خصوصاً بسب امر دينوي وهذا كله جهل عظيم ولا يبعد ان يكون كبيرة فقد

قال الله تعالى وان المساجد لله وما تلوننا من الاية السابقة فلا يجوز لان ان يمنع مومنا من عبادة ياتي بها في المسجد لان المسجد ما بنى الالهة من صلوة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن ولا يتعين مكان مخصوص لاحد حتى لو كان للمدرس موضع من المسجد يدرس فيه فسبقه غيره اليه ليس له از عاجه واقامته منه الخ (۱)

مقدمین مصحف کو باندھنا اور اس کے باندھنے کے لیے کوئی آلہ تیار کرنا مکروہ کہتے تھے تاکہ اس میں قرأت قرآن سے روکنے کی صورت نہ پیدا ہو جائے پس مسئلہ مساجد اس کے مساوی ہے یا اس سے فوقیت رکھتا ہے اس لیے کہ مصحف صاحب مصحف کی ملک ہوتی ہے اور مسجد کسی کی ملک نہیں۔ اسی سے ہمارے زمانے کے بعض مدرسین کی جہالت معلوم ہو جاتی ہے جو ایسی مسجد سے جو ان کی تدریس کے لیے مقرر ہے دوسروں کو درس دینے سے روکتے ہیں یا مکروہ سمجھتے ہیں اپنی خصوصیت کے خیال سے حتیٰ کہ میں نے بعض سے یہ بات سنی ہے کہ وہ مساجد کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرا مدرسہ ہے اور زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب کسی پر غصہ آتا ہے تو اس کو دخول فی المسجد سے روکتے ہیں خصوصاً امر دنیاوی کی وجہ سے یہ تمام باتیں بڑی جہالت کی ہیں۔ اور بعید نہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں بدلیل ارشاد باری تعالیٰ کہ مساجد اللہ ہی کے لیے ہیں اور بدلیل آیت سابقہ کے جس کی تلاوت ہم کر چکے ہیں، پس کسی شخص کو جائز نہیں کہ وہ کسی مومن کو مسجد میں عبادت کرنے سے روکے اس لیے کہ مسجد نماز، اعتکاف ذکر شرعی، تعلیم علم تعلم علم اور قرأت قرآن ہی کے لیے بنائی گئی ہے۔ اور مسجد کی کوئی خاص جگہ کسی کے لیے مخصوص نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اگر کسی مدرس کے لیے مسجد کی کوئی خاص جگہ کسی کے لیے مخصوص ہو اور وہ اس میں درس دیا کرتا ہو اتفاق سے اس جگہ کوئی دوسرا شخص اس سے پہلے آ کر بیٹھ جائے تو اس جگہ سے اس کو دفع کرنا اور اٹھانا مدرس کے لیے جائز نہیں۔ لہذا یہ روکنے والا شخص گناہ گار ہے جلد توبہ کرنی چاہیے۔

(۴)..... ایسے مظالم کو بیان کرنا اور مسلمانوں کو نجات حاصل کرنے کی تلقین کرنا اور ان کو اس تلقین پر حسب

استطاعت عمل کرنا بہت زیادہ ضروری ہے۔

” قال الله تعالى وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم الاية “ (۲) وقال سبحانه تعالى

” وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة “ (۳) وقال ” من اعتدى عليه فاعتدوا عليه

(۱) البحر الرائق ص ۵۹، ۶۰ رشیدیہ کتاب الصلاة باب ما يفسر الصلاة وما يكره فيها فصل كره استقبال القبلة

(۲) سورة البقر آیت: ۱۹، رکوع: ۸، پارہ نمبر ۲

(۳) سورة البقرہ آیت: ۳۶، رکوع: ۶، پارہ نمبر ۱۰

بمثل ما اعتدى عليكم “ الاية وغيره ذالك من الايات (۱)

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو تم سے جنگ کرے تم بھی خدا کی راہ میں ان سے جنگ کرو تم بھی مشرکین سے مقابلہ کرو جیسا کہ وہ تم سے کرتے ہیں، جو شخص تم پر زیادتی اور ظلم کرے تم بھی اسی قدر اس پر زیادتی اور ظلم کرو۔“  
 جو لوگ اس تلقین و تذکیر سے منع کرتے ہیں وہ سخت مجرم ہیں ان کو جلد توبہ کرنا چاہیے اور بالخصوص جبکہ ان کا یہ فعل حکومت ظالمہ کی خوشنودی یا خوف کی وجہ سے ہو۔

قال الله تعالى ولا تتركوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار ومالككم من دون الله من اولياء ثم لا تنصرون۔ (۲)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو! تم ہرگز اہل ظلم کی طرف مائل نہ ہونا ورنہ پھر تم دوزخ میں جاؤ گے تمہارا کوئی بجز خدا کے دوست نہیں (اگر تم نے ظالموں کی طرف میلان کیا) تو یاد رکھو کہ تمہاری پھر امداد نہ کی جائے گی۔  
 وقال الله تعالى ”تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔“ (۳)  
 ”ارشاد ہے کہ تم نیکی اور بھلائی پر مدد کیا کرو اور گناہ و ظلم پر کسی کی امداد نہ کرنا۔“

ظلمهم فليس مني ولست منه وليس بوارده على الحوض۔ (۴)

”رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے بعد امراء آئیں گے پس جو شخص ان کے پاس جا کر (ان کی خوشنودی کے لیے) ان کی جھوٹی باتوں کو سچا بتائے اور ان کے ظلم پر اعانت کرے تو ایسا شخص نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں اور نہ وہ میرے حوض کوثر پر وارد ہوگا۔“

وقال سبحانه وتعالى ”اتخشونهم فالله احق ان تخشاه“ الایة وقال سبحانه وتعالى ”فلا تخشوا الناس واخشوني ولا تشتروا بآياتي ثمنا قليلاً الایة۔“ (۵)

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ سے خوف کرنا چاہیے دوسری جگہ ارشاد ہے تم لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات سے شمن قلیل کی خریداری نہ کرو۔“  
 ⑤..... ہرگز نہیں۔ جواب نمبر ۴ سے بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ لوگ سخت گناہ گار ہیں ان کو عاقبت کی فکر کرنا چاہیے۔

(۱) سورة البقرہ آیت: ۱۹۳، رکوع: ۸، پارہ نمبر ۲

(۲) سورة هود آیت: ۱۱۳، رکوع: ۱۰، پارہ ۱۲

(۳) سورة المائدہ آیت: ۲، رکوع: ۶، پارہ ۶

(۴) رواہ ابن حبان: کتاب البر والاحسان: باب نمبر ۱۱، ۱۹۲، حدیث نمبر ۲۸۲ (دار المعرفۃ بیروت)

(۵) سورة البقرہ آیت نمبر ۴۱ رکوع نمبر ۵ پارہ نمبر ۱

⑥..... فقط اسی شخص ہی کو تقریروں سے روکا جائے گا اس کی وجہ سے مساجد میں ایسے جلسوں کا بند کرنا یا کرنا کسی طرح جائز نہیں (کماذکرنا سابقاً) خصوصاً جب کہ ایسے جلسوں کی بندش سے فتنوں کا بھی خوف ہو۔

④..... ایسے امام ہی کا علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

قال النبی ﷺ ثلاثة لا يقبل الله منهم صلوة من تقدم قوما وهم له كارهون (۱) وعن السائب بن خلاد رضى الله عنه وهو رجل من اصحاب النبی ﷺ ان رجلاً أمر قوماً فبصق في القبلة ورسول الله ﷺ ينظر فقال رسول الله ﷺ لقومه حين فرغ لا يصلى لكم فاراد بعد ذلك ان يصلى لهم فمنعوه فاخبروه بقول رسول الله ﷺ فذكر ذلك رسول الله ﷺ فقال نعم وحسبت انه قال انك قد اذيت الله ورسوله (رواه ابو داود) وابن حبان (۲) في صحيحه وراه البطراني باسناد جيد عن عبد الله بن عمرو۔

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین شخصوں کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو کسی قوم سے آگے بڑھ جائے اور قوم اس کو برا سمجھتی ہو (آخر حدیث تک)۔“

”سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ (یہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ہیں) سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک قوم کی امامت کی اور اس نے قبلہ کی جانب تھوکا اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے بعد فراغت کے فرمایا کہ آئندہ یہ شخص تم کو نماز نہ پڑھائے اس کے بعد اس نے پھر قوم کو نماز پڑھانا چاہا تو لوگوں نے اس کو منع کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی اس کو اطلاع دی اس نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ کی خدمت مبارک میں کیا آپ نے فرمایا ہاں! (راوی) میں گمان کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی۔“

(اس کی روایت ابو داؤد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کی اور طبرانی نے کبیر میں ایک عمدہ سند سے عبد اللہ

بن عمرو سے روایت کی ہے)

در مختار میں ہے۔

”ولو امر قوماً وهم له كارهون ان (الكراهة) لفساد فيه اولانهم احق بالامامة کره له

(۱) ابو داؤد شریف ۹۸۱ کتاب الصلوة باب نمبر ۶۳: الرجل يوم القوم وهم له كارهون

(۲) رواه ابن حبان كتاب الصلاة: باب نمبر ۳۶: ذكر ايداء الله جل (رحمانيه) وعلا بمن بصق في قبلة

المسجد، بيروت ص ۵۲۳ (دار المعرفه بيروت)

ذک تحریماً لحديث ابی داؤد لایقبل الله صلوة من تقدم قوما وهم له کارهون۔“ (۱)

”اگر کوئی شخص کسی قوم کا امام ہو اور وہ قوم اس کی امامت کو مکروہ جانتی ہو تو اس کے ذاتی فساد اور خرابی کی وجہ سے یا اس لیے کہ قوم اس سے زیادہ احق بالامامہ ہے تو یہ امامت اس شخص کے لیے مکروہ تحریمی ہے بدلیل حدیث ابوداؤد کے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو قوم سے آگے ہو جائے حالانکہ قوم اس کو برا جانتی ہو۔“

لہذا اس امام کا علیحدہ کرنا حکم شرعی ہے اس کو امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے مسجد اور اذان کو بند کرنا ہرگز جائز نہیں۔

⑧..... کسی انتظامیہ کمیٹی کو مساجد سے ایسے مفید اور مذہبی ضروری جلسوں سے روکنے کا حق نہیں ہے اور نہ مسلمانوں کو اس کی اطاعت کرنا چاہیے۔

قال عليه الصلوة والسلام ” لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق۔“ (۲)

”حضور ﷺ روجی فدائے کارشاد ہے کہ کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس سے معصیت خدا کی لازم آتی ہو۔“

بالخصوص جبکہ ایسے جلسوں کے نہ ہونے میں فتنے اور مسلمانوں کے لیے مضرتوں کے سامان پیدا ہوتے ہوں کمیٹی مذکورہ صدر کو ایسے جلسوں سے روکنا جائز نہیں بالخصوص جب کہ ظالم حکومت کے اشارہ سے ہو۔

قال سبحانه وتعالى ” والله ورسوله احق ان يرضوه ان كانوا مومنين۔“ (۳)

”ارشاد خداوندی ہے کہ مومن کو چاہئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کر لے۔“

چونکہ یہ جلسے مذہبی ہیں اور مذہب اسلام سیاسیات وغیرہ کو اسی طرح حاوی ہے جس طرح عبادات کو اور جس طرح وہ عبادات کی تعلیم کرتا ہے اسی طرح سیاسیات کی بھی بنا بریں ایسے جلسوں سے روکنا یقیناً مذہبی مداخلت ہے جس کا حق نہ کسی حکومت کو ہے اور نہ کسی کمیٹی کو۔

⑨..... تصریحات فقہ اسلامی (اسلامک لاء) کی بناء پر کوئی مسجد کسی حکومت کی ملک ہو سکتی ہے نہ کسی مسلم یا غیر مسلم جماعت یا فرد کی بنا بریں حکومت کا کسی مسجد پر قبضہ کرنا شرعاً کسی طرح جائز نہ ہوگا اور نہ اس کو کسی کے

(۱) در مختار مع شامی ۵۵۹/۱ (طبع ایچ ایم سعید) باب الامامة مطلب شروط الامامة الكبرى

(۲) عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال : لا طاعة في معصية الله : انما الطاعة في المعروف ، الصحيح المسلم : باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية وتحريمها في المعصية ۱۲۵/۲ (قدیمی) فقام عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فلقیہ بین الناس قال تذکر یوم قال رسول اللہ ﷺ : لا طاعة لمخلوق في معصية الله الخ مسند احمد ۵۹/۶ (بیروت دار احیاء التراث العربی)

ہاتھ بیچنا درست ہوگا لہذا یہ صلح اور اس کے شرط بھی لغو اور غیر قابل اعتبار ہیں اور اگر بالفرض یہ صلح معتبر بھی ہوتی ہے تو شرط مذکورہ سوال تو کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں۔

”قال النبی ﷺ الصلح جائز بین المسلمین الا صلحاً حرم حلالاً او احل حراماً والمسلمون علی شروطهم الا شرطاً حرم حلالاً او احل حراماً رواہ الترمذی وصححه“ (۱)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے ہاں وہ صلح جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے وہ جائز نہیں مسلمان اپنے شرط پر قائم رہیں مگر ہاں اس شرط کو نہ مانیں جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے۔“ (اس کی روایت مع الصحیح ترمذی نے کی ہے)

اس لیے مسلمانوں پر ایسی لغو اور باطل شرط کی پابندی آہی نہیں سکتی اور نہ ان کے لیے ایسی شرط جائز العمل ہیں۔

⑩..... یقیناً یہ قبضہ سراسر غاصبانہ ہوگا جو کسی طرح درست نہیں ۱۸۵۸ء کے اعلان سے قطع نظر بھی حکومت کا یہ قبضہ سراسر باطل ہے اس لیے جو روپیہ حکومت نے لیا ہے اس کو واپس کرنا بہر حال اس پر لازم ہے۔ (۲)

تنبیہ: مساجد میں تمام وہ مذہبی امور جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے انجام دیتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی تطہیر و تنظیف و حرمت اور جماعت کی نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

والله اعلم بالصواب وعندہ امر الكتاب کتبه خادم العلم حسین احمد غفرلہ

**تصدیقات:** جواب صحیح ہے بلاشبہ مساجد مسلمین ہمیشہ کے لیے اس قسم کی شرط و قیود سے آزاد ہیں اور ہر قسم کے اسلامی جلسے جو مسلمانوں کے دینی یا دنیاوی مفاد عام سے متعلق ہوں ان میں جائز اور قرون اولیٰ کا معمول ہیں جیسے کہ حضرت مجیب دام مجد ہم نے پوری طرح واضح فرمادیا ہے کسی مسلمان کا تسلط و تغلب بھی ان پر جائز نہیں تو کسی کافر کا تسلط کیسے جائز رکھا جاسکتا ہے اگر کسی وقت مسلمانوں کے کسی فرد یا جماعت نے ظالم حکومت کے اکراہ و اجبار سے کچھ ایسی شرائط تسلیم کر لیں جو شریعت اسلام کے خلاف ہیں تو یہ شرائط باطل ہیں ان کا ایفاء نہ ان کے ذمہ ہے اور نہ دوسرے مسلمانوں کے ذمہ جیسا کہ عالمگیری کتاب السیر باب ثالث میں بالفاظ ذیل مذکور ہے۔

(۱) جامع الترمذی: ابواب الاحکام: باب ما ذکر عن النبی ﷺ فی الصلح بین الناس: ۳۸۳/۱ رحمانیہ

(۲) وعلى الغاصب رد العين المغصوبة معناه مادام قائماً: لقوله عليه السلام على اليد ما اخذت حتى ترد ما وقال عليه السلام: لا يحل ان ياخذ متاع اخيه لاعباً ولا جاداً۔ فان اخذه فليرده عليه الهدايه ۳۷۱۳:

کتاب الغصب مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

وان شرطوافی الموادعة ان یرد علیہم من جاءنا مسلماً منهم بطل الشرط ولم یجب الوفاء به کذا فی الکافی۔ (۱)

”جو مسلمان حکومت کافرہ کی خوشنودی و رضا جوئی کے لیے مساجد پر ایسی قیود عائد کرنا یا کرانا چاہتے ہیں بلاشبہ سخت گنہگار ہیں البتہ جو منکرات یا ایسے امور جو حرمت مسجد کے خلاف ہوں اگر مسجد میں ہوتے دیکھیں تو ان کے انسداد کی کوشش کرنا ضروری ہے جیسا کہ حضرت مجیب مدظلہم نے بوضاحت تحریر فرمایا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد شفیع غفرلہ خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند۔ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ۔

نشان مہر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند۔

هذا هو الحق احق ان یتبع ابوالقاسم محمد حفظ الرحمن کان اللہ سیواوی۔ ما کتب مولانا فهو صحیح

بلا ریب ریاض الدین عفا عنہ خادم الطلبة جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

هذا هو الحق وعلیہ التعویل واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل۔

ابوالحسن محمد سجاد البہاری کان اللہ

الجیب مصیب احقر محمد اسماعیل سنبھلی خادم مدرسہ قاسم العلوم شاہی مسجد مراد آباد الجواب۔ صحیح

بندہ محمد عزیز گل عفا عنہ

الجواب صواب بلا ریب

نبیہ حسن عفا اللہ

الجواب صحیح

سید اختر حسین

الجواب صحیح

سعید احمد گنگوہی

الجواب صحیح

محمد رسول خان عفا عنہ

الجواب صواب

ظہور احمد غفرلہ

للہ در الجیب

بشیر احمد غفرلہ

الجواب صحیح

عبدالسمیع عفا عنہ

الجواب صواب

بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب حق

بندہ محمد جلیل غفرلہ

قرأت مرة بعد مرة هذه الرسالة المفيدة الغراء النافعة للاسلام والمسلمين والمفتيين

والمستفتين التي افادنا بها الحبر العلام والبحر الطمطم المولى المقدم حاذى حذو جده اسد الله

على المرتضى (كرم الله وجهه) الذى لا يخاف فى الله لومة لائم غير ملتفت الى قول كفور ولا اثم

جامع البحرين اللابس من تقوى القلب والعلوم المصطفوية ببردين المولى حسين احمد زين الله

به صدارة التدريس فى دارالعلوم الديوبندية فوجدتها تشفى الصدور وتجلوا الكروب وتزيل

غواية الجهل وتهدى المسلمين الى بيضاء ليلها ونهارها سواء وانا مصدقها حرفاً حرفاً وما ذا بعد

الحق الا الضلال۔

وانا عبده المدعو بمحمد اعزاز علی المدرس فی دارالعلوم الدیوبندیۃ (۱۸/ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ)  
 ①..... مساجد کی بنا گواہی بذات صلوٰۃ اور نماز کے لیے ہے جیسا کہ لفظ مسجد سے واضح ہے مگر عند الضرورت  
 جو امور ذکر اللہ کے مصداق بن سکیں۔ وہ اس کے ساتھ ملحق ہو کر درست ہیں بشرطیکہ اصل مقصود میں وہ امور مخل نہ  
 ہوں جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے نوٹ میں اس کی تصریح فرمادی ہے۔

②..... مساجد پر قبضہ یا تصرف غیر مسلم شرعاً درست نہیں۔

③..... تمہید سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض امور فقہاء نے مسجد میں ناجائز یا مکروہ لکھا ہے کہ وہ بھی تمہید کے  
 عموم میں آگئے جیسا کہ کلام مباح کی بحث ہے۔ کیونکہ اس کا استثناء بدیہی ہے اور ظاہر ہے کہ اسی وجہ سے حضرت  
 مفتی صاحب نے تعرض نہیں کیا۔

عبد اللطیف عفا اللہ عنہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم ۲۲/ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

الاجوبۃ کلھا صحیحۃ تفصیلی جوابات صحیح ہیں

ضیاء احمد عفی عنہ قدوسی بندہ عبد الرحمن غفرلہ از مظاہر علوم

تفصیلی جواب صحیح ہیں تمام جواب صحیح ہیں

عبد الشکور غفرلہ بندہ منظور احمد غفرلہ سہارنپوری

امیر الہند حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے تحریر کردہ جوابات کے ہر حرف کی تصدیق کرتا ہوں۔ نور محمد از  
 مظاہر علوم سہارنپور۔

تنبیہ کی روشنی میں سوالات کے تفصیلی جوابات درست ہیں مساجد کے آداب اور ان کے کامل احترام اور ان  
 تمام خصوصیات کے ساتھ جن سے قدرتی طور پر عام مکانات اور مساجد اللہ میں امتیاز قائم ہو جاتا ہے مفاد اسلامی  
 سے متعلق تمام امور مسجد میں درست ہیں جن میں وہ تمام مجامع بھی داخل ہیں جو حکومت مسلطہ کے مظالم کے خلاف  
 وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔ کتبہ عتیق الرحمن عثمانی مفتی ڈابھیل ضلع سورت۔ ۶/ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۱ھ  
 الجواب صحیح۔ خاکسار سراج احمد رشیدی عفی عنہ مدرسہ ڈابھیل۔

مساجد کے احکام کے متعلق جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ بھی سلف سے پایا جاتا ہے اور جو کچھ احادیث میں  
 ہے وہ بھی امت دیکھ لے۔ محمد انور عفا اللہ عنہ۔

اصاب الحیب الجواب صواب

سید محمد ادریس غفرلہ مدرسہ ڈابھیل بندہ محمد در عالم عفا اللہ عنہ مدرسہ ڈابھیل

عبد البجار مدرسہ ڈابھیل

قد اصاب من اجاب

احقر سید احمد رضا عفا اللہ عنہ ناظم مجلس علمی ڈابھیل

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کو

ناظم مظاہر علوم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ کا

خراج عقیدت

امام شریعت چوں رخت از جہاں بست زدلبہائے دنیا

ہمہ خرمی رفت

چو آں نیر علم و دانش فروشد

زبزم جہاں نور و تابندگی رفت

پئے سال تاریخ بنوشت اسعد

بدار البقا — پارسا مولوی رفت

۱۳۷۷ھ

مقالہ مولانا حمید الرحمن

## نكاح وطلاق

## مہر فاطمی کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ کا موقف

﴿س﴾

مہر فاطمی کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی رائے عدم تاکید کی ہے لیکن حضرت والا اس بارے میں نہایت تاکید فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ (۱)

﴿ج﴾

مہر فاطمی کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی رائے سمجھنے سے قاصر ہوں (اولاً) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ قدس اللہ اسرارہم نے اپنے اپنے متعلقین کا نکاح مہر فاطمی پر کیا ہے (۱) جو یقیناً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ سے اعلیٰ وارفع تھے اور ان کے اساتذہ تھے (ثانیاً) ہندوستان کے رواج

(۱) مرتب مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحی رحمہ اللہ اس مکتوب کے حاشیہ میں لکھتے ہیں ”عرصہ ہوا جب مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح مہر فاطمی پر خود پڑھا دیا تھا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ مرحوم کو اطلاع دی تھی کہ شکر ہے کہ باپ نے بیٹی کا عقد نکاح مہر فاطمی پر باندھ دیا اور بہ یک کر شہہ دونوں سنتوں پر عمل ہو گیا حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جو اب فرمایا کہ سلیمان کی حکومت میں رعایا کی حق تلفی کیوں کی گئی اور مہر مثل جو عروسہ کا شرعی حق تھا محروم رکھا گیا۔“ یہ روایت رافع المحروف کو اعظم گڑھ میں پہنچی تھی حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کا مہر فاطمی پر اصرار دیکھ کر خلجان ہوا کہ یہ دونوں بزرگ مشائخ اور ائمہ وقت ہیں اس طرح کا اختلاف مسائل فقہ میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تاہم رفع خلجان کے لیے بارگاہ مدنی میں رجوع کرنا پڑا اور یہ والا نامہ حاصل ہوا۔ (حاشیہ مکتوبات ۵۸/۲)

(۱) مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے کمافی عامۃ روایات الحدیث۔ اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی۔ (جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب ۴۲۴/۱ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

”عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما علمت رسول اللہ ﷺ نکح شیئاً من نسائہ ولا أنکح شیئاً من بناتہ علی اکثر من اثنتی عشر أوقیة رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ الخ“  
 ”(من اثنتی عشرة أوقیة) وہی أربع مائة وثمانون درهما“ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب الصداق، الفصل الثانی ۳۵۹/۶ رشیدیہ)

مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے۔ کمافی عامۃ روایات الحدیث اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی (جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب ۴۲۴/۱ دارالعلوم کراچی)

ان صدق فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا کان أربع مائة مثقال فضة، وكذا ذکرة صاحب المواہب ولفظہ: ان النبی ﷺ قال لعلی: ”ان اللہ عزوجل امرنی أن أزوجه فاطمة علی أربع مائة مثقال فضة“ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب الصداق، الفصل الثانی ۳۶۰/۶ رشیدیہ)

(و كذا فی شرح العلامة الزرقانی علی المواہب اللدنیة، باب ذکر تزویج علی بفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کتاب المغازی: ۳۶۳/۲ مکتبہ عباس احمد الباز مكة المكرمة)

عامہ میں مہر وصول نہیں کیا جاتا ہے، اگر کبھی ضرورت ہوتی ہے تو طلاق یا موت کے بعد صاحب جائیداد کے یہاں ہوتی ہے، ورنہ عموماً مہر کا مانگنا وصول کرنا قبل العقد نہ بعد العقد (جیسا کہ عرب کا دستور ہے) کبھی نہیں ہوتا بلکہ عادتاً نہایت معیوب شمار ہوتا ہے، کیا یہ حق تلفی نسواں نہیں؟ اگر اس عادت کو چھوڑ دیا جائے اور مہر کے ادا کرنے کی رسم (جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہے) جاری کر دی جائے تو یقیناً عورتوں کو بہت سی آسانیاں اور کشائش ہو جائے گی۔ یہ حق تلفی کیوں کی جا رہی ہے؟ (۱) (ثالثاً) مہر مثل بہت سے خاندانوں کے اتنے ہیں کہ موجودہ زمانہ کا مسلمان ہندوستانی اس کے ادا کرنے کا خیال بھی نہیں کر سکتا، واقعیت تو درکنار کتب فقہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر نکاح میں زوج کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ ہو تو زوجین کا اجتماع سفاح ہوگا۔ بتلائیے کہ وہ خاندان جو کہ زمانہ حکومت اسلامیہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں کے مالک تھے آج بھی ان کے یہاں لاکھوں کی مقدار پر یا ہزاروں کی مقدار پر مہر چلتے آتے ہیں، اور بہت سے خاندان والے زیادہ سے زیادہ مہر کی عادت کئے ہوئے ہیں، محض تقاضا اور نام آوری کے لیے اور اس پر بھی بار توتوں میں رد و قدح اس قدر ہوتی ہے کہ جس کی حد نہیں۔ شرافت اور عالی خاندان کا معیار ہی ان بیوقوفوں کے یہاں مہر کا غالی ہونا ہو گیا ہے۔ ان صورتوں میں زوج کیسے ارادہ ادا کر سکتا ہے؟ اس کے گھر میں اتنے کچھ نرے بھی نہیں جتنا مہر باندھا جاتا ہے۔ زبان زد یہ ہو گیا ہے کہ بی بی سے معاف کرالیں گے بلکہ بعض بیوقوف تو یہ کرتے ہیں کہ بی بی کو پہلی شب میں مجبور کر کے معاف کراتے ہیں ایسی صورتوں میں ارادہ ادا کر مہر کہاں پایا جاتا ہے؟ (رابعاً) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں اس حق تلفی کا احساس کیا اور مغالاة فی الصداق سے کیوں منع کیا؟ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی ازواج اور بنات کو نظیر میں پیش کیا۔ (۲)

(۱) فالْمَهْرُ يَتَأَكَّدُ بِأَحَدٍ مَعَانِ ثَلَاثَةٍ: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت احد الزوجين، سواء كان مسمى او مھر المثل حتى لا يسقط شئني منه بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق (بدائع الصنائع كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۵۲۰/۳ دارالكتب العلميه، بيروت) "وتجب العشرة ان سماها أودونها، ويجب الأكثر منها ان سمي الأكثر، ويتأكد عند وطىء او خلوة صحت من الزوج" الدرالمختار كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳ سعید)

(و كذافي مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۳۶/۱ دار احیاء التراث العربی بیروت، و كذافي البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر ۲۵۱/۳ رشیدیہ)

(۲) "عن أبي العجفاء السلمي، قال خطبنا عمر بن الخطاب: فقال ألا! لا تغالوا بصدق النساء، فانها لو كانت مكرمة في الدنيا او تقوى عند الله، كان أو لكم بها النبي ﷺ، ما أصدق رسول الله ﷺ امرأة من نسانه ولا أصدقت امرأة من بناته أكثر من اثنتي عشرة اوقية، صحيح۔" (سنن ابی داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق: ۲۹۴/۱، امدادیہ ملتان) (ومشکوٰۃ المصابیح، كتاب النكاح، باب الصداق ۲۷۷/۲ قديمی) و كذافي حجة الله البالغة، كتاب النكاح، باب عدم المغالاة في الصداق: ۳۳۳/۲ قديمی

(خامساً) جس طرح غلط رسوم کی اصلاح کی کوششیں کی گئی ہیں اس کی بھی ہونی چاہیے۔ ایک سو تیس ۱۳۲  
تولہ چاندی (پانچ سو درہم) ایسی مقدار ہے کہ عام طور پر مسلمان ادا کر سکتا ہے اور اس کا ارادہ بھی رکھ سکتا ہے۔  
علاوہ ازیں یہ ایک متبرک طریقہ خاتون جنت (رضی اللہ عنہا) کا ہے جس سے فال حسن اور برکات عظیمہ کا موقعہ حاصل  
ہوتا ہے ظاہر ہے کہ جب ہندوستانی اذہان میں مہر کا وصول کرنا موجود ہی نہیں ہے اور نہ اس کو معاوضہ بضع سمجھا  
جاتا ہے بلکہ شرعی رسم خیال کر کے اس کو ذکر کر دینا ضروری سمجھا جاتا ہے تو کیوں نہ وہ عدد لیا جائے جو سب میں  
برکت والا ہونہ ادنیٰ ترین مقدار مہر (درہم) ہو اور نہ اعلیٰ ترین (قناطیر مقنطرة) ہو، شرافت اور عزت اس  
سے زیادہ کیا ہوگی کہ سیدۃ نساء اہل الجنت اور سرکار کائنات ﷺ کے جسم مبارک کے ٹکڑے کا یہ مہر ہے، فاطمہ  
بضعتہ منی، مشکوٰۃ ص ۵۶۸ حدیث پر غور فرمائیے۔

باوجود ان امور کے میں خود اگر کوئی نکاح پڑھتا ہوں تب ہی یہ شرط ہوتی ہے اور اگر پڑھنے والا کوئی دوسرا  
ہوتا ہے تو شرط نہیں ہوتی شریک ہو جاتا ہوں۔ (۱) (مکتوبات ۵۸۱-۵۹)

## نکاح میں شیعوں کی گواہی



عقد نکاح میں علاوہ سنی گواہوں کے ایک شیعہ بھی ہو تو ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوتا ہے یا نہیں۔



اگر علاوہ شیعہ کے دوسرے گواہ سنی موجود ہوں تو نکاح ضرور ہو گیا (۲)، گواہوں کے لیے یہ ضروری نہیں

(۱) وعن المسور بن مخرمة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبني وفي  
رواية يريبنی ما اربها ويوزيني ما اذاها متفق عليه (باب مناقب اهل بيت النبي ﷺ رضی اللہ عنہم  
الفضل الاول صفحہ ۵۶۸ قدیمی)

(۲) الرافضی ان كان يسب الشيخين ويلعنهما، فهو كافر۔ (خلاصة الفتاوى: ۳۸۱/۴ کتاب الفاظ الكفر  
الفصل الاول، الكراهية، رشيدية)

”ثم من المعلوم ضرورة ان قذف امر المؤمنين عائشة رضی اللہ عنہا كفر سواء كان سراً أو جهراً۔“  
(ردالمحتار ۴۳۴ کتاب الحدود، باب حد القذف، سعيد)

”نعم لاشك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضی اللہ عنہا، أو أنكر صحبة الصديق، أو اعتقد الألوهية في علي  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ، أو أن جبريل عليه السلام غلط في الوحي، ذلك من الكفر الصريح المخالف للقران۔“ (ردالمحتار،  
کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب مهم في حكم سب الشيخين ۳۶۳/۶ رشيدية) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ کہا جائے کہ تم گواہ رہو، مجلس عقد میں حاضری اور الفاظ عقد کا سننا کافی ہے عورت کے سامنے اجازت لینے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں عقد نکاح ہو جائے گا، ایجاب و قبول کے وقت جس میں عورت کا وکیل موجود ہے گواہوں کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ فضولی کا عقد بھی صحیح ہوتا ہے۔ (مکتوبات ۲۸۱/۱) (۱)

## کابین نامہ



کابین نامہ کے ذریعہ شوہر کی طرف سے تفویض طلاق درست ہے یا نہیں۔



کابین نامہ میں تفویض طلاق اگر شوہر کی طرف سے کر دی جائے گی تو یقیناً صحیح ہوگی اور عورت کو اختیار ہوگا کہ حسب شرط وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر لے البتہ تفویض طلاق کی صورت کتب فقہ میں دیکھ لی جائے۔ (مکتوبات ۲۸۱/۱) (۲)

(باقی حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ”ووجب اكفار الروافض في قولهم: يرجع الاموات الى الدنيا ..... ويقولهم: ان جبريل غلط في الوحي الى محمد ﷺ دون علي رضي الله عنه - وهؤلاء القوم خارجون عن الاسلام، واحكامهم المرتدين“ الفتاوى التاتارخانيه، كتاب احكام المرتدين، فيمن يجب اكفاره من اهل البدع ۵۳۸۵ ادارة القرآن كراچي ..... ”الرافضى اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما - والعياذ بالله ..... فهو كافر ..... ولو قذف عائشة رضي الله تعالى عنها بالزنا، كفر بالله ..... من انكر امامة ابي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه فهو كافر ..... ويجب اكفار الروافض في قولهم برجة الاموات الى الدنيا وبتناسخ الارواح، وبانتقال روح الاله الى الالائمة، ويقولهم في خروج امام باطن، وبتعطيلهم الامر والنهي الى ان يخرج الامام الباطن، ويقولهم: ان جبريل عليه السلام غلط في الوحي الى محمد ﷺ دون علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه، وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين كذافي الظهيرية“ (الفتاوى العالمگیریه، كتاب السير، الباب التاسع في الاحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر انواع منها ما يتعلق بالايمان والاسلام: ۲۶۳/۲ رشیدیہ)

- (۱) او شروط سماع كل من العاقدین لفظ الاخر، لیتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين (حرین) أو حرو حریتین (مكلفین سامعین قولهما معا) على الاصح الدر المختار مع ردالمحتار مطلب هل ینعقد النكاح بالالفاظ المصحفة نحو تجوزت كتاب النكاح جلد ۲ صفحہ ۹۷ (رشیدیہ جدید)
- (۲) اذا قال لها: طلقی نفسك سواء قال: لها ان شئت أولا، فلها ان تطلق نفسها في ذلك المجلس خاصة، وليس له ان يعزلها - ولذا اذا قال لرجل: طلق امرأتی، وقرنه بالمشیئة، فهو كذلك، وان لم يقرنه بالمشیئة: كان توکیلاً، ولم يقتصر على المجلس، ويملك العزل عنه - الفتاوى العالمگیریه؛ ۴۰۲/۱، كتاب الطلاق، الباب الثالث في تفویض الطلاق، الفصل الثالث في المشیئة، (رشیدیہ) رو كذا في البحر الرائق: ۵۷۲/۳، كتاب الطلاق، فصل في المشیئة، رشیدیہ (و كذا في الدر المختار: ۳۳۲/۳، ۳۳۳، باب الامر باليد، فصل في المشیئة رشیدیہ)

## نکاح کا خطبہ بیٹھ کر پڑھنا

﴿س﴾

نکاح کے وقت کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا مسنون ہے یا بیٹھ کر۔

﴿ج﴾

اصل خطبوں میں کھڑے ہو کر ہی پڑھنا ہے مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے، ہندوستان میں عام طور پر اب یہی رواج ہے عرب میں بھی یہی رواج ہو گیا ہے۔ (۱) (مکتوبات ۲۸۱/۱)

## مرد کے لیے تعدد از دواج کی حکمت

﴿س﴾

تعدد از دواج کے مسئلہ میں چار بیویوں تک کی اجازت میں کیا حکمت نظر آتی ہے۔

﴿ج﴾

چونکہ انسان قوت علمیہ اور عملیہ کا حاصل ضرب ہے اور زوجیت مساوات کو مقتضی ہے (عقلاً و عرفاً) اس لیے عورت کی مساوات بالرجل چارہی سے ہو سکتی ہے کیوں کہ احادیث بتلاتی ہیں کہ عورت کی قوت علمیہ نصف رجل ہے جس پر نصاب شہادت دلالت کرتا ہے قولہ تعالیٰ 'فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان (الآیہ) یہ نص ہے اور قوت عملیہ بھی نصف ہے جس پر لفظ شطر دینہا الحدیث دلالت کرتا ہے دین عمل سے ہی ہوتا ہے فلہذا عورت نصف قوت علمیہ اور نصف قوت عملیہ کی حاصل ضرب ہوئی اگر  $۱/۲ + ۲/۴$  ضرب دیں تو حاصل ضرب  $۱/۴$

(۱) ان النبی ﷺ جلس ذات یوم علی المنبر، وجلسنا حوله، فان الجلوس فی حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیس لخطبة الجمعة ولا لخطبة معروفة غیرها، وانما هو لموعظة وتذکیر، ولم یثبت عنہ ﷺ الجلوس بخطبة، وانما خطب قائماً، ولذا ذهب بعضهم الی اشتراط القیام لها، وان کان الاشتراط علی خلاف رأی الجمهور۔ (معارف السنن، باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب سعید ۳۶۸)

(و کذا فی فتح الباری، کتاب الجمعة، باب الخطبة قائماً ۵۰۹۲، ۵۱۰ قدیمی)

نکلتا ہے اس لیے چار عورتیں ایک مرد کے مساوی اپنی فطری قوت سے ہو سکیں گی۔ (۱) (مکتوبات ۲۹۳/۲)

## نکاح میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں

﴿س﴾

عقد نکاح کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

عقد نکاح کے لیے مذہب حنفی میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں البتہ ثبوت عند القاضی کے لیے عدالت شرط ہے تحقق نکاح فاسق معلن بالفسق گواہ سے بھی ہو جاتا ہے۔ (۲) (مکتوبات ۲۸۰/۱)

## کفر سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے

﴿س﴾

اگر بعض افراد کفریہ عقائد اختیار کر لیں تو ان کی بیویوں سے ان کا نکاح باقی رہے گا یا تجدید ضروری ہوگی۔

﴿ج﴾

ایسے لوگ اگر ایسے افعال یا اقوال عمل میں لاتے ہیں جو کہ کفر جحود اور صریح شرک ہیں اس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی اور نہ ان میں کوئی اختلاف ہے تو یقیناً کافر ہو گئے اور ان کا نکاح ٹوٹ گیا ان سے توبہ کرانی چاہیے

(۱) ”والحکمة فی کثرة ازواجه ان الاحکام التي لیست ظاهرة یطلعن علیها، فینقلنها، وقد جاء عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا من ذلك الكثير الطیب، ومن ثم فضلها بعضهم علی الباقیات“ (فتح الباری، کتاب الغسل، باب: اذا جامع ثم زار، ومن دار علی نسانہ فی غسل واحد ۴۹۹/۱ قدیمی)

” ذکر فی حکمة تکثیر نسانہ وحبہ فیہن اشیاء: الاول: زیادة فی التکلیف حتی لا یلہو بما حبب الیہن عن التبلیغ: الثانی: لیکون مع من یشاہدها۔ فیزول عنہ ما یرمیہ بہ المشرکون من کونہ سباحراً۔ الثالث: الحث لآمتہ علی تکثیر النسل۔ الرابع: لتشرف بہ قبائل العرب بمصاہرتہ فیہم۔ الخامس: لکثرة العشیرة من جهة نسانہ عوناً علی اعدائہ۔ السادس: نقل الشریعة التي لا یطلع علیہا الرجال۔ السابع: محاسنة الباطنة، فقد تزوج ام حبیبیة وأبوها فی ذلك الوقت عدوة، وصفیة بعد قتل ابیہا تزوجها فلو لم تطلع من باطنہ علی انه اکمل الخلق، لنفرن منه۔“ (تلخیص الجبیر الجبیر، فصل فی التخفیف فی النکاح ۱۳۶/۳، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکة المکرمة)

(۲) (فاهمین) انه نکاح علی المذہب بحرر مسلمین لنکاح مسلمة ولو فاسقین او محدودین فی قذف الدرالمختار ۲۳/۳ کتاب النکاح

اور نکاح کی تجدید کرانی چاہیے اور اس کے بعد اگر وہ توبہ نہ کریں اور اپنے کفر پر اصرار کریں، سمجھانے بجھانے پر بھی نہ سمجھیں تو میان بیوی کا علاقہ صحیح نہیں ہے عورت کو جدا کر دینا چاہیے اور اگر نہ مانیں اور عورت اگر اسلام پر قائم رہی تو اولاد حلالی نہ ہوگی اور اگر وہ بھی خاوند کی طرح سے کفر پر قائم ہو جائے تو کافروں کی اولاد کی طرح ہوگی اور اگر یہ شرک صریح نہیں ہے نہ کفر جود ہے یا مختلف فیہ ہے یا کوئی تاویل قوی یا ضعیف کلام میں پائی جاتی ہے تو یہ شخص فاسق یقینی ہے توبہ کرانی چاہیے نکاح نہ ٹوٹے گا اور تجدید عقد کی ضرورت نہ ہوگی۔ (۱)

(مکتوبات ۸۲/۳)

### ناشرہ عورت کا نفقہ شوہر پر نہیں ہے

﴿س﴾

میری بیوی میرے ساتھ نہیں رہتی۔ بلانے پر میکہ سے نہیں آتی۔ کیا اس کا نفقہ میرے ذمہ ہے۔

﴿ج﴾

اگر بیوی اپنے شوہر کے یہاں باوجود طلب شوہر نہ آئے تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ (۲)

(مکتوبات ۱۶۲/۳)

(۱) ما یكون کفراً اتفاقاً يبطل العمل والنکاح واولاده اولادزنا وما فيه خلاف یومر بالاستغفار والتوبة وتجديد النکاح وقال الشامي: ای احتياطاً كما في الفصول العماديه وزاد فيها قسماً تالفاً فقال وما كان خطأ من الالفاظ ولا یوجب الکفر فقائله یقر علی حاله ولا یومر بتجدید النکاح ولكن یومر بالاستغفار و الرجوع عن ذلك (شامی ۳۷۷/۶) مطلب جمله من لا یقتل اذا ارتد، باب المزدت رشیدیہ جدید

(۲) ”ولا نفقة لنا شزة خرجت من بيته: ای الزوج بغير حق واذن من الشرع اولو عادت الی منزله بعد ما سافر، اجابوا: خرجت عن أن تكون ناشزة، سكب الأنهر علی مجمع الأنهر: ۴۹۶/۱ (سكب الأنهر علی مجمع الأنهر - کتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۷۹/۲، غفاریہ) (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵۳۵/۱، الفصل الاول فی نفقة الزوجة، رشیدیہ) (و کذا فی تنویر الابصار مع الدرالمختار: ۵۷۳-۵۷۶-۵۷۷، باب (النفقة، سعید) (و کذا فی الفتاویٰ التاتار خانیه ۱۹۲/۳، الفصل الاول فی بیان من یتحق النفقة ادارة القران

کراچی)

## اسلام لانے کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں

﴿س﴾

ایک پارسی مرد اور عورت مشرف باسلام ہوئے کیا ایسی صورت میں تجدید نکاح ضروری ہوگا۔

﴿ج﴾

اس صورت میں پہلا نکاح کافی ہے دوسرا نکاح ضروری نہیں۔ (۱) (مکتوبات ج ۳ ص ۲۱۸)

## ایک مجلس میں تین طلاقیں

(ایک مجلس میں تین طلاق کے وقوع سے متعلق مجموعہ روایات)

(۱) عن عائشة ان رجلاً طلق امراته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبي ﷺ اتحل للاول قال لا

حتى تذوق عسيلتها كما ذاق الاول۔ (۲)

(۲) حديث الملاعنة وفيه " فطلقها ثلاثاً قبل ان يا مرة رسول الله ﷺ قال ابن شهاب فكانت

سنة المتلاعنين۔"

(۳) مالك انه بلغه قال لابن عباس اني طلقت امراتي مائة تطليقة فماذا تأمرني؟ فقال له ابن

عباس بانك منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزواً۔ (۳)

(۴) حديث ابن عمر: وفيه قال كان ابن عمر اذا سئل عن الرجل يطلق امراته وهي حائض

يقول اما انت طلقتها واحدة او اثنتين ان رسول الله ﷺ امره ان يراجعها ثم يمهلهما حتى تحيض

حيضة اخرى ثم يمهلهما حتى تطهر ثم يطلقها قبل ان يمسهما واما انت طلقتها ثلاثاً فقد عصيت

ربك فيما امرك به من طلاق امراتك وبانت منك قوله اما انت فقال القاضي عياض هذا مشكل

قال انه بفتح الهمزة من اما اما ان كنت فحذفوا فعل الذي يلي انـ وجعلوا ما عوضاً من الفعل

فتحوا ان وادغموا النون في ما وجاء ابانت مكان العلامة في كنت الخ (۴)۔

(۱) اسلم المتزوجان بلا سماء شهود او في عدة كافر معتقدين ذلك اقرا عليه لانه امرنا بتركهم وما يعتقدون

(درمختار ۱۸۶۳)

(۲) صحيح بخاری ج ۲ ص ۳۰۰ باب من اجاز الطلاق الثلاث مکتبه رحمانيه

(۳) بخاری شريف باب اللعان ومن طلق بعد اللعان ج ۲ ص ۸۰۰

(۴) مسلم شريف ج ۱ ص ۲۷۸ كتاب الطلاق باب الطلاق الثلاث قديمي

(٥) عن ابن عباس: قال كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا في امر كانت لهم فيه اناة فلو مضيناه عليهم فامضاه عليهم-

(٦) ان ابا الصهباء قال لابن عباس رضى الله تعالى عنهما اتعلم انما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد النبي ﷺ وابى بكر وثلاثا من اماره عمر؟ فقال ابن عباس نعم-

(٧) ان ابا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك الم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر واحدة فقال قد كان ذلك فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فاجازه عليهم قال النووي: وقد اختلف العلماء رحمهم الله تعالى فيمن قال للمرأة انت طالق ثلاثا فقال الشافعي ومالك وابو حنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث وقال طاؤس وبعض اهل الظاهر لا يقع الا واحدة واحتج الجمهور بقوله تعالى "ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك امراً" قالوا معناه ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البيونة فلو كانت الثلاث لم يقع طلاقه الا رجعيًا فلا يندم واحتجوا بحديث ركائة انه طلق امراته البتة فقال النبي ﷺ الله ما اردت الا واحدة قال الله ما اردت الا واحدة فهذا دليل على انه لو اراد الثلاث لو قعن والا لم يكن لتحليفه معنى الخ واما حديث ابن عباس فاختلف العلماء في جوابه وتاويله فالاصح ان معناه ان كان في الامر الاول اذا قال لها انت طالق انت طالق انت طالق ولم ينو تأكيداً ولا استينافاً يحكم بوقوع طلقة واحدة لقلة ارادتهم الاستيناف بذلك فحمل على الغالب الذي هو ارادة التأكيد فلما كان في زمن عمر و كثر استعمال الناس بهذه الصيغة وغلب منهم ارادة الاستيناف بها حملت عند الاطلاق على الثلاث عملاً بالغالب السابق الى الفهم منها في ذلك الخ

(٨) ان حفص ابن المغيرة طلق امراته فاطمة بنت قيس على عهد رسول الله ﷺ ثلث تطليقات في كلمة واحدة فابا نها منه النبي ﷺ ولم يبلغنا ان النبي ﷺ عاب ذلك عليه

(٩) عن ابن عباس في رجل طلق امراته الفأ فقال امثلث فتحرم عليك امرأتك وبقيتهن عليك وزراتخذت آيات الله هزولاً (١)

(١٠) عن مجاهد عن ابن عباس انه سئل عن رجل طلق امراته مائة تطليقة قال عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً (٢) (مخطوطات مباركة ص ١٤٣)

(١) ج ٤ صفحه ٥٨٣ حديث نمبر ١٣٩٣٣ (دار الحديث قاهرة، بيروت)

(٢) ج ٤ صفحه ٥٨٣ حديث نمبر ١٣٩٣٥ (دار الحديث قاهرة، بيروت)

## داڑھی نہ رکھنے پر عتاب

ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ معینیہ اجمیر میں وعظ فرمایا۔ مجلس کے اختتام پر ایک شخص حضرت سے مصافحہ کے لیے آگے بڑھا شیخ کی نگاہ اس کے چہرہ پر پڑی پس بہت ہی غصہ میں فرمایا: کہ شرم نہیں آتی مصافحہ کرنے کے لیے آگئے اور تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے نفرت ہے حضرت کے ان الفاظ کا اس کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار رو پڑا اور کہنے لگا کہ توبہ! توبہ! میں کبھی بھی داڑھی نہ منڈاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد سے اس نے داڑھی نہیں منڈائی۔ - الجمعیتہ - شیخ الاسلام نمبر ۳۹۷

## جائز و ناجائز افعال

## ایک وقف کی آمدنی دوسری جگہ خرچ کرنا

﴿س﴾

کسی وقف مسجد کی فاضل آمدنی جس کی اس مسجد میں ضرورت نہ ہو کیا دوسری مسجد کی ضروریات یا دین کے دوسرے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دارالحرب میں واقع بنکوں کا سود اپنی ضروریات میں استعمال کرنا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

واما علماء الهند فقد افتوا بجواز صرف اوقاف المسجد اذا كان المسجد الموقوف عليه مستغنياً على غير الموقوف عليه من المساجد بل افتوا بجواز ذلك على وجوه اخرى ايضاً غير المساجد (۱) وان شئتم فاطلبوا نقل ذلك عن دار الافتاء بدار العلوم ديوبند فانه قد وقع هذا في زمان حضرة مولانا عزيز الرحمن صاحب مرحوم للرائد وغيرها ان شئتم على الاسر بواسطة القاضي مسعود احمد تجدونه ان شاء الله ولكن ارى ان هذا الامر لا تقنع اراكين الجامع، وكذلك الامر في اخذ الربوا من المخزون في البنك وان المسئلة عند الحنفية بينة فان ابا حنيفة يبيح ذلك في دار الحرب خلافاً للصاحبين والثلاثة ولكن اذا ذكرت هذه الرخامات للسيد زكي البرزنجي فلعله يفوز بنص في مذهب الشافعية ايضاً لذلك، واما الحنفية فقد افتوا بجواز بل بوجوب اخذ الربوا من البنوك الا فرنجية التي بالديار الحربية، وانه لا يجوز تبرك شئ من ذلك، وقد شاء قبل فتوى الجمعية بذلك لعلكم تصلون اليها في دفتر الجمعية او عند المفتي كفايت الله ولكن ارى ان هذا ايضاً لا يقنع ارباب الجامع (مكتوبات ۱/ ۳۸۳) (۱)

ہاں علماء ہند نے فتویٰ دیا ہے کہ ایک مسجد کے اوقاف دوسری مسجد کی ضروریات میں صرف کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ مسجد کی ضرورت نہ ہو، بلکہ غیر ضروری آمدنی کو غیر مساجد پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ دیوبند کے دارالافتاء سے اس کی سند منگا لیجئے، کیونکہ اس قسم کے فتاویٰ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مرحوم کے سامنے راندریو وغیرہ سے آئے تھے، اگر قاضی مسعود کے ذریعہ اس کی تلاش کرائیں تو انشاء اللہ مل جائے گا۔ لیکن ارکان مسجد کو تشفی نہ ہوگی، یہی حال بنک کے سود کا بھی ہے۔ یہ مسئلہ بھی حنفیہ کے نزدیک واضح ہے۔ کیونکہ امام

(۱) (قوله: الا اذا خيف): اي بان اجتمعت عنده اموال المسجد وهو مستغن عن العمارة والا فيضمنها، كما في القهستاني - (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب، كلمة لابأس دليل على أن المستحب غيره الخ: ۶۵۸، سعيد) ايضاً ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل تقاض المسجد ونحوه - ۳۶۰، سعيد)

ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے دارالہرب میں اس کی اجازت دی ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ خلاف ہیں اگر آپ ان ہنگاموں کو سیدزکی برزنجی کے یہاں لکھ بھیجیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ مذہب شافعیہ کے نصوص آپ کے پاس بھیج دیں، علماء احناف نے نہ صرف جواز ہی کا بلکہ ان بنکوں سے سود لینا واجب قرار دیا ہے جو انگریزوں نے دارالہرب میں قائم کیا ہے لہذا سود کی رقم ذرا بھی چھوڑنی جائز نہیں ہے اور جمعیتہ کا فتویٰ پہلے شائع ہو چکا ہے، دفتر جمعیتہ سے آپ کو مل سکتا ہے یا مفتی کفایت اللہ صاحب سے لیکن اس سے بھی اراکین مسجد کو تسلی نہ ہوگی۔ (مکتوبات ۳۸۱-۳۷۶)

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ جس کا حوالہ دیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے

﴿س﴾

۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ مولوی محمد ابراہیم صاحب راندری از سورت (نقل از رجسٹر ۱۳۳۰ھ)

نمبر: ۱۹۸۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد ہے جس میں روپیہ وقف ہے اور اس وقف کی صورت یہ ہے کہ واقف نے ایک کمپنی میں یہ حصہ لے کر وقف کر دیا جس کی ماہوار آمدنی جمع ہوتی رہی رفتہ رفتہ وہ اصل سے بڑھ گئی یا اس کے مساوی یا کم ہو ایسی حالت میں کہ خاص اس مسجد کو اور وہاں کی اور مساجد کو فی الحال ضرورت نہ ہو بلکہ آئندہ بھی کوئی ضرورت عرصہ دراز تک معلوم نہیں ہوتی اگر ان زائد حصص کو جو اصلی حصص سے زیادہ ہو گئے ہیں فروخت کر کے اس اہم کام یعنی معرکہ بلقان کے ترکی مجرحین و یتیموں و بیوگان اور ترکی لشکر کی امداد میں صرف کیا جائے تو شرع محمدی میں جائز ہے یا نہیں؟ نیز مسجد کے نام کوئی خاص جائیداد اور وقف نہیں بلکہ کمپنی کے وہ حصص جو مشترک ہوتے ہیں وقف ہیں فی الحال جو روپیہ آمدنی ہے اس کو دیدینا اس مد میں جائز ہے یا جو اصل وقف کی آمدنی سے حصے خریدے گئے ہیں ان کو فروخت کر کے اس مد میں دینا جائز ہے یا دونوں صورتیں جائز یا ناجائز ہیں؟ (فقط بینوا تو جروا)

﴿ج﴾

صورت مسئلہ میں زائد آمدنی وقف مذکور کی امداد مجرحین و یتامی جنگ مذکور میں صرف کرنا شرعاً درست اور جائز ہے اور ان حصص کو جو بعد میں آمدنی موقوفہ سے خریدے گئے فروخت کرنا اور چندہ ہلال احمر میں صرف کرنا بھی درست ہے۔ روایات احادیث و فقہ اس بارہ میں منقول ہے بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آمدنی اوقاف مساجد سے جو کچھ نواب مسلمین و محاربات میں صرف کیا جاوے وہ بطریق قرض ہونا چاہیے اور بعض

عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدون قید قرض کے درست ہے پس جبکہ آمدنی اس قدر روپیہ وقف مذکور سے جمع ہے کہ اس مسجد کو نہ فی الحال اس کی حاجت ہے اور نہ آئندہ کو ضرورت معلوم ہوتی ہے اور امداد مجروحین کی ضرورت اس وقت جس قدر اہم اور لا بد ہے وہ مخفی نہیں ایسی حالت میں بدون اس کے کہ رقم خرچ کردہ کو قرض سمجھا جاوے آمدنی مذکورہ امداد مجروحین جنگ ترک میں خرچ کرنا جائز بلکہ ضروری ہے فتح القدير میں ہے:

ولو اجتمع مال الوقف ثم نابت نائبة من الكفرة فاحتيج الي مال لدفع شرهم قال الشيخ الامام (محمد بن فضل) ما كان من غلة وقف المسجد الجامع يجوز للحاكم ان يصرفه الي ذلك على وجه القرض اذا لم تكن حاجة للمسجد اليه (۱)۔

عن ابى وائل قال جلست مع شيبه على الكرسي في الكعبة فقال لقد جلس هذا المجلس فقال عمر لقد هممت ان لا ادع فيهما صفراء وبيضاء الا قسمتته قلت ان صاحبك لم يفعل فقال هما المروان اقتدى بهما وقال ابن الصلاح (۲) الامر فيها (اي في كسوة الكعبة) الي الامام يصرفه في مصارف بيت المال بيعاً وعتاً واحتج بما ذكره الازرقى ان عمر كان ينزع كسوة الكعبة كل سنة فيقسم على الحاجب

محموی حاشیہ اشباہ میں ہے:

قال بعضهم لا يصرف القاضي المفاضل من الوقف على المسجد (الي قوله) قيل يعارضه ما في فتاوى الامام قاضي خاں من ان الناظر له صرف صرف فائض الوقف الي جهات البر يحسب ما يراه (۳)

ان عبارات سے واضح ہے کہ ضرورت موجودہ یعنی امداد مجروحین ویتامی جنگ ترک میں وہ آمدنی زائد اوقاف مسجد جس کی ضرورت مسجد کو نہ فی الحال ہے نہ آئندہ منظور ہے۔ صرف کرنا جائز ہے اور جن فقہاء نے یہ قید لگائی ہے کہ نواب میں قرضہ دیا جاوے اس کا منشا یہ ہے کہ اگر کسی وقت اس مسجد کو کچھ ضرورت پیش آوے تو وہ روپیہ واپس لے کر اس میں صرف کیا جاوے لیکن جبکہ آمدنی ان اوقاف کی ہمیشہ اس قدر ہوتی رہتی ہے کہ اگر بالفرض آئندہ کو کوئی حاجت مسجد کو پیش آوے تو آمدنی آئندہ کی اس کے لیے کافی ہے تو پھر اس رقم خرچ کردہ شدہ

(۱) فتح القدير ۲۴۱/۳

(۲) صحيح البخارى ج ۱ صفحه ۲۱۷ باب قول الله تعالى جعل الله الكعبة البيت الحرام قياماً للناس والشهر الحرام الي قوله وان الله بكل شىء عليم كتاب المناسك قديمي

(۳) صفحه ۱۲۳ القاعدة الخامسة: تصرف الامام على الرعية منوط بالمصلحة، قديمي

کو قرض کہنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بخاری و عمدۃ القاری و عبارات حموی کا منشا ہے واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عزیز الرحمن  
عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند۔ الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ۔ (یعنی حضرت شیخ الہند قدس سرہ)  
الجواب صواب محمد انور عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند (یعنی بحر العلوم حضرت شاہ صاحب قدس سرہ)

## مسجد میں غیر مسلم کے چندہ کا استعمال

﴿س﴾

کیا غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

﴿ج﴾

قرآن شریف میں ہے۔ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاہدین علی انفسہم بالکفر  
الایہ۔ اس لیے تعمیر مساجد میں بلا واسطہ ان کا مال نہ خرچ ہونا چاہیے ہاں اگر وہ ایسا کریں کہ کسی مسلمان کو مال کا  
مالک کر دیں اور وہ اپنی خوشی سے اس مال کو مسجد میں لگا دے تو مضائقہ نہیں۔ (۱) (مکتوبات ۱۹۷۱ء) (۲)

(۱) نیز اگر وہ عبادت سمجھ کر مسجد کی تعمیر میں تعاون کرتا ہے اور کوئی فتنہ بھی درپیش نہیں ہے تو غیر مسلم کا چندہ مسجد میں صرف کرنا  
درست ہے۔ قال فی البحر: اما الاسلام فلیس من شرطہ فصح وقف الذمی بشرط قربۃ عندنا وعندہم  
الخ۔ لو وقف علی مسجد بیت المقدس فانه صحیح لانه قربۃ عندنا وعندہم (البحر الرائق ۱۸۹/۵)  
(۲) شرط وقف الذمی ان یکون قربۃ عندنا وعندہم کا لوقف علی الفقراء وعلی مسجد القدس۔ ردالمحتار:  
۳۳۱۲، کتاب الوقف، مطلب قد یشبث الوقف بالضرورة، سعید۔ واما الاسلام، فلیس من شرطہ، فصح  
وقف الذمی بشرط کونہ قربۃ عندنا وعندہم (البحر الرائق ۳۱۶/۵، کتاب الوقف، رشیدیہ)  
(و کذافی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۵۲/۲، ۳۵۳، کتاب الوقف، الباب الاول، رشیدیہ) ”درء المفسد اولی  
من جلب المنافع۔ ای اذا تعارض مفسدة ومصلة، قدم رفع المفسدة“ شرح المجلة لسلم رستم باب  
۳۲/۱ (رقم المادة: ۳۰) المقالة الثانية فی القواعد مکتبہ حنفیہ کوئٹہ

(و کذافی الاشباہ والنظائر: ۲۹۰/۱، الفن الاول، القاعدة الخامسة ادارة القرآن کراچی)  
وفی شرح حیل الخصاص لشمس الانمة الحلوانی رحمة الله تعالیٰ: أن الشیخ الامام أبا القاسم الحکیم کان  
ممن يأخذ جائزة السلطان یقضی به دیونہ فالحیلة فی هذ المسائل ان یشتری نسیئة۔ ثم بنقد ثمنه من ای  
مال شاء (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراهیہ الباب الثانی عشر فی الهدایا ۳۳۲/۵، رشیدیہ)

(و کذافی خلاصة الفتاویٰ: ۳۳۱۲، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی المال من الاهداء والمیراث، رشیدیہ)

اذا اراد أن یحج بمال حلال فیہ شبهة، فانه یشتدین للحج ویقضی دینہ من مالم

(التاتار خانیة، کتاب المناسک، باب المنفرقات: ۵۷۶/۲، ادارة القرآن کراچی)

## مدرسہ میں غیر مسلم کا مال صرف کرنا

﴿س﴾

اگر کوئی غیر مسلم مدرسے میں عطیہ دے تو اس کا کیا کیا جائے۔

﴿ج﴾

مدرسہ دینیہ میں غیر مسلم کا چندہ لیا جاسکتا ہے اور طلباء یا دیگر مذہبی یا تعلیمی امور میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ (۱) (مکتوبات ۱۹۸/۱)

## داڑھی کا وجوب

﴿س﴾

کیا داڑھی رکھنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔

﴿ج﴾

مقصد پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری تمہید پر آنجناب غور فرمائیں۔ (الف) ہر نظام سلطنت و سیاست میں مختلف شعبوں کے لیے کوئی نہ کوئی یونیفارم مقرر ہے، پولیس کا یونیفارم اور ہے، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادہ کا اور ہے، بری فوج کا اور ہے، بحری فوج کا اور ہے، ڈاکخانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور ہے، پھر افسروں کا اور ہے، ماتحتوں کا اور ہے، اور پھر اس پر مزید سختی اور تاکید یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر یونیفارم میں کوئی ملازم نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے، خواص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے، ندما اور وزرا مقررین کا اور۔ یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ اس کے مختلف شعبوں میں علیحدہ علیحدہ یونیفارم رکھا جاتا ہے۔ جس طرح ڈیوٹی دینے والا بغیر یونیفارم مجرم قرار دیا جاتا ہے اسی طرح اگر کسی دوسرے شعبہ کا یونیفارم پہن کر آجائے اور افسروں کو اطلاع ہو جائے تو بھی اسی طرح یا اس سے زائد مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ جس طرح بغیر یونیفارم آنے والا ملازم مجرم قرار دیا جاتا ہے اور جس طرح یہ ایک نظام سلطنت و حکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے اسی طرح اقوام و ملل میں بھی ہمیشہ اس کا خیال رکھا جاتا ہے اگر آپ تفتیش کریں گے تو انگلینڈ، فرانس،

(۱) اما الاسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذی شرط كونه قرۃ عندنا وعندہم كما لو وقف علی اولادہ

الخ ج ۵ صفحہ ۳۱۶ البحر الرائق کتاب الوقف رشیدیہ

جرمنی، اٹلی، آسٹریلیا، امریکہ وغیرہ وغیرہ کو پائیں گے وہ اپنے اپنے نشانات جھنڈے یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں۔ واقف کار شخص ہر ایک کے سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا اور اسی سے میدان جنگ، ملکی و سیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے اور ہر قوم اور ہر ملت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانوں کو محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت وقائع پیش آجاتے ہیں، کسی حکومت کے جھنڈے کو گرا دیجئے کوئی توہین کر دیجئے، کہیں سے اکھاڑ دیجئے، دیکھئے کس طرح جنگ کی تیاری ہوتی ہے۔ یہ یونیفارم اور نشان صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں، بعض قوموں میں ہاتھ یا جسم میں کوئی گودنا گودا جاتا ہے، بعض میں سر پر چوٹی رکھی جاتی ہیں۔ الغرض یہ طریقہ امتیاز شعبہ ہائے مختلفہ اور اقوام حکومت و ملل کا ہمیشہ سے ہے اور تمام اقوام میں اطراف عالم میں چلا آتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو کوئی حکمہ کوئی حکومت اور کوئی قوم دوسرے سے تمیز نہ ہو سکے، ہم کو کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی ہے یا ملکی ہے، پولیس ہے یا ڈاکو؟ ریلوے کا ملازم ہے یا بحری جہازوں کا افسر، یا ماتحت جرنیل ہے یا میجر اسی طرح ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ شخص روسی ہے یا فرانسیسی، امریکن ہے یا آسٹریں وغیرہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔

(ب) جو قوم اور جو ملک اپنے یونیفارم کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہو گئی، حتیٰ کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، اسی ہندوستان میں یونانی آئے، افغان آئے، آریہ آئے، تاتار آئے، ترک، مصری اور سوڈانی آئے مگر مسلمانوں سے پہلے جو قومیں بھی آئیں، آج ان میں سے کوئی ملت اور قوم تمیز ہے؟ کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ بتائی جاسکتی ہے، سب کے سب ہندو قوم میں منجذب ہو گئے۔ وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کر لیا تھا، دھوتی، چوٹی، ساڑھی رسم و رواج وغیرہ ان ہی کے تابع ہو گئے، اس لیے ان کی ہستی مٹ گئی، باوجود اختلاف عقائد سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے۔ اور کسی کی قومی ہستی جس سے اس کی امتیازی شان ہو نہیں باقی رہی، ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں، پرشین قوم ہندوستان میں آئی، ہندو قوم اور راجاؤں نے ان کو ہضم کرنا چاہا، عورتوں کا یونیفارم بدلوادیا، معیشت اور زبان بدلوادی، مگر مردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی، بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجودہ ممتاز ملت ہے، سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی، سر اور داڑھی کے بال کو محفوظ رکھا، آج ان کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے۔

انگریز سولہویں صدی کے آخر میں آیا، تقریباً ڈھائی سو برس گزر گئے ہیں، نہایت سرد ملک میں بھی رہنے والا ہے، مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ پتلون، ہیٹ بوٹ نکالی اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا، یہی وجہ ہے کہ اس

کو پینتیس کروڑ قوم والا اپنے میں ہضم نہ کر سکا، اس کی قوم و ملت علیحدہ ملت ہے، اس کی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے۔ مسلمان اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے، جب سے آئے ہیں۔ اگر وہ اپنی خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے جیسا کہ مسلمانوں سے پہلے تو میں ہضم ہو کر اپنا نام و نشان مٹا گئیں۔ آج تاریخی صفحات کے سوا ان کا نشان کرہ زمین پر نظر نہیں آتا، مسلمانوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ وہ اپنا یونیفارم محفوظ رکھا ہو، بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنانا چاہا چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے صرف یہی نہیں کیا کہ پانچامہ کرتہ، عبا، قبا، عمامہ، دستار کو محفوظ رکھا بلکہ مذہب اسماء الرجال تہذیب و کلچر رسم و رواج، زبان و عمارت و تعمیر جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا اس لیے ان کی مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اس کی مراعات ہوتی رہے گی، رہیں گے۔

(ج) ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم، اس کا کلچر، اس کا مذہب، اس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک و اقوام میں پھیل جائے۔ آریہ قوم کی تاریخ پڑھو فارسیوں کے کارنامہ دیکھو کلدانیوں اور عبرانیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرو، یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو دور کیوں جاتے ہو عربوں اور مسلمانوں کے اولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی عراق، سیریا، فلسطین، مصر، سوڈان، الجزائر، تونس، مراکش، فارس، صحرائے لیبیا وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا نہ مذہب اسلام سے، نہ اسلامی رسم و رواج سے مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب جاری کر دی کہ وہاں کے غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم اسی کلچر اسی تہذیب اور اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں۔ اسرائیلی قومیں کلدانی نسلیں عبرانی خاندان ترکی برادریاں بربری ذاتیں وغیرہ وغیرہ ان دیار میں سب کے سب عربوں میں منضم ہو گئی ہیں اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا علم بھی ہے تو وہ بھی مثل خواب و خیال ہے۔ سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں اور عربیت ہی کے دعویدار ہیں۔ انگلستان کو دیکھئے، یہ اپنے جزیرہ سے نکلتا ہے کینڈا آسٹریلیا امریکہ نیوزی لینڈ کیپ کالونی ساوتھ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کر کے اپنی زبان اپنا کلچر اپنی تہذیب اپنا مذہب اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے جو لوگ اس کے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوئے وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن وغیرہ میں منجذب ہو جاتے ہیں اور یہی حال ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر ہے۔

ہندو قوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی وہ مردہ زبان سنسکرت جس کو تاریخ کبھی کسی طرح عام زبان ہندوستان یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی، آج اس کی اشاعت کی پرزور کوشش کر رہی ہے اس کا لکچر ارکھڑا ہوتا ہے اور فیصدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو غیر قابل فہم بنا دیتا ہے۔ خود اس کی قوم ان

الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی اور بالخصوص اس کا مذہبی داعیہ تو بالکل اسی یا نوے فی صدی الفاظ شکریت یا ہماشا ہوتا ہے مگر اس چیز کو اس کی قوم اس کو بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے۔ بڑے بڑے گروکل اور دو یا پینچہ اس زبان مردہ کو زندہ کرنے کے لیے جاری کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کو بولنے والا موجود نہیں ہے۔ اور غالباً کسی زمانہ میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوڑے اس کا ایم، ایل، سی، ایم، ایل، اے، اسمبلی کے پریسیڈنٹ، کونسل کا پریسیڈنٹ، اس کی قوم کا جج ڈپٹی کلکٹر وغیرہ وغیرہ دھوتی باندھ کر سر کھول کر قیص پہن کر برسر اجلاس آتا ہے۔ حالانکہ دھوتی میں پانچامہ سے بدرجہا زائد کپڑا خرچ ہوتا ہے پردہ بھی پورا نہیں ہوتا سردی اور گرمی سے پوری حفاظت نہیں ہوتی۔ باوجود ان سب امور کے پانچامہ پہننا اختیار نہیں کرتا، چوٹی سر پر رکھنا، جینو لگانا ضروری سمجھتا ہے، یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار قومی یونیفارم نہیں ہے، تو کیا ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی حفاظت کی صورت نہیں نکال رہا ہے۔

گرونا تک اور اس کے اتباع کرنے والوں نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں، تو بال اور سرکانہ منڈانا، ڈاڑھی کا نہ کتر وانا یا نہ منڈانا، لوہے کے کڑے کا پہننا، کرپان کارکھنا قومی یونیفارم بنا دیا، آج اپنے شعار پر سکھ قوم مری جاتی ہے، اس گرم ملک میں طرح طرح کی تکلیف سہتی ہے، مگر بالوں کا منڈانا یا کتر وانا قبول نہیں کرتی، اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے تو دنیا سے اس کی امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اتر جاوے گی۔ مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کہ کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہو سکتا ہے، اور باقی بھی جب ہی رہ سکتا ہے جبکہ وہ اپنے لیے خصوصیات وضع قطع میں، تہذیب و کلچر میں، بود و باش میں، زبان اور عمل میں قائم کرے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد، اخلاق، اعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیاویہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے، خصوصیات اور یونیفارم قائم کرے اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو، ان کے لیے جان اڑا دے، اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداروں اور الہی بندوں کی یونیفارم ہوں، جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں میں متمیز ہو اور علیحدہ ہو جائے، ان کی بنا پر باغیان اور بندگان بارگاہ الوہیت میں تمیز ہو کرے، چنانچہ یہی راز ”مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“ (۱) کا ہے، جس پر بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آتا ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے تابعداروں کے لیے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمایا ہے، کہیں فرمایا جاتا ہے، ہم میں مشرکین میں فرق ٹوپوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے ”فَرَّقَ مَائِنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ الْعِمَامَةُ عَلَى الْعَلَانِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ“ (۲)

(۱) مشکوٰۃ شریف ج ۲ صفحہ ۳۷۵ کتاب اللباس الفصل الثانی قدیمی

(۲) مشکوٰۃ شریف ج ۲ صفحہ ۳۷۳ کتاب اللباس الفصل الثانی قدیمی

اسی بنا پر مخالفت اہل کتاب مانگ نکالنے میں اختیار کی گئی، اسی بنا پر ازرا اور پانچامہ میں منحنے کھولنے کا حکم کیا گیا تاکہ اہل تکبر سے تمیز ہو جائے۔

اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں، جن کے بیان میں بہت طول ہے، اور جن میں یہودیوں سے، نصاریٰ سے، مجوسیوں سے، مشرکوں سے امتیاز و علیحدگی کا حکم کیا گیا ہے، اور ان کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مردوں کو عورتوں سے بھی علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد، اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے، انہی امور میں عربی میں خطبہ رائج کرنا بھی ہے، انہی امور میں سے مونچھ کا منڈوانا اور کتر وانا اور داڑھی کو بڑھانا بھی ہے۔ ”خالقوا المشرکین وفرؤا اللھی واحفؤا الشوارب“ (۱) ”جزؤا الشوارب ارخؤا اللھی وخالقؤا المچؤس“ (۲) ”من لم یاخذ من شاربہ فلیس منا“ احمد، ترمذی، نسائی (۳) ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث کے اندر موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین مجوسی داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے۔ جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے اور یہ امر ان کے مخصوص یونیفارم میں سے تھا، بنا بریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کے خلاف حکم کیا جاوے، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا داڑھی منڈانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اس زمانہ میں عرب کے رواج کی وجہ سے ہے، جو کہ ان میں جاری تھا کہ ڈاڑھیاں بڑھاتے تھے اور مونچھیں کٹاتے تھے۔ غلط ہے، بلکہ اس زمانہ میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا، جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا، اس لیے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف یونیفارم دیا جائے، تاکہ تمیز کامل ہو۔

اسی طرح حدیث عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواك (۴) وغیرہ بتلا رہی ہے کہ بارگاہ خداوندی کے خاص خاص مقررین اور ندیموں اور انبیاء اور مرسلین ﷺ کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتر وانا، ڈاڑھی کا نہ منڈانا ہے، کیونکہ فطرت انھیں امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے۔ ۲۔ جو کہ انبیاء ﷺ کے شعار میں اسے تھے، جیسا کہ بعض روایتوں میں لفظ فطرة کے من سنن المرسلین یا اس کے ہم معنی موجود ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ یہ ایک خاص یونیفارم اور شعار ہے، جو کہ مقررین بارگاہ الہیہ کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے، اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا یونیفارم بنائے ہوئے بھی ہیں جو کہ اللہ کے قانون کو توڑنے والی اور اس

(۱) بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۸۷۵

(۲) مسلم شریف ۳۸۱/۲

(۳) مشکوٰۃ شریف ج ۲ صفحہ ۳۸۱ باب الترجل الفصل الاول قدیمی

(۴) مشکوٰۃ شریف ج ۱ صفحہ ۴۴ باب السواك الفصل الاول قدیمی

سے بغاوت کرنے والی ہیں، اس لیے دو وجہ سے اس یونین فارم کو اختیار کرنا ضروری ہوا۔

علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضاء فطرت اور عقل لازم ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آقا کا سارنگ ڈھنگ، چال چلن، صورت سیرت، فیشن، کلچر وغیرہ بنائے اور اپنے محبوب آقا کے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے، ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضا یہ ہی رہا ہے، اور یہی ہر قوم اور ملک میں پایا جاتا ہے۔

آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟ واقعات کو دیکھئے اس بنا پر بھی جوان کے خصوصی شعار اور فیشن ہیں، ہم کو اس سے انتہائی تشرف ہونا چاہیے۔ خواہ وہ کرزن فیشن ہو یا گلیڈ سٹون فیشن، خواہ وہ فرنیچ فیشن ہو یا امریکن خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے، خواہ وہ زبان سے یا تہذیب و عادات سے، ہر جگہ اور ہر ملک میں یہی طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے کہ دوست کی سب چیزیں پیاری معلوم ہوتی ہیں اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری۔ بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی شعار ہو جائیں اس لیے ہماری جدوجہد اس میں ہونی چاہیے کہ ہم غلامان محمد ﷺ اور ان کے فدائی بنیں نہ کہ غلامان کرزن و ہارڈنگ و فرانس امریکہ وغیرہ۔

باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمتیں یا آفس کے ملازموں کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے، سکھ امتحان مقابلہ بھی دیتے ہیں، چھوٹے بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں۔ اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہیں، کوئی ان کو ٹیڑھی اور بینکی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لیے ہوئے غرارہے ہیں۔ اس طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد اور خاندان پائے جاتے ہیں، پٹیل کی ڈاڑھی کو دیکھئے برہمن سماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے۔

یہ سب باتیں ہماری کمزوری کی ہیں۔ (مکتوبات ۱۳۱۲-۱۵۰)

## پانجامہ پہننے کا ثبوت

﴿س﴾

کیا پانجامہ پہننا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔

﴿ج﴾

صحاح میں پانجامہ خریدنا منقول ہے نیز محرم کے لباس میں پانجامہ کی ممانعت کا تذکرہ بھی موجود ہے غیر صحاح میں پانجامہ کی تعریف بھی مذکور ہے اور ترغیب بھی اور خود جناب رسول اللہ ﷺ کا پہننا بھی طبرانی کی معجم

اوسط اور موصلی رضی اللہ عنہما کی (۱) مسند میں بسند صحیح (خریدنے کی روایت میں اضافہ کرتے ہوئے) ذکر کیا گیا ہے۔  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں۔

قلت یا رسول اللہ اوانک لتلبس السراویل قال: اجل فی السفر والحضرو باللیل والنهار فانی امرت بالستر فلم أر شیئاً استر منه (۲)

”میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے پانچ جامہ پہنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں سفر میں حضر میں، رات میں اور دن میں پہنا ہے اور مجھ کو ستر کا حکم دیا گیا ہے سو اس سے زیادہ میں نے ستر کسی کو نہیں پاتا۔“  
مسند امام احمد اور معجم طبرانی رحمہما اللہ علیہما میں ہے۔

(وعن ابی امامة رضی اللہ عنہ قلنا یا رسول اللہ ان اهل الكتاب يتسولون ولا یأتزون فقال رسول اللہ ﷺ تسولوا وائتوزوا ومخالفوا اهل الكتاب) (مسند امام احمد ۵/۲۶۴)

”ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اہل کتاب پانچ جامہ تو پہنتے ہیں مگر تہم نہیں باندھتے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پانچ جامہ پہنو اور تہم بھی باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔“

کنز العمال میں اور بھی روایات موجود ہیں۔ چونکہ عرب کے اصلی لباس میں ازار ہی تھا اور یہ پانچ جامہ فارس وغیرہ سے عرب میں داخل ہوا۔ وہاں کے لوگ اسے شلوار کہتے تھے اس لیے عرب نے اس کی تعریب سروال کے لفظ سے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا مفرد نہیں آتا۔ اب اس کے بعد اس کی ساخت کیسی تھی؟ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے۔ بجز اس کے کہ اس میں اسراف اور اسباب یعنی ٹخنے سے نیچا ہونا ”لقولہ علیہ السلام ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔“ (۳) نہ چاہیے۔ اور علی ہذا القیاس تشبہ باعداء الاسلام نہ ہونا چاہیے۔ ریشم کا نہ ہونا چاہیے۔ اور کسی قسم کا فیصلہ مشکل ہے کتابیں موجود نہیں ہیں اور غالباً کوئی خاص تنگی بھی اس میں نہیں ہے۔ (مکتوبات ۱۹۶۱-۱۹۷۰)

## سجدہ تعظیمی



فوائد الفوائد ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء مرتبہ میر حسن سجزی رضی اللہ عنہما میں لکھا ہے کہ حضرت بابا فرید رضی اللہ عنہما اور حضرت محبوب الہی رضی اللہ عنہما کی مجلس میں سجدہ کی رسم جاری تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اعتراض کیا اور جھگڑنے پر آمادہ ہوا، حضرت محبوب الہی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بشنو غلبہ مکن کہ ہر امرے کہ فرض بودہ باشد چوں فرضیت برخیزد استحباب باقی ماند چنانچہ ایام بیض و ایام عاشورہ برام ماضیہ فرض بود، در عہد رسول اللہ ﷺ چوں روزہ ماہ رمضان فرض شد آن فرضیت ایام بیض و ایام عاشورہ، برخواست، اما استحباب باقی ماند، آمدیم در سجدہ۔ سجدہ میان امم ماضیہ

(۱) مشکوٰۃ شریف ج ۱ صفحہ ۲۳۵ باب ما یجتنبہ المحرم الفصل الاول قدیمی

(۲) ومثله فی فتح القدیر ۲/۴۳۱، مجمع الزوائد ۵/۱۲۲

(۳) بخاری شریف باب ماء سفلی من الکعبین فی النار ج ۲ صفحہ ۸۶۱ قدیمی

تخت بود چنانچہ رعیت بادشاہ را، شاگرد استاد را، وامت بر پیغمبر را سجدہ می کردند چون در عہد رسول اللہ ﷺ آں سجدہ برخواست انکوں رخصت و اباحت ماند، اگر مستحب نباشد مباح باشد بر مباح نفی و منع کجا آمدہ است (فوائد الفوائد نو لکشور ۱۵۹) اس مسئلہ پر آپ کی کیا رائے ہے؟ میرا مقصد کسی مناظرانہ بحث کو شروع کرنا نہیں ہے۔ صرف علمی حیثیت سے سمجھنا چاہتا ہوں، مشائخِ چشت شریعت و سنت کے سختی سے پابند تھے۔ انہوں نے اس رسم کو کس طرح جائز رکھا؟ (خلیق احمد نظامی، علی گڑھ)



①..... اس (عبارت) سے صاف ظاہر ہے کہ اگر اباحت کی نفی و ممانعت ثابت ہو جائے تو اس کا اعتبار ہوگا۔ تفسیر عزیزی پارہ الم ص ۷۷/۱ میں ہے (سجدہ کی تقسیم فرماتے ہوئے) ”دوم آنکہ برائے تکریم و تحیۃ باشد مانند سلام و سر خم کردن و ایں معنی باختلاف رسم و عادات و تبدل از منہ و اوقات مختلف است گاہے جائز است و گاہے حرام در امتہائے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصہ حضرت یوسف علیہ السلام و اخوان ایشان واقع شد و خسرو الہ سجداً و در شریعت ما ایں طرق ہم فیما بین مخلوقات حرام و ممنوع است بدلیل احادیث متواترہ کہ در ایں باب وارد شدہ الخ۔ احادیث اس کی ممانعت میں بکثرت ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر انکار کیا گیا ہے یقیناً ان کا سجدہ عبادت نہیں تھا بلکہ سجدہ تحیۃ تھا حضرات صحابہ لا تعبدوا الا ایاہ اور اس کی ہم معنی آیات سے بخوبی واقف تھے اس لیے حضرت محبوب سبحانی قدس سرہ العزیز کے قول سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہوگی و دیگر صحاح میں اس قدر روایات موجود ہیں کہ بقول حضرت شاہ صاحب کے درجہ تو اتر رکھتی ہیں۔ (۱)

(۱) اذکر ( واذقلنا للملئکة اجسود الادم) قرأ ابو جعفر للملائکة اسجدوا بضم التاء باعطاء حركة همزة الوصل وكذلك: ( قال رب احکم ) [الانبیاء: ۱۱۳] بضم الباء و الباقون بالكسر و السجود فی الامل: التذلل: و فی الشرع وضع الجبهة علی الارض علی قصد العبادة، و المأمور به اما المعنی الشرعی فالسجود له یكون با الحقیقة هو اللہ تعالیٰ، و جعل ادم قبلہ تفخیماً لشأنه و اعترافاً لما انکروا اولاً من فضله، و یدل علی ارادة هذا المعنی الشرعی ما رواة احمد و مسلم من حدیث ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: اذا قرأ ابن آدم السجدة فسجد اعتزل الشیطان یبکی و یقول: یا ویله أمر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة و أمرت با السجود فعصیت فلی النار۔ و اللام فی لآدم حینئذ بمعنی الی كما فی قول حسان فی مدح الصدیق:

أیس أول من صلی لقبلتکم و اعرف الناس با القرآن و السنن  
او جعل آدم سبباً لوجوب السجود و توبه لما صدر عنهم صورة الاعتراض، و اللام حینئذ للیبیة لغو صل  
لدلوك الشمس و اما المعنی اللغوی و هو التواضع و التذلل لآدم تحية و تعظیماً كسجود اخوة یوسف، قال  
البغوی: هذا القول اصح قال: ولم یکن فیہ وضع الوجه علی الارض انما کان انحناءً فلما جاء الاسلام ابطال  
ذلك با الاسلام۔ قلت لعلهم انما امروا بتعظیم آدم شکر الہ و أداء لحقه..... بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

②..... سجدہ دو قسم کا ہے (۱) سجدہ عبادت (۲) سجدہ تہیج۔ سجدہ عبادت بالاتفاق تمام امتوں میں غیر اللہ کے لیے حرام اور ممنوع تھا اور ہے اور سجدہ تہیج امم سابقہ میں مباح اور جائز تھا امت محمدیہ میں اس کو بھی منع کر دیا گیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس اللہ سرہ تفسیر عزیزی پارہ الم ص ۷۷ میں فرماتے ہیں ”بحث دوم آنکہ حقیقت سجدہ پیشانی بر زمین رسانیدن است و ایں معنی در شرع برائے غیر اللہ جائز نیست و دریں جا فرشتگان رابادائے ایں فعل بروئے حضرت آدم علیہ السلام امر فرمودہ اندوجہ ایں امر چیست؟ جوابش آنکہ پیشانی رابر زمین رسانیدن بردو طریق واقع می شود یکے آن کہ برائے ادائے حق معبودیت باشد و ایں قسم در جمیع ادیان و جمیع ملل برائے غیر خدا حرام و ممنوع است و بیچ گاہ جائز نشدہ زیرا کہ از محرمات عقل است و محرمات عقلیہ بہ تبدل ادیان و ملل متبدل نمی شوند و دلیلش آنکہ ایں نوع تعظیم مشعر بغایت تذلل است و غایت تذلل برائے کسے سزاوار است کہ در غایت عظمت باشد و غایت عظمت آنست کہ ذاتی باشد و عظمت ذاتی خاص بحضرت حق است در بیچ مخلوقے یافتہ نمی شود۔ دوم آنکہ برائے تکریم و تہیج باشد مانند سلام و سرخم کردن و ایں معنی باختلاف رسوم و عادات و تبدل از منہ و اوقات مختلف است گاہے جائز است و گاہے حرام در امتہائے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصہ یوسف علیہ السلام و اخوان ایشان واقع شد و خسروالہ سجداً و در شریعت ما ایں طریق ہم فیما بین مخلوقات حرام و ممنوع است بدلیل احادیث متواترہ کہ دریں باب وارد شدہ و وجود فرشتگان برائے حضرت آدم علیہ السلام ہمیں طریق بود زیرا کہ بسبب تعلیم اسماء حضرت آدم علیہ السلام را آسانے و تفوقے بر فرشتگان حاصل شدہ بود و از فرشتگان قبل از پیدائش نسبت بایشاں سوئے ادبی وقوع یافتہ بود برائے مکافات آن احسان و کفایت آن بے ادبی ملائکہ راما مور با ایں نوع تعظیم و تکریم ساختند“ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ

بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے سے فی التعلیم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ، (رواہ احمد الترمذی و صححہ من حدیث ابی سعید (فسجدو) یعنی الملائکہ کلہم اجمعین (الا ابلیس) هذا یدل علی ان ابلیس کان من الملائکہ لصحة الانشاء کما مر عن ابن عباس، فعلى هذا لا یكون الملائکہ کلہم معصومین بل الغالب منهم العصمة کما ان بعضاً من الانس معصومون والغالب منهم عدم العصمة، وقيل كان حنباً نشأ بین الملائکہ و مکث خیہم الوف سنین فغلبوا علیہ ویصتمل کون الجن الضابا مامورین بالسجود مع الملائکہ لکنہ استغنی عن ذکرہم بذکر الملائکہ لأن الاکابر لما أمروا بالسجود فا الأ صاغر أولى، ولعل ضرباً من الملائکہ کانوا متحدی الجنس بالشیاطین مختلفین بالعوارض و ما روی مسلم عن عائشہ ” خلقت الملائکہ من نور و خلقت الجن من مارح من نار و خلق آدم مما وصف لکم “ یحمل علی اختلاف حقیقہ بعض الملائکہ من حقیقہ الجن دون بعضہم وهم الذین لا یوصفون بالذکورة و الانوثة ولا یتوالدون، او یقال النار و النور حقیقہ واحده و الامتیاز بینہما بالتهذیب و الصفاء و بدوئہ (تفسیر المظہری ج ۱ صفحہ ۶۵-۶۶ پارہ الم۔ سورۃ البقرۃ، رشیدیہ)

سجدہ تہیہ کی ممانعت احادیث سے معلوم ہوتی ہے جو کہ کتب احادیث میں اتنی کثرت سے موجود ہیں جو کہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ قرآن شریف میں اس کا وقوع انبیاء سابقین کے زمانہ میں مذکور ہے اس امت کے لیے اس کی صراحت ممانعت کی موجود نہیں ہیں اگرچہ التزاماً موجود ہے چوں کہ حضرات مشائخ چشت حضرت بابا فرید اور حضرت محبوب سجانی قدس اللہ اسرارہما کے زمانہ میں ہندوستان میں کتب حدیث بہت کم یا ب تھیں علم حدیث بھی رائج نہ تھا اس لیے ان حضرات کو ان احادیث صحیحہ متواترہ کا علم نہ ہو اس لیے باوجود شدت اتباع شریعت و سنت ان حضرات سے ایسے امور پائے گئے ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ العزیز دربارہ رفع سبابہ در نماز جس کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اپنے مکتوب میں منع فرماتے ہیں اور مرزا صاحب مرحوم بوجہ احادیث صحیحہ اس کے استہاب و سنیت کے قائل ہیں اپنے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں ”واگر گویند کہ حضرت مجدد باں علم اوسع از احادیث ثبوت رفع سبابہ مگر آگاہ نہ بود گوئیم تا زمان مبارک حضرت ایشان این کتب و رسائل در دیار ہند شہرت نیافتہ بود از نظر مبارک ایشان نگذشتہ کہ ترک نمودہ اند نہ ہرگز ترک رفع نہ فرمودند کہ ایشان حریص ترین اکابر دین بر اتباع سنت بودہ اند۔ (کلمات طیبات مکتوبات مرزا صاحب ص ۲۸)

مرزا مظہر جان جاناں قدس اللہ سرہ العزیز کا یہ ارشاد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کہ حضرت بابا صاحب اور حضرت محبوب سجانی قدس اللہ اسرارہما العزیز سے بہت متاخر ہیں حالانکہ اس زمانہ میں علم حدیث کا چرچا بہ نسبت سابق حضرت شیخ عبدالحق بخاری ثم الدہلوی قدس اللہ سرہ العزیز حرین شریفین سے علم حدیث لے کر آچکے تھے اور لمعات اور اشعة اللمعات وغیرہ کتابیں اسی زمانہ میں لکھی گئی تھیں تاہم احادیث کی کتابیں کیا اب اور غیر مشہور بھی تھیں اس لیے حضرت بابا صاحب اور حضرت محبوب سجانی قدس اللہ سرہما العزیز کا ان احادیث سے ناواقف ہونا کسی طرح بعید نہیں ہے۔ یقیناً اگر یہ حضرات ان احادیث صحیحہ متواترہ کو پاتے تو ضرور بالضرور اس سجدہ تعظیمی کو ترک کراتے اور سخت مخالفت فرماتے واللہ اعلم ہندوستان میں علم حدیث اور کتب حدیث کی شہرت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی ہے نیز عرض یہ ہے کہ یہ اکابر علم طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں ہیں اس کے امام حضرت امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم اور فقہائے کرام ہیں اس بارے میں ان کا قول اور فعل حجت ہوگا حضرت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت جنید بغدادی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی حضرت خواجہ معین الدین سنجری قدس اللہ اسرارہم کے اقوال اور فتاویٰ اور اعمال حجت نہ ہونگے اگرچہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں لکن فین رجال رحمہم اللہ تعالیٰ ورضی عنہم وارضاهم۔ آمین

## قیام تعظیمی کی ممانعت

﴿س﴾

کسی بڑے کو دیکھ کر قیام تعظیمی شرعاً درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

آنحضرت ﷺ قیام تعظیمی کو اپنی زندگی میں اپنے لیے منع فرماتے ہیں ترمذی وغیرہ کی روایت ہے: عن أنس رضی اللہ عنہ انه قال لم یکن شخص احب الیہم من رسول اللہ ﷺ وکانوا اذا رأوه لم یقوموا لما یعلمون من کراہیتہ لذلک۔ (۱)

دوسری روایت میں ہے لَا تَقُومُوا کَمَا یَقُومُوا الا عَاجِمٌ یُعْظَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا (۲) ایک اور روایت میں ہے من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاماً فلتتبیوا مقعدہ من النار (۳) ان روایتوں کی موجودگی میں تو ہم پر یہ بھی لازم ہو جاتا ہے کہ اگر بالفرض جناب رسول اللہ ﷺ کے حقیقی قدم مہمنت لزوم کی نوبت آئے جب بھی قیام نہ کیا جائے۔ اِمْتِثَالُ الْحُكْمِ خَيْرٌ مِنْ سَلُوكِ الْاَدَبِ مشہور مقولہ ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو یقیناً افضل الامت ہیں انہوں نے ایسا عمل کیا حالانکہ وہ سچے عاشق تھے پھر اگر ہم اس میں کوتاہی کریں گے تو یقیناً خطا وارہوں گے۔ (مکتوبات ۱/۲۳۴) (۴)

## اجارہ علی الطاعات

﴿س﴾

طاعات مثلاً تدریس وغیرہ پر تنخواہ لینا کیسا ہے۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ج ۲ صفحہ ۴۰۳ قدیمی

(۲) مشکوٰۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ج ۲ صفحہ ۴۰۳ قدیمی

(۳) مشکوٰۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ج ۲ صفحہ ۴۰۳ قدیمی

(۴) قیام تعظیمی کے متعلق یہ حضرت کی رائے ہے جو براہ راست حدیث سے مستنبط ہے۔ لیکن علامہ شامی اور فقہاء کی تحقیق سے تعظیمی قیام کی اجازت معلوم ہوتی ہے فقہاء کے نزدیک حضرت کی ذکر کردہ حدیث ممانعت اس صورت پر محمول ہے جبکہ عجمیوں کی طرح قیام کیا جائے یعنی بادشاہ بیٹھا رہے اور دربار کی مسلسل کھڑے رہیں (۱)۔ قال ابن وہبان لقول:

وفی عصرنا ینبغی ان یتحب ذلک ای القیام مما یورث ترکہ من الحقد والبغضاء والعداوة لاسیما اذا کان فی مکان اعتید فیہ القیام وما ورد من التوعد علیہ فی حق من یجب القیام بین یدیہ کما یفعلہ

الترک والا عاجم۔ (شامی ۶/۳۸۳) باب الاستبراء وغیرہ (سعید)

## ﴿ج﴾

حدیث و قرآن کی تدریس پر اجرت لینا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں تو جائز ہی نہیں مگر بعد کے ائمہ حنفیہ نے اس کی اس ضرورت سے اجازت دی ہے کہ مدرس اگر ضروریات دنیاویہ زراعت، تجارت، صنعت وغیرہ میں مشغول ہو جائے گا تو علم ضائع ہو جائے گا دین میں سخت خلل پڑ جائے گا، اس لیے وہ تمام عبادات جن کے انقطاع اور ترک سے شعائر دینیہ وغیرہ میں خلل پڑ جائے بضرورت جائز ہیں، شریعت اسلامیہ میں ایسے کام کرنے والوں، ائمہ، موزنین، مدرسین وغیرہ کے لیے بیت المال میں حصے مقرر تھے۔ مگر چونکہ بادشاہوں اور ارباب حکومت نے بیت المال کو اپنا گھر اور اس کے اموال مخزونہ کو باپ دادے کا ترکہ سمجھ لیا ہے وہ ان اموال کو اپنی خواہشات نفسانیہ پر بے دریغ خرچ کرنے لگے ہیں اور ارباب حقوق کو پہنچنا بند ہو گیا ہے۔ اس لیے بجز اس کی اجازت کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ لہذا اجرت لینے کی شرعاً اجازت ہو گئی اور اسی پر فتویٰ ہے (۱) مگر پھر ثواب کس طرح مل سکتا ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے وہ عطا فرمادے دوسری بات ہے مگر استحقاق نہیں رہتا۔ ہاں یہ امر کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی ہدایت ہوتی ہے ان کو بیرون تدریس وغیرہ نصیحت کرتا رہتا ہے۔ شاگرد استاد کے عمل سے نیک طریقہ وغیرہ حاصل کرتے ہیں یا بیرون وقت مقرر تدریس کی جائے جس کا قانوناً مدرس پر لزوم نہ تھا تو البتہ استحقاق ثواب ہو سکتا ہے۔

(مکتوبات ۳۹۴-۵۰)

## سیاسی معاملات میں غیر مسلموں سے مدد لینا

## ﴿س﴾

سیاسی معاملات میں اہل اسلام کو غیر مسلموں سے مدد لینا درست اور مباح ہے یا ناروا ہے۔

## ﴿ج﴾

اگر مسلمانوں میں بذات خود قوت مقاومت موجود نہ ہو اور ان کے لیے کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ہے تو

(۱) والمختار للفتویٰ فی زماننا قول ہؤلاء کذا فی الفتاویٰ المتعابہ (عالمگیری ۳۲۸۴ و الشامی ۵۵/۶) (۱)  
کتاب جاران سے باب السادس مسائل شیوع فی الاجارت والاسقاء علی الطاعات الخ ویفتی الیوم بصحتها  
لتعلیم القرآن والفقہ والامامة والادان، الدر المختار مطلب فی الاستیعاج علی الطاعات ج ۶ صفحہ ۵۵  
(سعد)

اختیار ہوں البتین کے اصول کے ماتحت بعض کفار کا مقابلہ بعض کفار کی استعانت سے جائز ہے جیسا کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے واضح ہوتا ہے (شرح السیر الکبیر ج: ۳- ص: ۱۸۷) خصوصاً جبکہ مسلمانوں کے مفاد اور مصالح بھی پیش نظر ہوں تو ایسی استعانت بالکفار کے جواز میں شبہ نہیں ہے چنانچہ شرح سیر کبیر میں اس قسم کی جزئیات بہت سی بیان کی گئی ہیں:

(۱) لَوْ قَالَ اهل الحرب للاسراء فيهم قاتلوا معنا عدونا من المشركين کے ماتحت شارح

سرخسی نے فرمایا فلا رُخْصَةً فِي ذَلِكَ الْاَعْلَى اعزاز الدين والدفع عن نفسه ج ۳ ص ۲۴۱-۲۴۲

(۲) وَكَو قَالَ للاسراء قاتلوا معنا عدونا من اهل الحرب آخرين على ان نخلي سبيلكم اذا

انقضت حربنا الخ فلا باس بان يقاتلوا معهم- شارح نے اس صورت مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس

اعتراض کو بھی دفع کیا ہے جو عام طور پر پیش کیا جاتا ہے قال قيل كيف يسعهم هذا وفيه

قوة على المسلمين لانهم اذا ظفروا بعدوهم فامنوا جانبهم اقبلوا على قتال المسلمين وربما

ياخذون منهم الكراء والسلاح فيقودون بها على المسلمين قلنا ذلك موهوم ويحصل لهم النجاة

عن اسراء المشركين بهذا القتال معلوم فيترجم هذا الجانب ص ۲۴۲-۲۴۳

(۳) وان كانوا في حزوبلد يخافون على انفسهم الهلاك فلا باس بان يقاتلوا معهم

المشركين اذا قالو نخرجكم من ذلك لان في هذا القتال غرضاً صحيحاً وهو دفع الضرر والبلاء

الذي نزل بهم ص ۲۴۳

(۴) ولو ان اهل الحرب ارسلوا الاسراء خاصة ان يقاتلوا اهل الحرب آخرين وجعلوا الامير

من الاسراء وجعلوا له ان يحكم بحكم اهل الاسلام وسلموا بهم الغنائم يخرجونها الى دار الاسلام

فلا باس بالقتال على هذا اذا خافوهم اولم يخافوا لانهم يقاتلون وحكم الاسلام هو الظاهر عليهم

ويكون الجهاد وذلك جهادا منهم ص: ۲۴۷

جواز استعانت کی اور صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کے مشرکین کے ساتھ ان شرائط پر

اشتراک عمل کرنا کہ اس مشترکہ جدوجہد میں فتح حاصل کرنے کے بعد ملک کے نظام میں ان کا موثر حصہ ہوگا

(۲) مسلمانوں کا قانون شخصی (پرنسپل لاء) محفوظ ہوگا اور اس پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی (۳) مسلمانوں کے

مذہبی ادارے، اوقاف، مساجد، مقابر وغیرہ محفوظ رہیں گے اور ان کا کلچر اور تہذیب و تمدن محفوظ رہے گا (۴) ۱۱

میں سے ۵ صوبوں میں مسلم اکثریت کی حکومتیں قائم ہوگی جو تمام داخلی معاملات، قانون سازی نظام تعلیم، اقتصادی

نظام کے قیام، معاشرتی اور تمدنی مسائل میں پوری طرح بااختیار ہوگی، کیا مسلمانوں کے مفاد اور مصالح کے لحاظ

سے مفید نہیں ہے؟ یہ مصلحتیں و مفادات ان اغراض سے بہت زیادہ اہم ہیں جن کی بنا پر استعانت بالمشرکین کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے ہندوستان کی آزادی غیر مسلم جماعتوں اور قوموں سے اشتراک عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے واللہ اعلم والیہ یعول الحق وهو یهدی السبیل۔ (مکتوبات ۲/۱۲۵-۱۲۸)

## عیسائی ملکوں کا ذبیحہ

﴿س﴾

عیسائی ملکوں کا ذبیحہ قابل استعمال ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

چونکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكَرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَآءِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ (جس حیوان پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ، وہ حقیقت میں فسق ہو گیا، شیاطین اپنے دوستوں کو سمجھاتے اور تلقین کرتے ہیں کہ تم سے ایسے حیوانات کے بارے میں جھگڑے اور بحث کریں۔ اگر تم ان کی تابعداری کرو گے تو تم مشرک ہو) اس لیے ہر حیوان حلال کے کھانے کے بارے میں دو شرطیں ضروری ہیں: اول تو شرعی ذبح ہونا۔ دوسرے ذبح کرتے وقت اسم الہی کا ذکر ہونا۔ اگر دونوں یا ایک فوت ہو گئی تو حیوان کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا (۱) ہاں اگر مسلمان ذبح کرنے والا ہو اور وہ بھول کر تکبیر ذبح کرتے وقت ذکر نہ کرے تو وہ حسب ارشاد حضور سرور کائنات ﷺ حلال ہے (۲) جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں اور ان کے کارکن عیسائی ہوتے ہیں وہاں نہ ذبح پایا جاتا ہے نہ تکبیر۔ بلکہ بڑے بڑے شہروں اور کارخانوں میں تو حیوانات کو مشینوں کے

(۱) وذهب الی ان کتابی اذا لم یذکر اللہ علی الذبیحۃ و ذکر غیر اللہ لم یوکل وبہ قال ابو الدرداء عبادۃ بن الصامت وجماعۃ من الصابۃ وبہ قال ابو حنیفۃ و ابو یوسف و محمد و زفر و مالک و کرۃ النخعی اکل ما ذبح اہل بہ لغیر اللہ (البحر المحیط ۲/۳۳۱) بحوالہ معارف القرآن ۳/۵۴ ج ۲ صفحہ ۲۳۲-۲۳۳ سورۃ الانعام آیت ۱۲۱ (دار الفکر بیروت)

(۲) یوکل ان کان الترتک ناسیاً وان کان عمداً لم یوکل واختارہ النعاس وقال لا یسمی فاسقاً اذا کان ناسیاً وروی عن علی وابن عباس جواز اکل ذبیحۃ الناسی للتسمیۃ، وقال ابن عطیۃ: وهذا قول الجمهور، وقال المصعب والطبرنی: تؤکل ذبیحۃ تارک التسمیۃ عمداً الا ان یکون مستخفاً۔ وقال ابوبکر الایذی: ینکرہ اکل ذبیحۃ تارک التسمیۃ عمداً وتحتاج هذه التخصیصات الی دلائل۔ والظاهر ان المراد (مما لم یذکر اسم اللہ علیہ) طاهر لعموم الایۃ وهو متروک انسمیۃ البحر المحیط ج ۲ صفحہ ۲۳۳ سورۃ انعام آیت ۱۲۱ (دار الفکر بیروت)

ذریعے سے ذبح کیا جاتا ہے ایک طرف سے حیوان کو داخل کیا اور تھوڑی ہی دیر میں دوسری طرف کھال علیحدہ گوشت کے ٹکڑے علیحدہ اور جملہ دیگر اشیاء علیحدہ نکلتی ہیں ہاں جہاں یہودی ذبح کرتے ہیں وہ البتہ شروط ذبح کی رعایت کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے کہ کسی چیز کی طہارت اور نجاست وغیرہ میں یا کھانے کی چیزوں میں جب تک نجاست اور حرمت کا یقین یا غلبہ ظن نہ ہو جائے جب تک اس کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ نہیں ہو سکتا اسی طرح سے حکم ذبیحہ کا ہوگا۔ مگر یہ سخت غلطی ہے۔ ذبیحہ کا حکم ان دونوں کے خلاف ہے خود صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک شکار پر اپنا شکاری کتا جس کو اس نے تکبیر کہہ کر چھوڑا تھا پایا اور ایک دوسرے کتا پایا اور نہیں جانتا ہے کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ دوسرے کتے کو تکبیر کہہ کر چھوڑا گیا ہے یا نہیں تو حضرت سرور کائنات ﷺ اس کو حرام فرما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نظیریں موجود ہیں جن سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیحہ میں شروط ذبیحہ کا جب تک علم نہ ہو جائے حلال نہیں اور یہی مسئلہ فقہاء کا ہے۔ یورپ کے سفر کرنے والے عموماً ہر جگہ کے مسلمان ایسے محرمات میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہی تباہی حیلے کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَالٌ لَكُمْ (اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا کھانا تم کو حلال ہے) اس لیے ہم کو ان کے ذبح کئے ہوئے حیوانوں میں حرام ہونے کا کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے جو چیز مسلمان سے حلال نہیں ہو سکتی وہ اہل کتاب سے کیوں کر حلال ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان ذبح کرتے وقت قصداً تکبیر چھوڑ دے تو وہ کسی طرح حلال نہیں پھر کتابی جب ایسا کرے تو کیوں کر حلال ہو سکتا ہے بہر حال وہ مسلمان سے تو کم ہی ہے اور اگر ظاہر الفاظ پر جائیں تو چاہیے کہ سور بھی حلال ہو جائے کیوں وہ بھی نصاریٰ کا طعام اور ان کا ذبیحہ ہے یا شراب میں پکا ہوا کہ دوسرا کھانا ان کا حلال ہو (العیاذ باللہ) اور اگر ان چیزوں کے حرام ہونے کا یقین دوسری آیتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو متروک التسمیہ مذبوح نصاریٰ کی حرمت کا بھی قائل ہونا ضروری ہے۔

(سفر نامہ شیخ الہند ص ۸۶)

## دفع ظلم کے لیے جھوٹ بولنا

﴿س﴾

کسی خاص قضیہ کے متعلق سوال تھا کہ دفع ظلم کے لیے کیا جھوٹ بولا جاسکتا ہے۔

﴿ج﴾

آپ نے جو صورت دعویٰ کی دفع ظلم اور جلب مصلحت کے لیے لکھی ہے اس کے متعلق میں عبارت

”شامی“ پیش کرتا ہوں۔ (درمختار ۳۰۳/۵)

الكذب مباح لا حياء حقه و دفع الظلم عن نفسه والمراد التعريض لأن عين الكذب حرام قال وهو الحق الخ وقال الشامي في الحاشية واعلم ان الكذب قد يباح وقد يجب والضابط فيه كما في تبیین المحارم وغيره عن الاحياء ان كل مقصود محمود يمكن التوصل اليه بالصدق والكذب جميعا والكذب فيه حرام، وان امكن التوصل اليه بالكذب وحده فمباح ان ابيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب ان يجب تحصيله كما لو رأى معصوما اختفى من ظالم يريد قتله أو ايداءه فالكذب ههنا واجب وكذا لو سأله عن ودیعة يريد أخذها يجب انكارها ومهما كان لا يتم مقصود حرب أو اصلاح ذات البين أو استمالة قلب المجنى عليه الا بالكذب فيباح<sup>(۱)</sup> والاباحة قبيل كتاب احياء الموات)

شامی کی اس مفصل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف تعریض بلکہ کذب صریح بھی خاص خاص صورتوں میں جائز ہے۔ یہ عبارت بغور پڑھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں دروغ گوئی کی اجازت ہے۔ والسلام (مکتوبات ۲۰۸/۲-۲۰۹)

## مجبوری میں رشوت دینا



اپنا حق حاصل کرنے کے لیے رشوت دینی پڑے تو کیا کرنا چاہیے۔

(۱) اپنے حق کو حاصل کرنے اور اپنے سے ظلم کو دفع کرنے کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ مگر یہاں جھوٹ سے تعریض مراد ہے کیونکہ عین جھوٹ تو حرام ہے۔ یہی بات حق ہے اور علامہ شامی حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ جھوٹ بولنا کبھی مباح ہوتا ہے اور کبھی واجب ہوتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ضابطہ جیسا کہ تبیین المحارم وغیرہ میں ”احیاء“ سے نقل کیا ہے کہ ہر ایسا محمود مقصود جس کا حصول سچ اور جھوٹ دونوں طرح ممکن ہو تو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اور اگر صرف جھوٹ ہی کے ذریعہ وہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہو تو اگر وہ مقصود مباح ہے تو جھوٹ بولنا بھی مباح ہوگا اور اگر وہ مقصود واجب ہے تو جھوٹ بولنا بھی واجب ہے۔ اور اگر کسی بے قصور کو دیکھا کہ وہ ایسے شخص سے چھپ رہا ہے جو اس کے قتل یا ایذا کے درپے ہے تو اس وقت جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح اگر کسی شخص نے امانت کے بارے میں سوال کیا اور وہ خود امانت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اس امانت کا انکار لازم ہے۔ اور اس طرح جنگ فریقین میں صلح اور آسب زدہ کے دل کو مطمئن کرنا اگر بغیر جھوٹ کے نہ حاصل ہو سکے تو اس وقت جھوٹ بولنا مباح ہوگا۔

﴿ج﴾

رشوت دینا بھی اس وقت جائز ہے جبکہ اپنا کوئی حق رشوت دینے کے بغیر حاصل نہ ہوتا ہو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی تصریحات فرمائی ہیں اور فقہاء کرام بھی تصریح فرما رہے ہیں البتہ یہ دونوں چیزیں کسی دوسرے کا حق تلف کرنے کے لیے جائز نہیں۔ (مکتوبات ج ۴ ص ۲۱۰) (۱)

تصویر کشی حرام ہے

﴿س﴾

حضرت و ملا کی بعض تصاویر اخبار میں آتی ہیں تو کیا اس طرح تصویریں کھنچوانا درست ہے۔

﴿ج﴾

میں نے خود اپنے علم و ارادہ سے کبھی فوٹو نہیں کھنچوایا میری لاعلمی میں ایسا ہو جاتا ہے نہ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ (۲) (مکتوبات ج ۴ ص ۲۱۴)

کس کروٹ پر سونیں

﴿س﴾

سوتے وقت کون سی کروٹ ہونی چاہیے۔

﴿ج﴾

لیٹنے کے لیے یہ ہے کہ دہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹیں، یہ حالت ابتدائی ہے پھر جس طرف بھی انسان کروٹ بدل لے گا جائز ہو جائے گا۔ (۳) (مکتوبات ۷۶۱)

(۱) الثالث اخذ المال يسوي امره عند السلطان دفعاً للضرر، او جلباً لنفع، وهو حرام على الأخر فقط۔ الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع اليه على نفسه أو ماله، حلال للواقع، حرام على الأخر، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۶۲ كتاب القضاء۔ مطلب في الكلام على الرشوة والهدية سعيد)

(۲) قال اصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صور الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر (البحر الرائق ۲۷۴)

(۳) ان النبي ﷺ كان اذا عرس بليل اضطجع على شقه الايمن (شمانل ترمذی شریف ۱۰۷) (باب ماجاء في صفة نوم رسول الله ﷺ صفحه ۷۴۲ مکتبه رحمانیہ)

## غیر اسلامی حکومت پر قناعت

﴿س﴾

کیا مسلمانوں کو غیر اسلامی آئین پر قانع ہو جانا درست ہے۔

﴿ج﴾

بلاشبہ اسلامی قوانین ہی دنیا کے لیے امن و سلامتی کے ضامن ہیں مشترکہ حکومت میں ان قوانین کی حاکمیت مطلقہ قائم نہ ہوگی نہ حدود شرعیہ جاری ہونگی، لیکن یہ خود مسلمانوں کا علمی و عملی فریضہ ہے کہ وہ دوسری قوموں سے اسلامی قوانین کی یہ حیثیت تسلیم کرالیں، اہوں اہل بیت آخری منزل نہیں ہو سکتی۔ (مکتوبات ۱۱۹/۲)

## حرام آمدنی سے چندہ

﴿س﴾

حرام آمدنی سے حاصل شدہ رقم کو تنخواہ وغیرہ میں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

جن لوگوں کی آمدنی سب کی سب یا اکثر اور غالب حصہ حرام ہے اور یقیناً معلوم ہے تو ائمہ مؤذنین وغیرہ کو ان کے چندہ یا ان کی دی ہوئی تنخواہ کھانا جائز نہیں اور اگر اکثر حصہ حلال ہے جو کہ حرام سے مخلوط ہو گیا ہے یا علم نہیں ہے تو جائز ہے۔ (۱) (مکتوبات ۸۳/۴)

## ابابیل حلال ہے

﴿س﴾

کیا ابابیل کھانا حلال ہے اور اس کی بیٹ کا کیا حکم ہے۔ پاک ہے یا ناپاک۔

(۱) وكذا دعوة من كان غالب ماله من حرام ماله يخبر انه حلال وبالعكس يجيب ماله يتبين عنده انه حرام كذافي التمر تاشي وان كان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والاكل منها كذافي الملتقط (عالمگیری کتاب الکراہیہ الباب الثانی عشر فی الهدایا والضيافات ج ۵ صفحہ ۳۳۳ رشیدیہ)



ابابیل کے متعلق بعض کتابوں میں تصریح نکل آئی کہ وہ حلال طیور میں سے ہے اور قاعدہ کلیہ غیر ذی مخلب من الطیور بھی اس کا مقتضی ہے اس لیے اس کی بیٹ طاہر ہوگی۔ (مکتوبات ۱/۲۷۸)

تمباکو کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک



حضرات اکابر دیوبند تمباکو کھانے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔



یہ جملہ بزرگان دین تمباکو کے استعمال پر سوائے کراہت تنزیہی و خلاف اولیٰ دوسرا کوئی حکم نہیں فرماتے ہیں اور بعض بعض حضرات بوجہ ضرورت خود استعمال فرماتے ہیں چنانچہ متعدد فتاویٰ اور تصانیف میں یہ امر شائع ہو چکا ہے۔ (۱) (الشہاب الثاقب: ص: ۶۶)

غیر واجبی ٹیکس



اسلحہ کی تجدید کے وقت وارنڈ وغیرہ میں کچھ رقم دینا جائز ہے یا نہیں۔ (وارنڈ یعنی جنگ کے مصارف کے لیے سرکاری لائسنسوں کی تجدید کے وقت جبراً کچھ رقم کاٹی جاتی تھی اس کے متعلق سوال ہے۔)



وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ امر ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیے مگر جب مجبوری ہو تو میہ، خنزیر، خمر بھی حلال ہو جاتے ہیں۔ ریلوے کے ٹکٹوں میں، پارسلوں میں، لگانوں، تجارتوں وغیرہ میں، کیا وارنڈ نہیں رکھا گیا ہے، اس لیے جبکہ فی زمانہ اسلحہ اشد ضروری ہیں بدرجہ مجبوری کم سے کم مقدار دی جاسکتی ہے۔ (۲) (مکتوبات ۱/۸۸)

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ۵۶۳ قال ابو السعود فتكون الكراهية تنزيهية، والمكروهة تنزيهاً يجامع الاباحة اهـ (ردالمحتار كتاب الاشربة قبيل كتاب الصيد ج ۶ صفحة ۳۶۱ سعید)

(۲) وفيه ايضاً دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولا استخراج حق له ليس برشوة يعنى فى حق الدافع (شامی ۶/۲۲۳-۲۲۴) سعید

## حقوق العباد

﴿س﴾

کیا حقوق العباد یعنی وہ حقوق جن کا تعلق بندوں سے ہوتا ہے توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔

﴿ج﴾

حقوق العباد نہایت زیادہ خوفناک ہیں حقوق اللہ تو توبہ صادق سے معاف بھی ہو جاتے ہیں مگر حقوق العباد توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے ہیں۔ (مکتوبات ۹۲/۱)

## ڈاکٹری علاج

﴿س﴾

آج کل ایلو پیتھک ڈاکٹری علاج رائج ہے کیا اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

﴿ج﴾

ڈاکٹری علاج میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں اگر کسی دوا کے متعلق بالیقین یا بظن یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ناپاک و ناجائز ہے تو اس دوا کو استعمال نہ فرمائیے مطلق ڈاکٹری علاج میں کوئی مضائقہ نہیں حضرت شیخ الہند ڈاکٹر عبدالرحمن مرحوم وغیرہ کا علاج کرتے رہے ہیں۔ (۱) (مکتوبات ۳۶۵-۳۶۶)

## مشت زنی وغیرہ کی ممانعت

﴿س﴾

کیا جو شخص شہوت سے مغلوب ہو تسکین کے لیے جلق وغیرہ کے ذریعہ اپنی مراد پوری کر سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے کچھ فقہی عبارتوں سے اس کا جواز پیش کیا ہے۔

﴿ج﴾

والا نامہ دیکھ کر بہت رنج ہوا بالخصوص ان شیاطین خبیثاء پر جو کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا جامہ پہن کر شیاطین

(۱) وکذا کل تداولا یجوز الا بطاهر (در مختار ۳۸۹/۶) سعید

کے کام کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم کو اور آپ کو ہدایت فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

محترمی! آپ سورہ مومنون اور معارج میں پڑھتے ہیں کہ اہل فلاح و نجات کی صفات بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(والذین ہم لفروجہم حافظون الاعلیٰ ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر) ملومین  
فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ۔

”اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو نگاہ رکھنے والے اور روکنے والے ہیں (اس سے کہ کسی کی نظر اس پر پڑے یا بدن کسی کا اس میں لگے) مگر اپنی جو روؤں پر یا ان عورتوں پر جن کے وہ مالک ہوئے، پھر بیشک یہ لوگ (اگر اپنی عورتوں یا باندیوں کے ساتھ صحبت کرنے اور لذت حاصل کرنے میں حرص اور بے صبری کریں) تو ان پر ملامت اور اولاد ہنا نہیں ہے۔ اور ان پر عتاب نہیں کیا جائے گا۔ پھر جو شخص کہ طلب کرے ان دونوں کے سواء (یعنی بیوی اور باندی کے سواء) تو وہی ہیں تعدی اور ظلم کرنے والے (اور پاکی اور عفت کی حد سے آگے بڑھنے والے اور حریصوں اور بے صبروں میں داخل ہونے والے)۔“

میرے محترم! خیال فرمائیے کہ کس زوردار طریقہ پر تمام شہوت رانی کے سب طریقوں کو بجز بیوی اور باندی کے منع کیا گیا اور ایسا کرنے والے کو ملوم اور متعدی قرار دیا گیا اور قرآن مجید میں دو جگہ مکرر کر کے صاف الفاظ میں ذکر کیا گیا۔ دوسرے مقامات میں بھی ممانعت ہے مگر اس صراحت کے ساتھ نہیں۔ استاذ الکل امام اہل اسلام و اہل ہند حجۃ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی تفسیر سورہ تبارک میں سورہ معارج کی تفسیر میں اسی آیت کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں، ترجمہ تفسیر عزیزی سورہ معارج ص ۲۰۲۔

”اب اس مقام پر جاننا چاہیے کہ آدمی کو شہوت نکالنے کے واسطے کئی طور ہیں لیکن سواء ان دو قسم کے جو شرع میں بے شبہ جائز ہیں باقی سب صورتیں ممنوع اور حرام ہیں اور ان سب حرام قسموں کی تفصیل بہت ہے، ان میں سے ایک لونڈے بازی ہے اور اس سے مراد نجس محل میں دخول کرنا یعنی غلیظ نکلنے کی جگہ میں، پھر یہ کام خواہ مرد سے ہو خواہ اپنی عورت سے ہو یا اپنی لونڈی سے ہو یا اجنبی عورت سے حرام ہے۔ اور اسی قسم سے ہے خانگی عورت کہ بدوں اجرت مقرر کرنے کے اس سے فقط دوستی اور آشنائی کے سبب سے یہ فعل کرتے ہیں اور اسی قسم سے ہے خرچی کی عورت جیسے کنجی کہ ایک رات یا ایک مہینہ کی اجرت مقرر کر کے اس سے یہ فعل کرتے ہیں اور اسی قسم سے ہے جس عورت سے زبردستی یہ فعل کریں جس طرح غنیم کی فوج دوسرے ملک میں غالب ہونے کے وقت وہاں کی عورتوں سے زبردستی یہ فعل کرتی ہے اور اسی قسم سے ہے متعدی والی عورت یعنی ایک مدت متعین کر کے اس کی اجرت

مقرر کر دینا پھر اس کے ساتھ یہ فعل کرنا اور اسی قسم سے ہے دوسرے کی لونڈی جو اس کے مالک کی رضا مندی سے مانگ کر یہ فعل کرتے ہیں، اور اسی قسم سے ہے عورت کے ساتھ یہ فعل کرنا جس کو ہندی میں چھٹی کہتے ہیں اور اسی قسم سے ہے اپنی محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا پھر وہ محرم خواہ نسبتی ہوں جیسے ماں، بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی وغیرہ اور خواہ سببی ہوں یعنی سسرال والیاں جیسے جو رو کی ماں یا بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ اور خواہ رضاعی ہوں یعنی دودھ پینے کے سبب سے محرم ہو گئی ہوں جیسے دائی جس کا دودھ پیا یا اس کی ماں، نانی، دادی یا اس کی اولاد یہ سب حرام ہیں، اور اسی قسم سے ہے وہ عورت جو ایک شخص کے نکاح میں ہے اس سے بھی نکاح کرنا درست نہیں ہے، اور اسی قسم سے ہے عورتِ مشرکہ کے ساتھ نکاح کرنا سوائے اہل کتاب کے اور اسی قسم سے ہے فاحشہ عورت سے نکاح کرنا کہ یہ بھی جائز نہیں ہے، سو یہ سب قسمیں ماوراء ذلک میں داخل ہیں اور بالکل حرام ہیں۔“

اب غور فرمائیے کہ جس طالب علم نے آپ کو کتب فقہ کا دھوکہ دیا وہ کہاں تک صحیح کہتا تھا اور اگر بالفرض کسی کتاب میں ایسا ہو بھی تو اس نص صریح قرآنی کے مقابل کیسے مانا جاسکتا ہے اور اگر بالفرض کسی فقیہ نے ذکر بھی کیا ہو تو وہ فقط اس طور سے ہوگا جیسے بھوک سے مرنے والے کو سور کا گوشت کھالینا یا مردار یا پاخانہ کھالینا یا پیاس سے مرنے والے کے لیے پیشاب یا شراب پی لینا جس کے لیے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ موت سے بچنے کے لیے اس حرام قطعی کی اجازت فقط اس مقدار میں ہے جس سے جان ہلاکت سے بچ جائے۔ چند لقموں سے زیادہ اور ہر وقت جب بھی بھوک ہو جائز نہ ہوگا۔ غَیْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فرمایا گیا ہے۔

میرے محترم! جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج ومن لم یستطع فلیصم فان الصوم له وجاء

(کذا فی الصحاح) (۱)

ترجمہ: اے جوانو! جو تم میں سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور نکاح کرے اور جس کو اس کی طاقت نہیں ہے اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کے لیے خصی ہو جانا ہے (یعنی روزہ رکھنے سے شہوت کا غلبہ ٹوٹ جاتا ہے جس طرح خصی ہو جانے، فوطوں کے نکل جانے یا پچکل جانے سے شہوت ٹوٹ جاتی ہے)۔

بہر حال جلق یا زنا یا انعام وغیرہ سب کے سب حرام ہیں کسی حال میں ان کی اجازت نہیں یہ سب کے سب شیطانی کام ہیں ان سے بچنا اور پرہیز کرنا اشد ضروری ہے اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ گنہگار مکار شیطان کا بھائی ہے اس کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے۔

(۱) بخاری شریف باب من لم یستطع الباءة فلیصم ج ۲ صفحہ ۷۵۸ قدیمی

(۲) آپ کو جلد از جلد نکاح کر لینا چاہیے بڑا خاندان، امیر گھرانہ، خوبصورت لڑکی، زیادہ جہیز وغیرہ کی تلاش میں دیر ہرگز نہ کرنا چاہیے، ملک اور برادری میں غریب اور امیر دونوں قسم کے لوگ ہیں، غریب گھرانے کی لڑکی آسانی سے مل سکتی ہے اور وہ خدمت گزار بھی ہوگی، نیز بیوہ لڑکی میں اس سے بھی زیادہ آسانی ہوگی۔ اگر کنواری کے ملنے میں دقت ہو بیوہ سے کر لیجئے۔ اگر یہ خیال مانع ہے کہ میرا فقر و فاقہ یا میری تنگ دستی کس طرح اس کو سنبھال سکے گی تو میرے محترم وہ اپنا رزق لے کر آئے گی۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (سورہ ہود) نہ بھولیے! ان یسکونوا فقراً یغنیهم اللہ من فضله (سورہ نور) یعنی زوج اور زوجہ میں سے کوئی یا دونوں فقیر ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا، اس بشارت عظیمہ کو پس پشت نہ ڈالئے جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ثلث علی اللہ عونہم الناکح الذی یرید العفاف والمکاتب والمدیون الذی یرید اداء الدین (او کما قال علیہ السلام) (۱) یعنی تین شخصوں کی مدد کرنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کر لی ہے، ایک وہ نکاح کرنے والا جو کہ عفت اور عصمت چاہتا ہے، دوسرے مکاتب تیسرے وہ مقروض جو کہ اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور جلد از جلد جہاں بھی ممکن ہو نکاح کر لیجئے اور عفت کا ارادہ رکھئے۔

(۳) اگر نکاح کے مصارف رسمیہ جوڑے، زیور، بارات اور کنبہ کا کھانا پینا وغیرہ مانع ہو اور تنگ دستی اس میں حارج ہے تو آپ کو خود معلوم ہے کہ یہ چیزیں غلط طریقہ پر ہم مسلمانوں میں رائج ہو گئی ہیں اور اس زمانے کا افلاس اور گرانی ہرگز ہرگز ان امور کی اجازت نہیں دیتی ہیں، ان سب امور کو برادری سے اٹھانا اشد ضروری ہے اور نکاح نہایت سادگی سے معمولی مہر کے اوپر تمام مسلم برادریوں میں جاری ہونا لازم ہے، بڑھے اور عورتیں اس میں ضرور حارج ہونگے مگر برادری کے جوانوں کی پارٹی بنانی اور اس غلط کاری کے خلاف مورچہ قائم کر کے برادریوں کی ان ناقابل عمل رسموں کو اٹھا دینا اور ان کے خلاف جہاد کرنا از بس ضروری ہے، اگر اس میں ماں باپ حارج ہوں تو ان کی اطاعت ضروری نہیں۔ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (۲) ان کی بات نہ ماننی چاہیے ہاں ان سے ہاتھ پائی گالی گلوچ مار پیٹ، بے ادبی اور گستاخی بھی نہ کرنی چاہیے۔ اور عدم تشدد کی

(۱) ترمذی شریف میں روایت کے الفاظ یہ ہیں ”ثلاثة حق علی اللہ عونہم المجاہد فی سبیل اللہ المکاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید العفاف۔“ (ترمذی شریف ۱۹۹/۱)

(۲) عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ لا طاعة لمخلوق فی معصیة اللہ عزوجل (مسند احمد بن حنبل حدیث ن ۱۰۹۵۔ تعلق احمد شاکر ۶۸۲) فی معصیة الخالق کے الفاظ احقر کو نہیں ملیے۔ مجمع الزوائد ج ۵ صفحہ ۲۹۲ رقم الحدیث ۹۱۳۳ دارالکتب العلمیہ بیروت

پالیسی جاری کر کے جوانوں کو ان غلط رسوم کو مٹا دینا چاہیے، ان غلط رسوم کی وجہ سے حرام کاری اغلام، زنا، جلق وغیرہ اخلاق اور صحت کو برباد کرنے والی، جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو طرح طرح کی مصیبتوں اور معصیتوں میں مبتلا کر دینے والی صورتیں پیش آرہی ہیں جن سے دین اور دنیا کی عزت اور ناموس سب برباد ہوتے جا رہے ہیں، نو جوانوں کو غیرت میں آنا چاہیے، اور مضبوطی سے اس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔

(۴) جب تک آپ نکاح نہیں کرتے ہیں روزہ رکھنے کی کثرت کریں اس سے غلبہ شہوت ان شاء اللہ کم ہو جائے گا اور اعانت الہی شامل حال ہوگی، صبح و شام ایک ایک تسبیح استغفار کی پڑھا کریں اور پڑھتے وقت دل حاضر کر کے اللہ تعالیٰ سے سابقہ گناہوں کی معافی اور آئندہ کی حفاظت طلب کریں، نیز صلوة الحاجت میں نکاح کی حاجت اور ان گناہوں سے تحفظ کا خیال رکھا کریں۔ (مکتوبات ۹/۱۳-۱۴)

## والدین کی اطاعت

﴿س﴾

والدین کی اطاعت کب اور کن امور میں کرنی چاہیے۔

﴿ج﴾

والدین کی اطاعت ہر اس چیز میں واجب ہے جو کہ از قسم معصیت نہ ہوں لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (۱)۔ نیز والدین اگر غیر مسلم بھی ہوں تو ان کی خدمت گزاری اور حسن معاشرت ضروری ہے۔ وان جاہداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعہما وصاحبہما فی الدنیا معروفاً۔ (لقمان)

اگر خلاف طبع ابن کو مفارقتِ زوجہ کا حکم کریں تو ابن کا زوجہ کو طلاق دینا ضروری ہے (۲)۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باپ کے امتثال حکم کا ارشاد فرمایا (۳)

(۱) فقام عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فلقیہ بین الناس قال: تذکر یوم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعة لمخلوق فی معصیة اللہ۔ فقال عمران للحکم، سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا طاعة لأحد فی معصیة اللہ تبارک و تعالیٰ۔ (مسند احمد رقم الحدیث ۲۰۱۳۰، ۲۰۱۳۱)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال "لا طاعة فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف" (الصحيح المسلم باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة وتحريمها فی المعصیة ۱۲۵/۲ قدیمی)

(۲) عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: او صانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعشر کلمات، قال "لا تشرک با اللہ شیئاً وان قتلت أو حرقت، ولا تعقن والدیك وان أمراک ان تخرج من أهلک ومالک" (مسند الامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث معاذ بن جالب رقم الحدیث ۴۱۵، ۳۱۶۶ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(۳) ترمذی شریف مع العرف الشدی ۲۲۶/۱

بہر حال مکہ اور منسٹھ میں والدین کو راضی رکھنا اور خدمت کرنا ضروری ہے الا فی المعصیۃ -

(مکتوبات ص ۳۵۸-ج ۴)

## عورتیں جماعت میں کیسے شریک ہوں



عورتیں اگر کسی مرد کی اقتدا کریں تو کیا ان کے اور امام کے درمیان پردہ ہونا ضروری ہے؟ نیز عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔



اگر یہ سب عورتیں ذبی رحم محرم ہیں تو پردہ کی ضرورت نہیں، اور اگر بعض ایسی ہیں جن سے یہ علاقہ مذکورہ نہیں ہے تو ان میں اور امام میں پردہ ہونا چاہیے عورت مسجد میں جا کر نماز باجماعت پڑھ سکتی ہے، سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ گھر میں پڑھے (۱) اور جس قدر پردہ داری کے ساتھ پڑھے گی اسی قدر نماز افضل ہوگی۔ بیوی کو بھی اپنے شوہر کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، دانہ نے نہ کھڑی ہو۔

(مکتوبات ۸۷/۴)

## ولد الزنا کی اولاد



اگر ماں یا باپ میں سے کوئی یا دونوں زنا سے پیدا ہوئے ہوں تو ان کی اولاد حلالی ہوگی یا حرامی۔ نیز جو نطفہ حالت حیض میں قرار پایا ہو اس کی اولاد کا کیا حکم ہے۔



جب کہ میاں بیوی میں عقد نکاح شرعی ہو چکا ہے اور وہ قائم ہے تو اولاد حلالی ہی ہوگی، خواہ ماں یا باپ یا دونوں اولاد زنا (حرامی) ہوں یا حلالی جو نطفہ ایام حیض و نفاس میں قرار پایا ہے وہ بھی حلالی ہے البتہ ماں باپ کا یہ فعل ناجائز تھا اور اگر عورت مجبور کی گئی تھی تو وہ گنہگار نہیں۔ (مکتوبات ۸۳/۴)

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تمنعوا نساءکم المساجد و بیوتہن خیر لهن (ابوداؤد

## اونچی ایڑی کا چپل پہننا

﴿س﴾

لیڈی پمپ اونچی ایڑی کا چپل مسلم عورتوں کے لیے پہننا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

لیڈی پمپ اونچی ایڑی کا چپل وغیرہ عورتوں کے مخصوص لباسوں میں سے ہیں اگر ان میں مشابہت غیر مسلم قوموں کی عورتوں سے نہ ہو یعنی یہ لباس مسلمان عورتوں میں بھی مستعمل ہو رہا ہو یا ان کے پہننے پر ضرورت مجبور کرتی ہو مثلاً عورت کو سفر درپیش ہے اور ہندوستانی پھدے جوتے یا زیر پائی سے سفر میں وقتیں آمد و رفت میں پڑتی ہیں تو لیڈی پمپ کا استعمال جائز ہوگا، تاہم بہتر یہی ہے کہ اپنا دیسی لباس کھڑی ایڑی کا جوتہ استعمال کریں۔ (مکتوبات ۸۶/۳) (۱)

## عورتوں کا لباس

﴿س﴾

عورتوں کو کیسا لباس پہننا چاہیے اور کیسا نہ پہننا چاہیے۔

﴿ج﴾

عورتوں کو ایسا لباس نہ چاہیے جس میں ان کا ایسا جسم ظاہر ہو جو کہ کھلنا نہ چاہیے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں باعتبار نماز اور ہے اور باعتبار خارج نماز، اجنبیوں، ذی رحم محرم، دیگر رشتہ داروں سے اور ہے۔ ایسا لباس نہ ہونا چاہیے جس میں مردوں کی مشابہت ہوتی ہو (۲) ایسا بھی نہ ہونا چاہیے جس میں کفار عورتوں کی مشابہت ہوتی ہو (۳) ایسا بھی باریک نہ ہونا چاہیے جس میں نیچے کا بدن نظر آتا ہو، ایسا چست اور کسا ہوا نہ ہونا چاہیے جس میں اندرونی بدن کی کیفیت نظر آتی ہو (۴) چوڑی دار پانچامہ اگر ایسا کسا ہوا نہ ہو جس سے بدن کی کیفیت نظر آئے

(۱) عن ابن ابی ملیکة قال: قيل لعائشة رضي الله تعالى عنها: ان المرأة تلبس النعل الذي يلبسه الرجال، فقالت: لعن رسول الله ﷺ الرجل من النساء: وهي المترجلة، يقال: امرأة رجلة اذا تشبهت بالرجل في الزي، فاما في العلم والرأي محمود، منه ان عائشة رضي الله عنها كانت رجلة الرأي۔ “بذل المجهود: ۵۷/۵

بذل المجهود شرح ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء: ۵۷/۵ معهد الخليل الاسلامی کراچی

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنه عن النبي ﷺ انه لعن المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهين من الرجال بالنساء (بخاری شریف ۲۸۴/۲) قدیمی

(۳) من تشبه بقوم فهو منهم بروایة ابن عمر رضي الله عنه (ابو داؤد شریف ۵۵۹/۲) قدیمی

(۴) عن ابی هريرة رضي الله عنه انه قال نساء كاسيات عاريات مائلات لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها (او جز المسالك ۲۰۵/۶) صحيح المسلم، كتاب اللباس، باب النساء الكليات العاريات ۲۱۷/۲ قدیمی

بلکہ ڈھیلا ڈھالا ہو تو جائز اور مناسب ہے قیص کا بھی یہی حال ہے۔ (مکتوبات ۸۴۴-۸۵)

## نظر کی حفاظت

﴿س﴾

دل جمعی اور معاصی سے حفاظت کے لیے نصیحت فرمائیں!

﴿ج﴾

نظر کی حفاظت کیجئے، استغفار اور ذکر کی کثرت کیجئے، نظر شہوت کو روکنے، متشہات سے اجتناب کیجئے، بالخصوص خلوت ہرگز نہ ہونی چاہیے۔ (مکتوبات ۲۷۶۲) (۱)

## اجنبی سے پردہ

﴿س﴾

اجنبیوں سے کتنا پردہ کرنا عورت پر ضروری ہے۔

﴿ج﴾

جن لوگوں سے نکاح جائز ہے..... خواہ رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار ان سے تمام جسم کا چھپانا فرض ہے۔ خواہ چہرہ ہو یا ہاتھ پیر یا سر کے بال وغیرہ بالخصوص جب کہ فتنے کا خوف ہو (۲) البتہ بوقت ضرورت بمقدار ضرورت اجنبی کے سامنے بدن کھول سکتی ہے، جیسے بیمار کو حکیم و طبیب کے سامنے نبض دکھانا، درد کی اور زخم کی جگہ کھولنا وغیرہ یا قاضی اور گواہ کے سامنے چہرہ کھولنا یا ضرورت خرید و فروخت کے لیے جب کہ اس کا کوئی کارکن نہ ہو ہاتھ سے لین دین کرنا وغیرہ۔ (مکتوبات ۸۷۴) (۳)

(۱) عن الحسن مرسلًا قال: بلغني أن رسول الله ﷺ قال "لعن الله الناظر والمنظور البهت" رواه البيهقي في شعب الايمان (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۰ باب النظر الي المخطوبه الفصل الثالث قديمي)  
 (۲) قال في الدر المختار: وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال لانه عورة بل لخوف الفتنة كمسه وان امن الشهوة (در مختار مع الشامی ۴۰۶۶)  
 (۳) عالمگیری ۳۲۸۵-۵ واما نظره الي ذوات محارم فنقول يباح ان ينظر منها الي موضع زينتها الظاهرة والباطنة وهي الرأس والشعر والفس الخ الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر اليه ومالا يحل له وما يحل له مسه وما لا يحل

## محرموں سے پردہ کی حد

﴿س﴾

اپنے محرم رشتہ داروں سے عورت پر کتنا پردہ کرنا ضروری ہے۔

﴿ج﴾

ایسا رشتہ دار جس سے نکاح جائز نہیں ہے جیسے باپ، حقیقی بھائی یا علاقائی بھائی یا اخیافی بھائی، چچا، ماموں، بٹا، داماد وغیرہ ان سے پیٹھ، پیٹ، ناف سے گھٹنے تک کا جسم چھپانا فرض ہے۔ سر، بال، گردن، بانہہ وغیرہ ان کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں۔ (۱) (مکتوبات ۸۷/۴)

## میاں بیوی میں پردہ نہیں ہے

﴿س﴾

کیا شوہر اپنی بیوی کے اور بیوی شوہر کے تمام اعضاء دیکھ سکتی ہے۔

﴿ج﴾

عورت کے تمام اعضاء خاوند کے لیے دیکھنے جائز ہیں۔ کسی حصہ جسم کو اس سے چھپانا ضروری نہیں ہے اور اسی طرح مرد کا تمام جسم بیوی کو دیکھنا جائز ہے۔ (۲) (مکتوبات ۷۶/۴)

(۱) وينظر الطبيب الى موضع مرضها، اه ( كنز الدقائق ص ۴۲۴ كتاب الكراهية فصل في النظر واللمس،

كتب خانہ رشیدیہ )

(۲) عالمگیری ۳۲۶/۵۔ مگر افضل یہ ہے کہ میاں بیوی بھی ایک دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھیں۔ الاولی ان لا ينظر كل

واحد منهما الى عورة صاحبه وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت۔ ما رأیت احداً كان اشبه بمتا

وهديا ودلاً وفي رواية: حديثاً وكلاماً برسول اللہ ﷺ من فاطمة، كانت اذا دخلت عليه، قام اليها فأخذ

بيدها فقبلها وأجلسها في مجلسه وكان اذا دخل عليها، قامت اليه فاخذت بيده فقبلته واجلسته في

مجلسه۔ ” رواه ابو داود “ (مشکوٰۃ المصابيح ۴۰۲/۲ كتاب الادب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني

قدیمی )

## عورتوں سے مصافحہ

﴿س﴾

اپنی محرم عورتوں سے مصافحہ اور دست بوسی کی اجازت ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان سے مصافحہ اور دست بوسی کی جاسکتی ہے شہوت نہ ہونی چاہیے۔

(مکتوبات ۸۷/۴) (۱)

## محرم عورتوں کے ساتھ رہن سہن

﴿س﴾

کیا اپنی محرم عورتوں مثلاً خالہ، پھوپھی وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا درست ہے۔ نیز چچا زاد بہن ماموں زاد بہن اور پھوپھی زاد بہنوں کے ساتھ رہن سہن کا بھی کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

ہر ذی رحم محرم عورت جس کے ساتھ نکاح حرام ہے آپ اس کے ساتھ کھا سکتے ہیں، اسی طرح غیر مشتبہ لڑکی کے ساتھ کھا سکتے ہیں اگرچہ اس کے ساتھ نکاح جائز ہو۔ چچا زاد بہن، ماموں زاد بہن، پھوپھی زاد بہن، خالہ زاد بہن، اگر وہ رضاعی بہن نہیں ہے اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اس لیے اس کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جاسکتا جو ذی رحم محرم (اپنے حقیقی یا رضاعی بہن اور بیٹی) کے ساتھ کیا جاسکتا ہے یہی حال مصافحہ و دست بوسی وغیرہ کا ہے۔ (مکتوبات ۸۵/۴) (۲)

(۱) عالمگیری ۳۲۸/۵

(۲) قال اللہ تعالیٰ واخوانکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت فافرد بنات الاخ وبنات الاخت با لذكر، لان اسم الاخ والاخت لايتنا ولهن كما يتناول اسم البنات بنات الاولاد۔ (احکام القرآن للجصاص: ۱۷۷/۲ قديمی)

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالى " وفروء أبويه وان نزلن، فتحرم بنات الاخوة والاخوات وبنات اولاده الاخوة والاخوات " ردالمحتار ۲۸۳ فعل في المحرمات، سعيد ( و كذا في الفتاوى العالمگیریه ۲۷۳/۱ الباب الثالث في بيان المحرمات، رشیدیہ)

## مردوں کا لباس

﴿س﴾

مردوں کے لیے شریعت مطہرہ نے لباس کے کیا حدود متعین کئے ہیں۔

﴿ج﴾

مردوں کے لیے شرعی لباس کی کوئی وضع قطع معین نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ کشف عورة یعنی ناف سے لے کر گھٹنے تک کا کھلنا نہ ہو (۱)، اگر یہ حصہ کل یا بعض کسی لباس میں کھلتا ہے تو ناجائز ہوگا، جیسے دھوتی اور ایسا لباس جو کہ کسی غیر مسلم قوم کا مخصوص ہو اور اس کے پہننے سے ان کا تشبہ ہوتا ہو وہ بھی حرام ہے، اسی طرح عورتوں کا لباس مردوں کو پہننا حرام ہے، (۲) اسی طرح ریشمی کپڑا جس میں ریشم بالکلیہ یا غالب ہو حرام ہے اسی طرح ایسا پانجامہ یا لنگی جس سے ٹخنہ ڈھک جائے (۳) اسی طرح ایسا لباس جس کو متکبرانہ طریقہ پر استعمال کیا جائے اور اس سے غرباء کی تذلیل و توہین اور اپنی بڑائی مقصود ہو، اسی طرح وہ لباس جس کی طہارت میں شبہ ہو یا عدم طہارت کا یقین ہو کسی متبع شریعت اور نمازی کو جب تک کہ اس کو پاک نہ کر لیا جائے یا اس کی پاکی کا ظن غالب نہ ہو جائے اس کو استعمال نہ کرنا چاہیے۔ (مکتوبات ۸۴/۴)

## محکمہ پولیس میں ملازمت

﴿س﴾

کیا کوئی بے روزگار شخص جیل یا پولیس کے محکمہ میں نوکری کر سکتا ہے۔

﴿ج﴾

اگر کوئی صورت تجارت یا صنعت یا پرائیوٹ ملازمتوں وغیرہ کی بالفعل میسر نہیں ہوتی ہے تو جیل ہی میں

(۱) وہی للرجل ما تحت سرتہ الی ما تحت رکبتہ (التنویر ۲۰۶/۶)

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قال، قال رسول اللہ ﷺ: من تشبہ بقوم فهو منهم، (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرة ۵۵۸۲ دار الحدیث)

(۳) عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: "ما أسفل من الکعبین من الازار فی النار" رواہ البخاری (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الاول ص ۳۷۳ قدیمی)  
(وصحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ما أسفل من الکعبین ففی النار ۸۶/۲، قدیمی)

ملازمت سپاہیوں وغیرہ میں کر لیں یا پولیس وغیرہ میں ملازم ہو جائیں۔ الضرورات تیج المحظورات۔ اگرچہ یہ ملازمتیں بھی محظورات سے خالی نہیں ہیں مگر اہون البلیتین کو اختیار کیجئے، ملازم ہو جانے پر نکاح اور گزران کی صورتیں آسان ہو جائیں گی، ملازمت میں حرام اعمال سے بچنے کی پوری کوشش جاری رکھیں اور فرائض کو ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں، میں ان شاء اللہ دعا کرتا رہوں گا، کاش میری دعا کسی قابل ہوتی۔

(مکتوبات ۱۳۴-۱۵)

## عمل سیکھنا اور اس کی اجرت لینا

﴿س﴾

تسخیر وغیرہ کے اعمال کو سیکھنا اور ان کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنا کیسا ہے۔ نیز رمل وغیرہ کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

عامل نے علوی عمل کر کے اگر میاں بیوی میں محبت پیدا کرادی اختلاف کو دور کر دیا تو اجرت تو جائز ہو ہی گی ممکن ہے کہ ثواب بھی مل جائے اور اسی طرح اگر دو شخصوں میں (اجنبی مرد اور اجنبی عورت میں) ناجائز تعلق ہو اور تفریق کر دی تو امید ہے کہ علاوہ جواز اجرت کچھ ثواب حاصل ہو جائے۔ نیت پر مدار ہے خلاصہ یہ کہ کسی علوی عمل سے جو کچھ بھی کیا جائے گا وہ نہ صرف جائز ہی ہوگا بلکہ اجرت لینا بھی جائز ہوگی بشرطیکہ جو کام کیا جائے وہ شرعی کوئی ممانعت اور قباح نہ رکھتا ہو۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان صحابہ کرام کی اجرت میں شرکت بھی فرمائی جنہوں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر بچھو کے ڈنک مارے ہوئے کو اچھا کیا تھا، آسیب کو دور کرنا، جنات کی تکالیف سے نجات دلانا، سانپ بچھو کے زہر کو اتارنا، مختلف امراض کو تعویذوں سے دور کرنا سب پر اجرت جائز ہے۔ کسی علوی عمل سے تابع کر کے جائز کام لینا جب کہ وہ بخوشی کام کرتا ہو ایسا ہی ہے کہ آپ کسی انسان سے کام لیں اور وہ بخوشی آپ کی تابعداری کرے۔ ہاں وہ تابع جن اگر روپیہ چرا کر لاتا ہے اور عامل کو معلوم ہے کہ یہ ناجائز چوری سے لایا ہے تو یہ ناجائز ہی ہوگا۔ اور اگر جائز چوری سے لایا ہے مثلاً حربی کفار جو کہ جبراً لوگوں سے روپیہ لوٹ کر جمع کئے ہوئے ہوں اس میں سے لایا ہو اور روپیہ جائز ہوگا۔

ستاروں کی ارواح سے استفادہ علوی اعمال کے ذریعہ سے جائز ہے۔ علی ہذا القیاس ان کو تابع کرنا البتہ رمل سیکھنا سکھانا دونوں حرام ہے دفع شر کے لیے اگرچہ بعض حضرات نے اجازت دی ہے مگر فتویٰ عدم جواز پر ہے ان

سب امور میں سفلی اعمال ناجائز ہیں کیونکہ ان میں الفاظ و اعمال شرکیہ کئے جاتے ہیں۔ (۱) (مکتوبات ۴/۵۷-۵۸)

## والد اور بیوی کی خوشنودی کے لیے لمبے بال رکھنا

﴿س﴾

میرے والد ماجد کا حکم اور اہلیہ کی خواہش یہ ہے کہ میں لمبے بال رکھا کروں لیکن میرے شیخ مجھے حکم کرتے ہیں کہ میں بال منڈوا دوں ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

بال رکھنا یقیناً سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے (۲) والد ماجد کی اطاعت بھی ضروری ہے اہلیہ محترمہ کی خواہش بھی جب تک کہ حد و شرع کے باہر نہ ہو پوری کرنی مستحسن ہے اور مطلوب ہے۔ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ تحب أن أتزين لها كما أحب أن تتزين لي (۳)۔ ”میری زوجہ چاہتی ہے کہ میں اس کے لیے زیب و زینت اختیار کروں۔ جس طرح میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے لیے زیب و زینت کرے۔“ خلاصہ یہ کہ زینت بھی اول حقوق میں سے ہے۔ جن کا پورا کرنا زوجین کے لیے ایک دوسرے پر مطلوب ہے قرآن شریف میں ہے ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ﴾ اس میں بہت سے مصالح بھی ہیں الی آخرہ۔

بنابریں آپ خود مولانا محمد احمد سے ہی رجوع فرمائیں اور عرض کریں کہ حضور میں جناب کے حکم سے سرتابی نہیں کرتا مگر بالوں کے رکھنے میں علاوہ سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ ہونے کے والد ماجد کے حکم کی اطاعت اور اہلیہ محترمہ کی خواہش بھی ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سے مصالح دینی اور دنیوی ہونے کی صورتیں ہیں۔ اس لیے اب آپ ان حالات پر غور فرما کر جو حکم مناسب سمجھیں صادر فرمائیں مجھ کو قوی امید ہے کہ مولانا اس حکم کو اٹھالیں گے۔ (مکتوبات ۳۶۲-۳۶۵، ج ۴)

(۱) وقد جاء في بعض الأحاديث جواز الرقى وفي بعضها النهي عنها فمن الجواز قوله عليه السلام استرقوا لها فان بها النظرة اي اطلبوا لها من يرقبها ومن النهي قوله لا يسترقون ولا يكتون والاحاديث في القسمين كثيرة وجه الجمع بينهما ان الرقى يكره منهما ما كان بغير اللسان العربي وبغير اسماء الله تعالى وصفاته وكلامه في كتبه المنزلة وان يعتقد ان الرقية نافعة لا محالة فيتكل عليها واياها (عمدة القارى ۲/۵۶۲) وانظر (۲۷۹/۲)

(۲) عن انس رضى الله عنه ان شعر رسول الله ﷺ كان الى انصاف اذنيه (شمانل ترمذى ۳) باب ماجاء فى شعر رسول الله ﷺ ج ۲ ص ۷۲۳ رحمانيه

(۳) قال فى الهنديه: وروى عن ابى يوسف رحمه الله تعالى انه قال كما يعجبني ان تنزين لى يعجبها ان اتزين لها (۳۵۹/۵) (الباب العشرون فى الزينة واتخاذ انحامد للامة كتاب الكراهيه، رشيديه)

## دار الحرب اور سود

## کیا ہندوستان دارالحرب ہے

﴿س﴾

کیا ہندوستان دارالحرب ہے اور یہاں سودی لین دین درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

لا شك ان الهند دار حرب بيد أن حضرة مولانا العانوتوى قدس سره العزيز كان يرى ان من كان من سكان الديار الاسلامية يباح له ان يدخل الهند وياخذ من الحربيين الاموال بالربوا والقمار، وامثال ذلك فيه التراضى بغير نقض عهد واما القاطنون بالهند، فليس لهم ذلك ويرى ان النص الفقهي معناه كذلك وله رسالة في ذلك<sup>(۱)</sup> وأما حضرت مولانا الگنگوهى قدس الله سره العزيز فكان يرى ان المسلمين القاطنين والهنود ايضا لهم ان ياخذوه من الانكليز والهند وبيد انه كان لا يفشى بهذ الفتوى لمصلحة حفظ العوام۔

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے مگر حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ<sup>(۲)</sup> العزیز کا

(۱) حضرت نانوتوی کا یہ رسالہ ایک مکتوب کی شکل میں ہے جو آپ نے حضرت مولانا سید احمد حسن امر وہوئی کے نام تحریر فرمایا ہے فارسی زبان میں لکھا ہوا یہ مکتوب (ہشتم) حضرت کے دیگر مکتوبات کے ساتھ مطبوع ہے۔ اور کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں موجود ہے، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیت علماء ہند کے پانچویں فقہی اجتماع (منعقدہ دیوبند۔ ۱۷۔ ۱۹ رجب ۱۳۱۶ھ) نے بھی اپنی تجویز میں حضرت نانوتوی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے غیر اسلامی ملک کے مسلم شہریوں کے لیے وہاں رہتے ہوئے سودی لین دین سے ممانعت کا فیصلہ کیا ہے آئندہ حضرت کے فتاویٰ مطالعہ کرتے وقت اس وضاحت کو ملحوظ رکھیں۔ محمد سلمان

(۲) لومات الرجل وکسبه من بيع البازق او الظلم او اخذ الرشوة رشورۃ الورثه ولا ياخذون منه شيئاً وهو اولی ويردونها علی اربابها ان عرفوهم ولا تصدقوا بها لان سبيل الكسب الخبيث التصديق اذا تعزز الرد علی صاحبه (ردالمحتار كتاب الحظر والا باحة فصل في البيع ۳۸۵/۶ سعید)

خیال تھا کہ باشندگان بلاد اسلامیہ کے لیے جائز ہے کہ وہ ہندوستان میں داخل ہو کر سود اور جوئے سے حربی کامال لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس میں تراضی طرفین ہو اور عہد شکنی نہ ہو لیکن باشندگان ہند کے لیے جائز نہیں ہے ان کا خیال تھا کہ اس معنی میں نص فقہی بھی ہے چنانچہ اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے البتہ حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا خیال تھا ہندوستان کے رہنے والے مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں سے سود لے سکتے ہیں لیکن عوام کی مصلحت کا لحاظ کر کے اس فتوے کو شائع نہیں کرتے تھے۔ (مکتوبات ۱۶۱-۱۷۱) (۱)

## ہندوستانی بنکوں کے سود کا حکم



ہندوستان میں قائم بنکوں سے سودی معاملہ کرنا اور ان سے سود لینا جائز ہے یا نہیں۔



لا شك ان البنوك الواقعة بالهند بعضها للحربيين المحاربين من اهل اور باهولاء يدفعون النقود الربوية لجماعتهم التبشيرية اعني البادريين لاشاعة المسيحية اذالم ياخذوا رباب الاموال الربوا عليها وحديث ان عدم الاخذ حينئذ او جب مفسدة عظيمة افتى ارباب الحل والعقد بوجوب اخذ الربوا ثم صرفها على فقراء المسلمين تصدقا او في غير هذا المحل ، حتى انها لو توخذ ثم ترمى في البحر فهي خير من ابقائها في البنوك ، اما اخذ الربوا من الهنود فالى الساعة اولئك متوقفون لان اشاعة هذه المسئلة تودي الى جريان الربوا بين المسلمين فان عامة سكان الهند من المسلمين هم فقراء يحتاجون الى الاستدانة بالربوا (۲)

واما الهنود فاولئك اصحاب اموال طائلة لا يحتاجون الى الاستدانة غالباً ومن احتاج منهم قليل فاذا حصلت الاشاعة لهذه الفتوى تكون ذريعة للفساق من ارباب الدنيا من المسلمين ان ينهبوا اموال الضعفاء منهم ويرونها حلالا واما الان فنحن نقول للمسلمين ان

(۱) ولا ابوابين حربى و مسلم وفى ردالمحتار احترز با العربى عن المسلم الاصلبى والذى وكذا عن المسلم العربى اذا هاجرا لينا ثم عادا اليهم فانه ليس للمسلم ان يرابى منه اتفاقاً (الدر المختار باب الربوا ۱۸۶/۵ سعید)

(۲) قال الله تعالى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان سورة المائدة پارہ ۶ آیت نمبر ۲

اخذ الربوا واعطائها و کتابتها و غیر ذلک حرام فامتنعوا عنه و قتلوا مصاریفکم حتی لا تحتاجوا الی الاستدانة، و نقول لهم لا تعینوا باموالکم الطائلة اعدائکم الوطنیین الہنود او غیر ذلک ہہنا مصالح عديدة مع ان الہنود بالدیار الہندیة اسراء مثلنا، فان فی نظری وضعیة القاطنین بالہند وضعیة الاسیر بایدی اهل الحرب لان (۱) احوالنا اشبه بالاسیر و بناء علیہ یحل لنا من هولاء المحاربین کل شی سوی الفروج کما صرح بہ الفقہاء اذا تاملتم ینظر لکم الامر و هل یحل من الہنود امر لا محل تامل (۲) و ما قلت ان دفع الفلوس الی البنوک لا یحل لا عانة الکفار فهو صحیح و ذلک امر واقعی اجترأ علیہ ارباب الدنیا و من لا مبالاة فی قلبہ للذین بحیلة انه یخاف علی نقود من السراق و ارباب الفساد و بان المال اذا کان فی صنادیقہ لا یحصل لہ منفعة اصلا بخلافہ اذا کان فی البنک (۳)

ترجمہ: ہندوستان میں جو بینک قائم ہیں ان میں سے بعض اہل یورپ کے ہیں جو اسلام کے مخالف اور دشمن ہیں، یہ لوگ سود کی رقمیں پادریوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ان کے تبلیغی مشن کو دیتے ہیں، جبکہ سود کی رقموں کا مطالبہ روپیہ جمع کرنے والے نہیں کرتے، اس لیے سود کی رقم نہ لینا ایک بڑے فتنہ و فساد کا سبب ہے لہذا ارباب فتویٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ سود کی رقم ضرور لینا چاہیے اور بطور خیرات کے مساکین کو تقسیم کر دینی چاہیے یا اور کہیں دیدینی چاہیے، بلکہ سمندر میں پھینک دینا بینک میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے، البتہ ہندوؤں سے سود لینے کا معاملہ مسلمانوں میں پھیل جائے گا کیونکہ ہندوستان کے عام مسلمان غریب ہیں اور وہ سودی روپیہ قرض لینے پر مجبور ہیں۔

ہندو اکثر سرمایہ دار ہیں، ان کو سود پر روپیہ لینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور جب جواز سود کے فتویٰ کی اشاعت ہوگی تو دنیا دار مسلمان غریب مسلمانوں کے مال کو لوٹ لیں گے کیونکہ مسلمان جائز سمجھ کر ان کو سود دیں گے، ہم مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ سود کا لین دین اور معاملہ حرام سمجھیں اور اس سے باز آئیں اور اپنے

(۱) لومات الرجل و کسبہ من بیع البازق او الظلم او اخذ الرشوة یتورع الورثة ولا یأخزون شیئاً و هو اولی و یرونها علی اربابها ان عرفوہم و الا تصدقوا بہا لان سبیل الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبہ (

ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع ۳۸۵/۶ سعید)

(۲) حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ نے جہاں جہاں بھی بینکوں کے سود کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس سے مراد وہ بینک ہیں جن کے مالک انگریز ہیں ہندوؤں کے بینکوں کے بارے میں حضرت کی یہ رائے نہیں ہے۔ اور حضرت کا یہ فتویٰ آزادی ہند سے پہلے کا ہے۔

(۳) لا ربا بین حربی و مسلم مستان ولو بعقد فاسد او قمار ثمة لان مالہ ثمة مباح فیحل برضاہ ( الدر المختار ۱۸۶/۵ باب الربوا مطلب فی استقراض الدراہم عددا)

اخراجات کم کریں، تاکہ قرض لینے کی نوبت نہ آئے اور مسلمانوں سے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ تم اپنی رقموں اور سرمایہ سے اپنے ہم وطن ہندو دشمنوں وغیرہ کی مدد نہ کرو اس کے علاوہ سود نہ لینے میں اور بہت سے مصالح ہیں ہندوستان میں ہندو بھی مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے غلام ہیں، میرے نزدیک باشندگان ہند کی حیثیت ان قیدیوں کی سی ہے جو دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اور ہماری حالت محض قیدیوں جیسی ہے اس بنا پر ان دشمنوں کی ہر چیز ہمارے لیے مباح ہے سوائے عورتوں کے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے غور کرنے پر یہ مسئلہ روشن ہو جائے گا البتہ ہندوؤں کے ساتھ یہ برتاؤ جائز ہے یا نہیں قابل غور ہے آپ کا یہ فرمانا کہ بینک میں رقم جمع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں دشمنوں کی مدد اور تائید ہوتی ہے، تو یہ بھی درست ہے اور واقعہ ہے کہ دنیا پرست لوگ بینک ہی کی طرف رخ کرتے ہیں، اور وہی لوگ بینک میں روپیہ جمع کرتے ہیں جن کو دین و مذہب کی پابندی کا خیال نہیں ہے اور یہ عذر کرتے ہیں کہ چوروں اور بد معاشوں سے ہم کو خطرہ ہے نیز جو روپیہ صندوق میں بند رہتا ہے اس سے کوئی نفع نہیں حاصل ہوتا بخلاف بینک کے کہ اس میں نفع ہے۔ (مکتوبات ۱۷۱-۱۹)

کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سود کو جائز کہتے ہیں

﴿س﴾

سنا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دارالحرب میں سود جائز ہے اس کی کیا حقیقت ہے۔

﴿ج﴾

لا شك ان ابا حنيفة رحمه الله تعالى لا يقول بحل الربوا اصلا في وقت ولا مكان وانما يقول لا ربوا بين المسلم والحربي ثمه فانه لم يره ربواً ونفاه عن مصداق الربوا لا انه قال بحل الربوا۔ اس میں شک نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی جگہ کسی وقت بھی سود لینا جائز نہیں ہے لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ مسلم اور حربی میں سود کا وجود ہی نہیں ہوتا وہ یہ نہیں فرماتے کہ سود جائز ہے، بلکہ سود کی اس معاملہ میں نفی کرتے ہیں۔ والسلام (مکتوبات ۲۰۱)

ہندوستان دارالحرب ہے

﴿س﴾

کیا ہندوستان دارالحرب ہے۔



ہندوستان دارالحرب ہے وہ اس وقت تک دارالحرب باقی رہے گا جب تک اس میں کفر کو غلبہ حاصل رہے گا دارالحرب کی جس قدر تعریفات کی گئی ہیں اور جو شروط بیان کی گئی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہم نے اپنے فتاویٰ میں اس موضوع پر بحثیں فرمائی ہیں ان پر کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے جامع الرموز عالمگیری جلد ۲۔ باب استیلاء الکفار ملاحظہ فرمائیں۔ (مکتوبات ۱۲۳/۲) (۱)

## دارالحرب میں سود



دارالحرب میں مسلمان غیر مسلم باشندہ دارالحرب سے سود لے سکتا ہے یا نہیں۔



دارالحرب میں غدرو خیانت کے سوا ہر طریقہ سے اہل حرب سے اموال حاصل کرنا مسلمانوں کے لیے مباح (جائز) ہے اس لیے مسلمانوں اور حربی کے درمیان معاملہ سود پر سود کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ طرفین کا (امام ابوحنیفہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما) اصول ہے ان الربا لا یجری بین المسلم والحربی فی دار الحرب امام ابو یوسف کے نزدیک حربی کے ساتھ بھی سودی معاملات جائز نہیں ہیں جو لوگ ازراہ تقویٰ دارالحرب میں سود لینے سے اجتناب کرتے ہیں وہ امام ابو یوسف کے اس ہی مسلک پر عمل پیرا ہیں۔ لیکن یہ تمام تفصیلات اس ہی صورت میں ہیں جبکہ سود لینے والا مسلمان اور سود دینے والا حربی ہو مسلمان کا مسلمان سے سود لینا یا غیر مسلم کو سود دینا متفقہ طور سے ناجائز ہے۔ (۲) (مکتوبات ۱۲۳/۲)

(۱) ولا ربوا بین حربی و مسلم و فی رد المحتار احترز بالحربی عن المسلم الاصلبی والذمی و کذا عن المسلم العربی اذا اجر البیئنا ثم عاد الیہم فانہ پس للمسلم ان یرابی منه اتفاقاً (الرد المحتار باب الربا ۱۸۶/۵ سعید)  
 (۲) دیکھئے شامی ۸۶/۵ او قد الزم الاصحاب فی الدرس ان مرادهم من حل الربوا والقمار ما اذا حصلت الزیادة للمسلم نظراً الی العلقہ اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان جیسے ممالک میں بھی کاروبار وغیرہ کے لیے سودی قرض کی اجازت نہیں کیونکہ اس میں سود دینا پڑتا ہے جو بہر حال ناجائز ہے۔ باب الربوا مطلب فی استقراض الدرہم عددا سعید

## دارالحرب میں جمعہ کا قیام

﴿س﴾

آزاد ہند کے بارے میں دارالحرب ہونے نہ ہونے اور دارالحرب میں جمعہ کے متعلق سوالات۔

﴿ج﴾

آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور دارالحرب میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ تو ہندوستان میں جب سے اقتدار اسلام ختم ہوا جب ہی سے دارالحرب ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ ۱۸۰۳ میں دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیتے رہے فتاویٰ عزیز یہ دیکھئے اور ہمارے اکابر اسی وقت سے دارالحرب کا فتویٰ دیتے رہے اور آج بھی وہی حال ہے جمعہ دارالحرب میں یقیناً ہوتا ہے اور فرض ہے جیسا کہ انگریزی زمانہ میں پڑھتے رہے (۱) ننگ اسلاف حسین احمد غفر لہ ۶/ صفر ۱۳۷۰ھ دارالعلوم دیوبند۔ (مکتوبات ۲۵۰/۲-۲۵۱)

## کیا سیکولر اسٹیٹ دارالاسلام ہے

﴿س﴾

زید کہتا ہے کہ حضرت والا نے اپنی کتاب نقش حیات میں سیکولر اسٹیٹ کو دارالاسلام قرار دیا ہے کیا زید کا یہ دعویٰ صحیح ہے! اور آنجناب اسی کے قائل ہیں؟

﴿ج﴾

میں نے کسی جگہ کتاب مذکور میں اس سیکولر اسٹیٹ کو دارالاسلام نہیں لکھا ہے نہ جمہور کے قول پر نہ حضرت شاہ صاحب کے قول پر پھر میں نہیں سمجھتا کہ آپ کا اعتراض کس طرح وارد ہوتا ہے۔ جو وجوہ موجودہ حکومت کے شرمناک کارناموں کے آپ ذکر فرما رہے ہیں مجھ کو انکار نہیں ہے پھر میں کس طرح اس کو دارالاسلام قرار دے سکتا ہوں اور کسی جگہ موجودہ سیکولر اسٹیٹ کی تائید کرنے کے الفاظ سے آپ نے اس کو سمجھا ہے تو وہ از قبیل اہون البلیتین ہے نہ بحیثیت دارالاسلام ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ درحقیقت ان علماء کو سمجھانے کے

(۱) ولو فقد وال لغلبة کفار و جب علی المسلمین تعیین وال و امام للجمعة (در مختار ۳۶۸/۵) ۳۶۹ کتاب القضاء مطلب ابو صنفہ دعی الی القضاء ثلاث مرات فابی

لیے تھا جو دارالاسلام اور دارالحرب کے متعلق درمختار وغیرہ کتب فقہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے استدلال کرتے ہوئے عہد انگریزی کو دارالاسلام قرار دیتے تھے لا تصیر دارالاسلام دار حرب الا بامور ثلثة باجراء احکام اهل الشرك وبتصال لها بدارالحرب زمان لا یبقی فیہا مسلم۔

و دارالحرب یصیر دارالاسلام باجراء احکام اهل الاسلام فیہا کجمعة وعید وان بقی کافر اصلی وان لمتنقل بدارالاسلام۔ (در مختار ۴/۲۷۷)

اس زمانہ میں علماء زمانہ ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ملک میں اقامت جمعہ وعیدین جیسے احکام اسلامیہ اعلانیہ جاری ہیں حکومت ان میں رکاوٹ نہیں ڈالتی اس لیے ہندوستان دارالحرب نہیں ہے دارالاسلام ہے لہذا یہاں جہاد نہیں ہو سکتا ہے دارالاسلام ہی کے احکام جاری ہوں گے اگرچہ اقتدار اعلیٰ انگریزوں کا ہے اس کی حقیقت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتویٰ میں نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ میں سیکولر ہند کو دارالاسلام قرار دے رہا ہوں توجیہ القول بمالایرضی بہ قائلہ اور خلاف تصریحات ہے دوسرے اور تیسرے اعتراض میں آپ کا یہ اعتراض ہے کہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کا ارادہ کرنے والا اور صرف انگریزوں کا نکالنے والا میں قرار دیتا ہوں بالکل خلاف واقع اور تصریحات سے روگردانی ہے۔ بہر حال یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے اور اگر بالفرض کوئی عبارت ایسی ہے جس کی دلالت مطابقی یہی ہے دوسری توجیہ اس میں نہیں ہو سکتی تو وہ غلط ہے میں اس سے رجوع کرتا ہوں فرقہ وارانہ حکومت اور سیکولر اسٹیٹ میں بھی تو ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں جن کو اسلام قبول کر سکتا ہے مغلیہ حکومت کو دیکھئے اور غور فرمائیے۔ (جولائی ۵۷ء مخطوطات ص ۲۲۱)

## مشترکہ بنکوں سے سود لینا ممنوع ہے



کیا اسلامی ریاستوں کے بنکوں سے سود لینا جائز ہے اور کیا وہ مشترکہ بنک جن میں مسلم وغیر مسلم سب شریک ہیں ان سے سود لیا جاسکتا ہے۔



جو بنک ریاست اسلامیہ کے ہیں ان سے سود لینا سمجھ میں نہیں آتا اگرچہ بعض نصوص شامی وغیرہ کے بتلا رہے ہیں کہ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں سے بھی دارالاسلام کے مسلمانوں کو سود لینے کی اجازت ہے۔ جو بیونگ بنک مشترکہ مسلم اور غیر مسلم کے ہیں ان کا حکم حریوں کے بنک کا نہیں ہو سکتا ان میں یقیناً

مسلمانوں سے سود لینا پڑے گا (۱)۔ (مکتوبات ۱۵۶/۱-۱۵۷)

## سرکاری بنکوں میں روپیہ جمع کرانے کا حکم

﴿س﴾

سرکاری غیر مسلم بنکوں میں روپیہ جمع کرنا اور ان کے منافع لینا درست ہے یا نہیں۔ اور نفع اگر لے لیا ہو تو اسے کہاں لگایا جائے۔

﴿ج﴾

سرکاری بنکوں میں اور ان بنکوں میں، جن کے مالک غیر مسلم ہوں، روپیہ جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس روپیہ سے وہ کاروبار کر کے مالی فائدہ حاصل کرتے ہیں، اور اسی کے منافع کو اسلام اور مسلمانوں کی تخریب پر صرف کیا جاتا ہے۔ لیکن جمع کرنے کے بعد اس کا سود نہ لینا، اور اس کو بنکوں میں چھوڑ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ اس روپیہ کو جو بنکوں کے سود کے سود کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں صرف کر دینا چاہیے (۱) عالمگیری میں ہے وما اوجف المسلمون علیہ من اموال اهل الحرب و بغير قتال یصرف فی مصالح المسلمین الخ جلد ۲- کتاب السیر، ص: ۲۱۸- تفصیلات کے لیے درمختار جلد: ۳- ص: ۳۴۵- اور شرح السیر الکبیر جلد: ۳، ص: ۱۴، ۱۷۸، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹ عالمگیری جلد: ۲- ص: ۲۱۰- وغیرہ ملاحظہ فرمائیے۔ (مکتوبات ۱۲۴/۱)

## دارالحرب میں سود کے متعلق چند سوال و جواب

﴿س﴾

دارالحرب کا مسلمان شہری وہاں کے غیر مسلم شہریوں سے سود لے سکتا ہے نہیں۔

﴿ج﴾

دارالحرب کا رہنے والا مسلمان حربی محارب سے دارالحرب میں سود لے سکتا ہے۔

(۱) ہندوستان کے قومی بنکوں سے سود لینے کا عدم جواز اس فتویٰ سے مستفاد ہوتا ہے۔ کیونکہ قومی حیثیت سے یہاں کے مسلمان شہری بھی ان بنکوں کے مالک ہیں۔ محمد سلمان۔ لاریا بین حربی و مسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمة لان مالہ ثمة مباح فیحل برضاہ (الدر المختار ۱۸۶۵ سعید)

﴿س﴾

افغانستان کا رہنے والا کوئی مسلمان یہاں آکر سود لے سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

افغانستان کے لوگ بھی محارب حربی کافر سے یہاں سود لے سکتے ہیں۔

﴿س﴾

ہندوستان کا مسلمان امریکہ یا انگلینڈ میں جا کر اپنا روپیہ سودی قرض پر دے سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

ہندوستان کا مسلمان امریکہ انگلینڈ میں سود پر روپیہ قرض دے سکتا ہے۔

﴿س﴾

یہاں کا کوئی زمیندار مسلمان کاشتکاروں سے اگر سود لے تو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں۔

﴿ج﴾

زمیندار اگر مسلمان کاشتکاروں سے سود لے گا تو گنہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ کافر محارب اور حربی نہیں جس کی

اجازت تھی۔ والسلام ۶ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ (مکتوبات ۴/۳۶)

## رد بدعات و عقائد فاسده

## ایصال ثواب کا طریقہ

﴿س﴾

ارواح بزرگاں کو طریقہ ایصال ثواب کا کیا ہے۔ کیا کھانا وغیرہ یا شیرینی یا کوئی چیز سامنے رکھ کر اور اگر بتی جلا کر عود وغیرہ سلگا کر چند سورہ قرآن پڑھنا مسنون طریقہ ہے اور اس کھانے میں سے خود بطور تبرک استعمال کرنا اور احباب کو کھلانا اور کچھ غرباء و مساکین کو دینا کیا یہ صحیح طریقہ شرعی ہے؟ کیا اس طریقہ کو مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمہ اللہ اور دادا پیر حضرت امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ نے پسند فرمایا ہے۔

﴿ج﴾

ایصال ثواب کا جو طریقہ عوام میں رائج ہے غلط ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ یہی طریقہ متعین ہے اور رفتہ رفتہ اس میں بہت سی غیر مفید اور ناجائز باتیں داخل کر لی گئیں جو کہ ایصال ثواب کے لیے ضروری سمجھی جانے لگی ہیں مثلاً اس کو تبرک سمجھنا، خود کھانا، بچوں کو کھلانا احباب میں تقسیم کرنا، اغنیاء کو کھلانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ کھانا اس بزرگ کا پس خوردہ ہے جس کے نام پر ایصال ثواب کیا گیا ہے قراءت قرآن اور فاتحہ کو ضروری سمجھنا اور اسی طرح دیگر امور مثلاً جگہ کا لپینا خوشبو کا سلگانا پڑھنے والے امام یا مؤذن یا مولوی کا حاضر ہونا اور پڑھنا۔ عوام کے اعتقاد میں یہ امور اگر نہ ہوں تو ایصال ثواب ہی نہیں سمجھا جاتا اور عموماً یہ چیزیں محض نام و نمود اور شہرت کی غرض سے ریاہ و سمعہ کی جاتی ہیں، یا لوگوں کے لعن طعن سے بچنے کی غرض ہوتی ہے اخلاص ہوتا ہی نہیں، علیٰ ہذا القیاس بسا اوقات حلال مال ہی نہیں ہوتا، بالخصوص میت کے وصال کے بعد اس کے ترکہ میں سے جو کچھ کیا جاتا ہے عموماً ورثہ سے اجازت نہیں لی جاتی بالخصوص جبکہ وارث بعض یا کل عائب یا نابالغ ہوں مسکینوں یا فقیروں کو یہ مال دیا ہی نہیں جاتا اور اگر یہ دیا جاتا ہے تو بہت کم اور ادنیٰ قسم کا۔ عمدہ کھانا اور اکثر حصہ اغنیاء اور اہل خانہ ہی کھاتے ہیں حالانکہ ان کے کھانے میں کسی ثواب کی امید ہی نہیں ہوتی حضرت قطب عالم مجدد زماں سید احمد شہید رحمہ اللہ ملفوظات میں فرماتے ہیں۔ (۱)

(۱) من أصر علی أمر مندوب وجعلہ عزمًا ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الأضلال، فکیف من أمر علی بدعة أو منکر۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی الشہد (رقم الحدیث ۹۳۶) ۳۱۳ رشیدیہ)

و آدابے کہ بخضور طعام فاتحہ در بار بجای آرند پس ایں اجراع خیالات فاسدہ خود است۔ چه فاتحہ بسبب  
 آں طعام بجائے فاتحہ نشدہ پس چرا آدابے کہ در استحسان آں بہ نسبت صاحب فاتحہ ہم گنگو بود بجل باہ  
 آورد۔ و ملک وے مردیدہ چه اگر ملک اوست پس چرا فاتحہ کندگان دخل در آں می کنند بموجب خواهش خود می خورد  
 و می خورائند بلکہ آں را در آں صاحب فاتحہ رسانند نیاز حضرت سیدۃ النساء علیہا السلام و ہندو نیاز حضرت فرشت  
 الاعظم علیہ السلام با ولاد امجاد ایشان حوالہ نمایند علی ہذا القیاس و اگر ایں آداب بگماں حلول روح صاحب فاتحہ در آں  
 طعام یا پس وے است آں طعام را یا بسبب آنکہ تناول کردہ پس خوردہ او شد این ظنون فاسدہ ایشان اسد کہ ہرگز  
 معلوم ایشان نیست و اگر بالفرض و التقدر یہ چیزے از اں معلوم شود پس حدیکہ در آداب طعام ازاں جائز نہ کردہ  
 پس حاصل از آداب آں طعام نیست مگر حصول مشابہت بفکر ہنود کہ احياناً حسب و غلات و اجناس اطعمہ را پرستش  
 می کنند الخ۔ (صراط مستقیم ص ۵۸۵۶)

ترجمہ: جو طریقہ کہ فاتحہ کے کھانوں پر مجلسوں میں برتا جاتا ہے یہ بھی اپنے خیالات فاسدہ کی پیروی ہے  
 کیونکہ فاتحہ اس کھانے کے سبب سے جس کا فاتحہ کیا جاتا ہے اس کے لیے نہیں ہوتا پس وہ آداب کیوں بجائے  
 جاتے ہیں جبکہ فاتحہ کے مستحسن ہونے میں کلام ہے اور وہ کھانا اس کی ملکیت نہیں ہے کیونکہ اگر اس کی ملکیت ہے تو  
 پھر فاتحہ کرنے والے اس کے اندر دخل کیوں دیتے ہیں اپنی خواہش کے مطابق خود کھاتے اور کھلاتے ہیں بلکہ  
 صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے ہیں اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کے نیاز کے کھانے کو سادات کو دیتے ہیں اور اسی  
 طرح نیاز شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ السلام کو ان کی اولادوں کے حوالہ کرتے ہیں اسی پر اور قیاس کرنا چاہئے اور اگر یہ  
 آداب صاحب فاتحہ کی روح کی سرایت کرنے اور اس کے چھونے کے خیال سے ہوتے ہیں کہ یہ کھانا ان کا کھایا  
 ہوا جھوٹا ہے تو یہ خیالات باطل اور لغو ہیں جو ان لوگوں کو قطعاً معلوم نہیں ہیں اگر بالفرض مان لیا جائے کہ کچھ معلوم  
 ہے پس جو تعریف کہ آداب طعام کے لیے ضروری ہے وہ کھانا اس کھانے کے آداب کا حاصل اس کے سوا کچھ  
 نہیں ہے کہ ہندوؤں کے طریقے سے مشابہت ہوتی ہے جو کبھی کبھی دانا اور غلہ اور کھانے کی چیزوں کو سامنے رکھ  
 کر پرستش کرتے ہیں۔

چونکہ حضرت سید صاحب علیہ السلام حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے دادا پیر ہیں اس لیے کہ ان کی  
 تحریر پیش کر رہا ہوں، خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب علیہ السلام فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۷: پر تحریر فرماتے ہیں۔  
 اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ (فاتحہ) میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس بیعت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار  
 نہیں کرتا۔ اور صفحہ ۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں اس میں بھی کسی کی تعین کو موقوف علیہ

ثواب کا سمجھنا یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقیید ہیئت کذا ہے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

سلف میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصالِ ثواب کی نیت کر لی متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و لسان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اس طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ قیودات اور تخصیصات لازم نہ تھیں۔ بلکہ کلی تحقق کی شخصیات تھیں۔ جب تک کسی کو کلام نہ تھا مگر جبکہ عوام کے اعمال و اقوال سے حکماء امت نے اندازہ کر لیا کہ یہ قیود ضروری سمجھی جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ محظورات کو مشتمل ہو گئی ہیں، ان کو منع فرمانے لگے، کیونکہ تخصیص مطلق اور تقیید ناجائز ہو گئی ہے۔ جس کو حضرت ﷺ خود فرما رہے ہیں کہ ناجائز ہے۔

آگے صراطِ مستقیم کی عبارت ذکر کرنے کے بعد حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ (مرتب)

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز گنج مراد آبادی سے اس طریقہ کی پسندیدگی کو نقل کرنا غلطی ہے والد صاحب مرحوم مدت ہائے دراز تک ان کی خدمت میں رہے تھے جو کہ تقریباً سات آٹھ برس یا زائد ہوتی ہے۔ ان سے بارہا میں نے سنا ہے کہ وہاں اس (۱) طریقہ سے فاتحہ خوانی ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے میرے سامنے حضرت ﷺ سے فاتحہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میاں ہم تو جب کھانا روزانہ ہمارے یہاں تیار ہو جاتا ہے تو اس کو کسی بزرگ کے لیے فاتحہ دے لیتے ہیں (او کما قال) بہر حال کوئی تقیید وہاں نہ تھا، اور ہوتا کیونکر، حضرت (شاہ فضل الرحمن رضی اللہ عنہ) حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے، اور حضرت شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ اربعین میں ان قیود و رسوم پر انکار فرمایا ہے۔ والد صاحب مرحوم اپنے پیر و مرشد میں فنا تھے اگر وہاں طریقہ پسندیدہ ہوتا تو ضرور عمل میں لاتے۔ میں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم ناظم ندوہ سابق اور خلیفہ حضرت گنج مراد آبادی کو دیکھا ہے مدینہ منورہ میں بھی اور مونگیر میں بھی بہت آمد و رفت ان کی خدمت میں رہی ہے۔ اور بہت زیادہ خلط ملط ان کے ساتھ رہا۔ موصوف بہت عنایت فرماتے تھے مگر میں نے کبھی ان کے یہاں یہ طریقے فاتحہ وغیرہ کے نہیں دیکھے، ہاں ختم خواجگان وغیرہ اعمال تصوف ہوتے ہیں۔ (مکتوبات ۲۷۲/۱-۲۷۸)

(۱) یعنی جو طریقہ آگے بیان کیا جا رہا ہے کہ بلا کسی قید اور اہتمام کے ایصالِ ثواب کی نیت کر لی جاتی۔

## گیارہویں شریف کا کھانا

﴿س﴾

گیارہویں شریف کے نذر و نیاز کا کھانا کھانا چاہیے یا نہیں؟ میرے یہاں اکثر میرے اسکول کے شاگرد جن کے یہاں نذر و نیاز ہوتا ہے اور میرے پاس کھانا وغیرہ بھیج دیتے ہیں ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

گیارہویں شریف کے کھانے میں اگر کھانے میں سب میں نیت ایصال ثواب کی گئی تو غیر محتاج کو نہ لینا چاہیے اور اگر یہ نیت ہے کہ اس میں سے ایک حصہ ایصال ثواب کے لیے باقی ماندہ اہل خانہ اور احباب کے لیے ہے تو کھانا غیر فقیر کو بھی جائز ہوگا وہ حصہ جو آپ کو دیا گیا ہے وہ ایصال ثواب ہی کا ہے تو آپ کو لینا اور کھانا درست نہیں اور اگر اہل خانہ و احباب کا ہے تو جائز ہے (۱)۔ (۲۷۹/۱)

## جماعت اسلامی

﴿س﴾

جماعت مودودی کیسی جماعت ہے۔

(۱) یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک ہے گیارہویں شریف منانا، یہ عمل التزام مالا یلزم کی بنا پر بدعت ہے جیسا کہ حضرت نے اس سے پہلے فتویٰ میں ارشاد فرمایا کہ یہ مروجہ ایصال ثواب کا طریقہ غلط ہے۔ لیکن دوسری چیز وہ کھانا ہے جو اس دن پکایا گیا ہے تو اس کھانے میں شریعت کا مقررہ اصول چلے گا کہ جو کھانا ایصال ثواب کی نیت سے صدقہ کے بطور پکایا گیا ہے اس کا مصرف صرف فقراء ہیں اغنیاء کے لیے اس کا استعمال درست نہیں ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر حضرت نے یہ جواب تحریر فرمایا ہے۔ اسی طرح کے ایک فتویٰ کے متعلق قطب العالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں ”ایصال ثواب بلا قید طعام و ایام کے مندوب ہے اور قید و تخصیص یوم اور تخصیص طعام کی بدعت ہے۔ اگر تخصیص کیساتھ ایصال ثواب ہو طعام حرام نہیں ہوتا گو اس تخصیص کی وجہ سے معصیت ہوتی ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ ۱۳۱) فللاً نسان ان يجعل ثواب عمله لغيره عند اهل السنة والجماعة، صلاةً كان او صوماً او حجاً او صدقةً او قراءةً للقرآن او الاذکار او غير ذلك من انواع البر، ويصل ذلك الى الميت، وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير (مراقی الفلاح کتاب الصلاة، باب احکام الجنائز، فعل فی زیادة القبور ص ۶۲۱، ۶۲۳۔ قدیمی)

﴿ج﴾

میں مودودی صاحب اور ان کے لٹریچر اور ان کی جماعت کو سخت گمراہ اور ضال اور مضل (گمراہ کن) سمجھتا ہوں مجھ کو جس قدر بھی ان کی تصانیف دیکھنے کی نوبت آئی اس ہی قدر میرا گمان متعلق عقیدہ بڑھتا گیا۔ (۱)  
(مکتوبات ۲، ۳۳۷)

مودودی جماعت گمراہ ہے

﴿س﴾

مودودی جماعت کے بارے میں حضرت کا کیا خیال ہے۔

﴿ج﴾

محترم! مودودی جماعت کے لٹریچر جن کی اشاعت کی جا رہی ہے وہ ایسے مضامین سے لبریز ہیں جو کہ

(۱) ”واما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي، فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى، عليه الاجماع، انما اختلف في الكراهة ..... ذهب عامة مشايخنا الى الجواز اذ كان يحتاط في موضع الخلاف والأفلا، والمعنى انه يجوز في المراعى بلا كراهة وفي غيرة معها.“ (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة، مطلب في الاقتداء شافعي ونحوه هل يكره أمر لا جازا صفحه ۵۲۳ سعید)  
عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: ”ليأتين على امتي كما أتى على بنى اسرائيل حذو النحل بالنعول حتى ان كان منهم من أتى أمه علانية لكان في امتي من يصنع ذلك، وان بنى اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملةً وتفرقت امتي على ثلاث وسبعين ملةً كلهم في النار الاملة واحدة“ قالوا: من هي يا رسول الله؟ قال ”ما انا عليه واصحابي“ (مشکوٰۃ المصابيح، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ج ۱ صفحه ۳۰ قديمي)

فكذا هنا المراد: هم المهتدون المتمسكون بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى، فلاشك ولا ريب انهم هم اهل السنة والجماعة، وقيل: التقدير اهلها من كان على ما انا عليه واصحابي من الاعتقاد والقول والفعل، فان ذلك يعرف بالاجماع فما اجمع عليه علماء الاسلام فهو حق، وما عداه باطل۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، تحت حديث عبد الله بن عمرو رضي الله عنه، رقم الحديث ۱۷۱ ج ۱، ۳۱۹ رشيدية)

عن عبدالرحمن بن عوف رضي الله عنه ان النبي ﷺ قال: ابوبكر في الجنة، وعمر في الجنة، وعثمان في الجنة، وعلي في الجنة، وطلحة في الجنة، والزبير في الجنة، وعبدالرحمن بن عوف في الجنة، وسعد بن ابى وقاص في الجنة، وسعيد بن زيد في الجنة، وابو عبيدة بن الجراح في الجنة۔ (جامع الترمذی: ابواب المناقب، مناقب عبدالرحمن بن عوف رضي الله عنه ج ۲ صفحه ۲۱۵ سعید)

ضلال سے ہرگز ہیں گمراہی کے پھیلائے والے ہیں ”مشتے نمونہ از خردارے“ چند باتیں پیش کرتا ہوں۔  
صفحہ ۳۲۷: ترجمان ۳۵-۳۶ میں بطور قاعدہ کلیہ لکھا گیا ہے۔

”اگر کسی شخص کے احترام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس پر کسی پہلو سے کوئی تنقید نہ کی جائے تو ہم اس کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بت پرستی سمجھتے ہیں اور اس بت پرستی کو مٹانا منجملہ ان مقاصد کے ایک اہم مقصد ہے جس کو جماعت اسلامی اپنے پیش نظر رکھتی ہے۔

غور فرمائیے اس کے الفاظ میں وہ عموم ہے جو کہ انبیاء، اولیاء صحابہ، تابعین، ائمہ، مذاہب و محدثین فقہاء عوام و خواص سب کو شامل ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ رسول ﷺ اور نہ حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہ السلام اور نہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم وغیرہ میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے کسی کو بھی تنقید سے بالاتر کہنا اور سمجھنا بت پرستی اور شرک ہے اور دستور جماعت مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی لاہور صفحہ ۵ میں ہے ”رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہوا۔“ (۲)

آپ ان دونوں اعلانوں اور اصولوں پر غور کیجئے کیا ان میں احکام قرآنیہ اور اصول اسلام اور مسلمات اہل سنت والجماعت سے بغاوت نہیں ہے۔ اور تمام ان مسلمانوں کی تکفیر و تہلیل نہیں ہے جو کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، امام شافعی رضی اللہ عنہ، امام مالک رضی اللہ عنہ، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے ہیں، قرآن اور حدیث صحیحہ صحابہ کو معیار حق بتاتے ہیں ان کی ہر طرح مدح سرائی کرتے ہیں، ان کے اتباع کا حکم کرتے ہیں۔ مگر یہ جماعت ان کے اتباع کو بت پرستی بتلاتی ہے اور اس قدر عموم کے ساتھ نفرت دلاتے ہیں کہ جن سے نہ صرف صحابہ کرام اور اولیاء اللہ سے انقطاع ہوتا ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام اور خود سید المرسلین علیہم السلام کی تابعداری سے بھی انقطاع پیدا ہوتا ہے۔ نہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم قابل اعتماد رہتا ہے نہ اوامر خلفاء راشدین و شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین۔ نہ فتاویٰ دیگر صحابہ و تابعین اور ائمہ و مجتہدات و اجماع اہل قرون مشہود لہا بالخیر اور ائمہ مذاہب قابل اعتماد رہتے ہیں اور نہ ان کے مقلدین اور اتباع مسلمان رہتے ہیں بلکہ سب کے سب بت پرست اور ضال ہو جاتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

وَرَضُوا عَنْهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (۱)

ترجمہ: ”اور سبقت کرنے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور جنہوں نے ان کی پیروی کی نیکو کاری میں اللہ

ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور اللہ نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغ کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔“

دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے: ﴿محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله ورضواناً سيماهم في وجوههم من اثر السجود ذلك مثلهم في التوراة ومثلهم في الانجيل﴾ (۱)

ترجمہ: ”محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں۔ تو ان کو دیکھتا ہے رکوع کر نیوالے سجدے کر نیوالے لے طلب کرتے ہیں اللہ کا فضل اور خوشنودی ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے سجدوں کے اثر سے یہی ان کی صفت ہے تو ریت میں اور ان کی صفت انجیل میں۔“

تیسری جگہ فرماتا ہے:

﴿ولكن الله حبب اليكم الايمان وزينه في قلوبكم وكره اليكم الكفر والفسوق والعصيان اولئك هم الراشدون فضلاً من الله ونعمته﴾ (۲)

”لیکن اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور اس کو عمدہ کر دیکھا یا تمہارے دلوں میں اور تمہاری نظروں میں برابر بنا دیا کفر اور فسق اور نافرمانی کو۔ یہی لوگ ہیں جو نیک چلن ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے۔“

چوتھی جگہ فرماتا ہے:

﴿كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله﴾ (۳)

”تم بہتر ہو ان امتوں میں جو پیدا ہوئیں لوگوں کے لیے تم حکم کرتے ہو نیک کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے، اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔“

پانچویں جگہ فرماتا ہے:

﴿وكذلك جعلناكم امة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيداً﴾ (۴)

(۱) پارہ ۲۶ سورۃ فتح رکوع ۳، ۱۳ آیات: ۲۹

(۲) پارہ ۲۶ سورہ حجرات رکوع ۱، ۱۳ آیات: ۸۰

(۳) پارہ ۳ سورہ آل عمران رکوع ۱۲، ۳ آیات: ۱۱۰

(۴) پارہ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۱، ۱۷ آیات: ۱۳۳

”اور اسی طرح ہم نے تم کو بتایا ہے۔ امت معتدل، تاکہ بنو تم گواہ لوگوں پر اور بنے رسول تم پر گواہ۔“  
 رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں معیار حقانیت بتلاتے ہوئے۔ ما انا علیہ واصحابی مگر یہ جماعت ان کے معیار حق ہونے کو اور ان کو مبرا از تنقید کہنے کو بت پرستی کہتی ہے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿عَلَيْكُمْ بِسُنَّةِ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعُضُوا عَلَيْهَا بِالْوَجْدِ﴾ (۱)  
 اور یہ جماعت ان کی ذہنی غلامی اور معیار حق سمجھنے کو ضلالت اور بت پرستی قرار دیتی ہے۔  
 جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (۲) اور یہ جماعت اس سے منع کرتی ہے اور بت پرستی کہتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اصحابی کالنجور فبایہم اقتدیتم اھتدیتم (۳) اور یہ جماعت اس کو بت پرستی قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: زھیت لامتی ماضی بها ابن ام عبد (۴) اور یہ جماعت اس کو ضلالت اور شرک قرار دیتی ہے۔ (۵)

جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: لو کان مستخلفاً احداً بغير مشورة لاستخلفت ابن ام عبد (۳) اور یہ جماعت ان کو معیار حق بنانے کا انکار کرتی ہے اور شرک اور اتحاذا را باب من دون اللہ قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: لو کان الدین عند الثریا لنا لہ رجل من ابناء فارس (۶) اور یہ جماعت اس کے مصداق اول حضرت امام ابوحنیفہ کو غیر حقانی ﷺ اور ان کے اتباع کو بت پرست قرار دیتی ہے اور جماعت اسلامی کا نصب العین ایسے امور کو بتلاتی ہے۔

محرماً! اگر میں تمام ضلالت اس جماعت کی اور ان احادیث کو جو تمام صحابہ کرام اور تابعین کے معیار حق

(۱) مشکوٰۃ شریف ج ۱ صفحہ ۳۰ قدیمی الفصل الثانی باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما

(۲) مشکوٰۃ شریف ج ۲ صفحہ ۵۶۰ قدیمی (الفصل الثانی باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

(۳) مشکوٰۃ شریف ۵۵۳/۲

(۴) مجمع الزوائد ۲۹۰/۸

(۵) ابن ماجہ شریف ۱۳

(۶) بخاری شریف ۲۷۷۲ بلفظ: وضع رسول اللہ ﷺ یدہ علی سلمان رضی اللہ عنہ ثم قال لو کان الایمان

عند الثریا لنا لہ رجال او رجل من ہولاء و مسلمہ شریف ۳۳۲ بلفظ لو کان الدین عند الثریا لذهب بہ

رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی يتناولہ۔

ہونے اور ان کی ذہنی غلامی کے واجب ہونے کی ہیں ذکر کروں تو ایک طویل و ضخیم کتاب ہو جائے، یہ چند باتیں ذکر کر کے امیدوار ہوں کہ غور کیجئے، اگر سمجھ میں آئے تو جلد از جلد ان سے علیحدہ ہو جائیے اور ان کی ضلالتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیجئے۔ ورنہ عذاب آخرت کے لیے تیار ہو جائیے۔ یہ استاد کا احترام اسی وقت تک ہے، جب تک وہ صراط مستقیم پر ہے اور جب کہ اس نے صحابہ کرام کا احترام اور اتباع سلف کرام چھوڑ دیا اور تمام مسلمانوں کے اساتذہ کرام کو چھوڑ دیا، اور باغیوں اور غیر مقلدوں اور اہل ضلال میں شامل ہو گیا تو کوئی احترام اس کا باقی نہیں رہا مودودیوں کی کتابوں کو پڑھانا ضلالت اور گمراہی ہے۔ واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الضالین، ہدانا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاه (آمین)۔

(مکتوبات ۲/۳۹۴-۴۰۱)

## حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جانشین کیوں بنایا



حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کیا غیر مستحسن نہیں ہے کہ انہوں نے یزید جیسے فاسق و فاجر کو خلافت کے

لیے نامزد فرمایا۔



اپنے سوالات کا جواب بغور پڑھیے۔

(مقدمہ اولیٰ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیج ہیں اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

(مقدمہ ثانیہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں مثلاً جناب رسول اللہ ﷺ کا دعاء فرما نا اللہم اجعلہ ہادیا مہدیاً (اے اللہ تو معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہادی بنادے) (۱)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ اس لیے اگر تواریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تواریخ کی تغلیط ضروری ہوگی۔

(مقدمہ ثالثہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے ان کی

(۱) ترمذی شریف ج ۲، صفحہ ۷۰۴ ابواب المناقب مناقب معاویہ بن ابی سفیان، رحمانیہ

روحانی اور قلبی اس قدر اصلاح ہوگئی ہے اور ان کی نسبت باطنیہ اس قدر قوی ہوگئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر صحابہ کی افضلیت کا بعد والوں پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ افضل رضی اللہ عنہ ہیں یا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ تو فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جس پر سوار ہو کر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے افضل ہے۔

(مقدمہ رابعہ) معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہو سکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہو جاتا ہے مگر یہ گناہ صورتاً ہی گناہ ہے حقیقتاً نہیں ہے۔ حقیقت میں اس کو گناہ نہ کہا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا ایک پیغمبر کی اور وہ بھی بڑا بھائی سخت اہانت ہے جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبلی کے قتل کرنے کی وجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے میں جھجک ہوگی مگر یہ امر اس وقت باعث خوف نہ ہوگا حالانکہ وہ کافر تھا ملک دار الحرب تھا دشمن خدا اور رسول کا ہم قوم اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریقہ پر اسرائیلی پر غلبہ کرتا ہوا ستارہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا اور پھر اس کے بعد معافی مانگ لی اور معافی دے دی گئی، قال رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی فغفر لہ انہ هو الغفور الرحیم، قال ربی بما انعمت علی فلن اکون ظہیراً للمجرمین (۱) (سورہ قصص) مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں حضرت موسیٰ نے الواح کو پتک دیا والقی الالواح (سورہ اعراف) کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس میں شبہ بھی نہیں کس قدر بڑا گناہ ہے۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں ہوا یقیناً یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی تھی اور اس جوش نے یہ سب کچھ کرایا تھا۔ جو عشق خداوندی نے شرک کے حالت کے مشاہدے سے پیدا کیا تھا یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جبکہ طور پر خبر دی گئی تھی۔ فانا قد فتننا قومک من بعدک واضلہم السامری (۲) اور قبلی کا قتل عصیت نسبی پر مبنی تھا اس لیے وہ خطرناک ہوا اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہو سکتا ہے تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اور کتاب اللہ کی اہانت اور ہاتھ پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صاحبزادوں رضی اللہ عنہم سے جنگ و جدال پر کیا مواخذہ متروک نہیں ہو سکتا۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ بھائی پر ان کی رشتہ داری اور قرابت قریبہ کی وجہ سے تیز ہو سکتا ہے۔

(۱) پارہ ۲۰ سورہ قصص رکوع ۲، ۵، آیات نمبر ۱۶-۱۷

(۲) پارہ ۱۶ سورہ طہ رکوع ۳، ۴، آیات نمبر ۸۵

تو بنی ہاشم اور حضرت علیؑ اور صاحبزادوںؑ پر حضرت معاویہؓ کا غصہ تیز کیوں نہیں ہو سکتا؟ ہر دو ابناء عم ہی تو ہیں۔

(مقدمہ خامسہ) ہم فرط عقیدت اہل بیت میں آ کر ہر دو کے مقامات اور اس زمانے کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں مورخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں مندرجہ ذیل احوال پر نظر ڈالیں۔

عبدمناف کے چار بیٹے ہیں۔ عبدشمس، نوفل، مطلب، ہاشم، عبدشمس نے قریشی ہی کی لڑکی سے کثرت اولاد حاصل کی بنی امیہ پھلے اور پھولے اور خاندان میں کثرت ہوئی ہاشم کے کوئی اولاد کسی مکی عورت سے نہیں ہوئی ایک لڑکا نجاریہ عورت سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوا اس کی صغریٰ میں ہاشم کا انتقال ہوا لڑکا تنہیال میں پرورش پاتا ہے جب بڑا ہوتا ہے تو چچا یعنی مطلب اس کو مکہ میں لاتا ہے۔ وہ اونٹنی پر ردیف ہے لوگ اس کو مطلب کا غلام سمجھ کر عبدالمطلب کہہ کر پکارنے لگتے ہیں اس کا نام شیبہ الحمد ہے مگر اس نام کو کوئی نہیں جانتا۔ اس لڑکے کی پرورش وغیرہ کا تکفل چچا یعنی مطلب ہی کرتا ہے (یعنی وہ اس زمانہ میں ہر طرح دست نگر چچا ہی کا ہے) لڑکا اگر چہ ہونہار ہے، اور وہ شرافت طبعی اور اخلاقی ایسی رکھتا ہے کہ چچا اور اس کی اولاد نہایت محبت اور شفقت کرنے لگتے ہیں اور اس کی اخلاقی عظمت اجنبیوں کو بھی گرویدہ بناتی ہے (اور کیوں نہ ہو؟ نور محمدیؑ اس کی پشت میں جلوہ ریز ہے) مگر یہ زمانہ فخر بالانساب فخر بالمال اور فخر بالعز کا ہے، یہ لڑکا ہاشم کی نسل سے ہے مگر ماں باہر کی، اس کے کوئی بھائی حقیقی جو کہ قوت بازو ہوتا موجود نہیں، مال جس کی وجہ سے عزت اور ناموری پیدا کرتا موجود نہیں۔ اس لیے اس کے لیے عزت کا سامان نہیں ہے اس کے اخلاق جمیلہ لوگوں کو کھینچتے ہیں، عوام میں اس کی عزت اور توقیر ہوتی ہے، اس صورت میں ابناء عم کو رشک پیدا ہونا طبعی امر ہے، اور ان کو یہ حسد لوگوں کے سامنے بھی اور اپنے قلب میں بھی حسب رواج زمانہ و ملک مجبور کرتا ہے کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور نسب کو ظاہر کریں۔

عبدالمطلب بڑے ہوتے ہیں تجارت کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں خواب میں زمزم کو دیکھتے ہیں جس کو جرہم نے بند کر کے اس طرح معدوم النشان کر دیا تھا کہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا، حالانکہ یہ کنواں بنی اسماعیلؑ کا مایہ فخر تھا۔ عبدالمطلب خواب کے اشارے کے موافق کنواں کھودنا چاہتے ہیں۔ ابناء عم مانع ہوتے ہیں جس قدر بھی دلائل عقلیہ پیش کیے جاتے ہیں۔ سب اس رشک اور ظاہری قوت کے سامنے بیکار ہو جاتے ہیں قلت عدد اور ضعف بالرجال آخر کار نا کامی کا منہ دکھاتی ہے (آخر تو اس دنیا میں ہمیشہ قوت ہی سے لوہا منوایا گیا ہے۔ تہذیب اور تمدن عقل اور انسانیت کا مدعی یورپ آج کیا کر رہا ہے؟) اس زمانہ میں تو اس قوت

کابت جس قدر بھی رنگ لاتا کوئی تعجب خیز نہیں۔ عبدالمطلب مجبور ہو کر خداوند کریم سے نذر کرتے ہیں کہ اگر میرے اس قدر اولاد ہو جائے جو کہ رقباء و حساد کا مقابلہ کرے تو میں ایک بیٹے کو تیرے واسطے ذبح کر دوں گا۔ اپنی اس قوت کے لیے ہر بڑے خاندان میں متعدد شادیاں کرتے ہیں خداوند کریم اپنے فضل سے ان متعدد ازواج سے بہت اولاد ذکور و اناث دیتا ہے۔ بیٹے جوان ہو جاتے ہیں، متعدد داماد ہو جاتے ہیں، خاندانوں میں مصاہرت کی وجہ سے قوی رشتہ داری قائم ہو جاتی ہے۔ اب بارہ نو جوانوں قوی ہیکل بیٹوں کو لے کر زمزم کھودنا چاہتے ہیں، پھر وہی ابناء عم مانع آتے ہیں، مگر اب عبدالمطلب تنہا نہیں ہیں، ان کے ساتھ جانثار و دیوتوت قوی ہیکل جوان بیٹے ہیں جو شخص سامنے آئے اس کو موت کا پیالہ پلانے کے لیے تیار ہیں ایک ایک نفر سو سو کا مقابلہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے ہمدرد بہت سے پیدا ہو چکے ہیں عبدالمطلب کی عظمت کا سکہ بیٹھ چکا ہے بالآخر عبدالمطلب بیٹوں وغیرہ کی امداد سے کنواں کھود ڈالتے ہیں۔ اور ابنائے عم کو سخت ناکامی اور عاجزی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ کنویں کے ظاہر ہو جانے اور پرانی نشانیوں کے ہو پیدا ہونے سے عبدالمطلب کی عزت اور ناموری کو چار چاند لگ جاتے ہیں، سقایۃ الحاج ان ہی کا حصہ ہو جاتا ہے، جس سے تمام عرب اور حجاج و عمار میں ان کا بے مثل وقار قائم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ وقار اخلاقی ہے دور بین انصاف پسند عقلمند لوگ اس کی ضرورت قدر کرتے ہیں مگر ظاہر میں اشخاص جن کی ہر زمانہ اور بالخصوص اُس زمانہ اور اس شہر اور ملک کی اکثریت ہے وہ مادی ہی برتری کے پیجاری ہیں جو کہ ابنائے عم یعنی بنی امیہ میں ہی ہے۔

پھر جناب رسول اللہ ﷺ کا ظہور بنی ہاشم میں ہوتا ہے اور بنی عبدالمطلب میں ہوتا ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ بالآخر خیف بنی کنانہ میں ہر قبیلوں کو تین سال تک قید اور نان کو آپریشن کی مصائب جھیلنی پڑتی ہے۔ ابناء عم کی مادی طاقت میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ قبائل عرب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے، مگر آسمانی طاقت بنی ہاشم کے ساتھ ہے۔ بالآخر صلح اور نان کو آپریشن کو فیل کرنے کی نوبت آتی ہے، تاہم نہ ان کی قلبی آتش رشک میں کمی آتی ہے اور نہ ان کی مادی طاقت میں۔ جناب رسول اللہ ﷺ حسن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، ان صاحبزادیوں کو جن کو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے طلاق دلوا دی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے اور تیسری کی ابوالعاص ابن ربیع سے شادی کر دیتے ہیں، جس سے بنی امیہ کی طاقت میں نیز ان کی رشک کی آگ میں کمی کی قوی امید ہے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بیوہ ہو جانے پر حبشہ میں نجاشی رضی اللہ عنہ کے پاس خط بھیج کر شادی کرتے ہیں، اس شادی کی خبر ابوسفیان کو جب پہنچتی ہے تو ان کی حمیت اور غضب کی آگ ایک درجہ تک ضرور ٹھنڈی پڑتی ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ وہ یعنی جناب رسول اللہ ﷺ اس کے اہل ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کے تعدد ازواج کا سلسلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے جس میں سے

ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے جس کو سیاسی مصلحت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج میں کوئی ہاشمیہ، مطلبیہ، یا انصار یہ عورت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ یہ قبائل تو آپ پر جانثار پہلے ہی سے تھے ان سے علاقہ مودت، نصرت قائم کرنے اور ان کی آتشِ حسد کو بجھانے کی ضرورت ہی نہیں، آسمانی نصرت نے بالآخر تمام بنی اعمام کو آپ ﷺ کے سامنے سر جھکانے اور بنی ہاشم کا لوہا ماننے پر مجبور کیا۔ اترتا ہم ان کی مادی طاقت کم نہیں ہوئی۔ حدیبیہ کے میدان میں صلح کا پیغام دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی بنا پر عمل میں لایا گیا جس کی تصریح خود جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اور یہی ہوا بھی کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کے مجمع میں پہنچتے ہیں تو عبد شمس اور بنی امیہ ان کے دائیں اور بائیں آکر ان کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور انتہائی عزت کرتے ہیں مخالفین اسلام جو مسلمانوں کے قتل اور توہین کے انتہائی پیاسے تھے ان کو گزند نہیں پہنچا سکتے۔ فتح مکہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مبارک سعی، جناب رسول اللہ ﷺ کی حسن تدبیر رنگ لاتی ہے اور ابوسفیان مسلمان ہو کر وہ عزت ظاہری بھی حاصل کر لیتے ہیں جس سے ان کا اور ان کے خاندان بنی امیہ کا سر تمام قریش میں اونچا ہو جاتا ہے آپ اعلان میں یہ کلمات فرمادیتے ہیں مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ (جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا امن پا گیا) ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ بنی امیہ اگر چہ سر جھکانے پر مجبور ہو گئے مگر ان کا وقار برباد نہیں کیا گیا، بلکہ زندہ ہی رکھا گیا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا آنا جانا اور جناب رسول اللہ ﷺ اور بعد کے خلفاء کا احترام قائم دائم ہے اس رشتہ کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں اور صاحبزادوں حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے نانا مانے جاتے ہیں الغرض یہ خاندان نہ تو اس قدر اجنبی ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں اور نہ اس قدر گرا ہوا ہے جتنا اہل تاریخ ابناء زمانہ ظاہر کرتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کی پالیسی صلہ رحمی کی اس قدر زور پکڑتی ہے کہ بنی امیہ تقریباً کامل عروج مادی حاصل کر لیتے ہیں اور بنی امیہ کا جذبہ اعتلاء اور قوت اس قدر زور پکڑ لیتا ہے کہ وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ مسلمان کا اقتدار اور تحفظ اب صرف بنی امیہ ہی کر سکتے ہیں، اسی درمیان میں واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیش آ گیا۔ اہل فتنہ کے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ربیب ہیں محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے یہ فتنہ پیش آیا، ان کی پرورش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمائی تھی، اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں تھیں، باوجودیکہ حضرت علی اور ان کے صاحبزادے اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم اس فتنہ سے بالکل علیحدہ تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سراسر حامی تھے، مگر مصالح و قتیہ وغیرہ کی وجہ سے اہل فتنہ کو دفع نہ کر سکے۔ نہ اس کے بعد اپنے اقتدار اور بیعت کے بعد اہل فتنہ سے قصاص لے سکے، اس پر یہ عقیدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قوی ہو جانا مستبعد نہیں ہے کہ نظام خلافت جو کہ مادی قوت کا بہت زیادہ محتاج

ہے۔ بنی ہاشم سے نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر چہ تقویٰ اور صلاحیت کی حیثیت سے بہت بلند ہیں مگر مادی اور حسن تدبیری میں اعلیٰ قابلیت نہیں رکھتے، اس کے لیے غزوہ جمل اور غزوہ نہروان وغیرہ ان کے نزدیک بہت بڑے شہود عدل ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ہی لوگوں کو بھی سنبھال نہیں سکے خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ ہے کہ خلافت اور نظام اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لیے مادی طاقت اولین شرط ہے اور اس میں آج صرف بنی امیہ تمام قریش میں واحد مرکز ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے یعنی خلافت اسلامیہ کے لیے اولین شرط تقویٰ اور خدا ترسی ہے اور اس کے واحد مرکز بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ دونوں اجتہادی نظریے اپنا پھل پھول لاتے ہیں، یقیناً ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ صحیح ہے، اور جمہور اہل اسلام بھی یہی رائے رکھتے تھے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو بالکل غلط بھی نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال صفین کا ناگوار واقعہ پیش آیا اور آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور شرائط کی نوبت آئی جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونگے۔

اب اس کے بعد بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا جس میں اندرونی سازش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی مگر اس کے لیے کوئی مستند ثبوت نہیں (۱) ہے اور نہ یہ امر ان نصوص کے موافق ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق قرآن اور احادیث صحیحہ میں وارد ہیں۔ یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہیں اس لیے اگر زہر کا واقعہ ثابت بھی ہو جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے۔ دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید کی خلافت کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش فرمائی اور اس کو نامزد کیا اور لوگوں سے بیعت کا سامان کیا اور اسی امر کو آپ پوچھ رہے ہیں تو اس میں مندرجہ ذیل امور قابل لحاظ ہیں۔

(۱) تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی طبی موت سے اپنے بستر پر وفات پائی۔ یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دلوایا یا تھامنا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں۔

فلم یزل مقیمًا بالمدينة الی أن هلك سنة تسع وأربعین علی فراشه، وما قبل ان معاویة رضی اللہ عنہ دس الیہ السم مع زوجته فهو من أحادیث الشیعة (ابن خلدون ج ۲ ص ۱۸۲) حضرت حسن رضی اللہ عنہ برابر مدینہ میں مقیم رہے یہاں تک کہ ۴۹ھ میں اپنے بستر پر وفات پائی۔ اور یہ جو مشہور کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی سے سازش کر کے انہیں زہر دلوایا ہے یہ شیعوں کی من گھڑت حدیثوں میں سے ہے۔ (ملفتی حبیب الرحمن

صاحب خیر آبادی)

(الف) اس کے متعلق آیا ایسی مستند تاریخی روایات موجود ہیں جن کو ان روایات صحیحہ اور نصوص قرآنیہ کے مقابل لایا جاسکے جو کہ علوشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر دلالت کرتی ہیں یقیناً ایسی روایات نہیں ہیں اس لیے کیوں نہ کہا جائے کہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ خود یزید اور اس کے اعوان نے اس کے لیے کوشش کی (یہ لوگ متقی نہ تھے اور مملوکیت پسند تھے) عام مسلمان اور بالخصوص اہل حجاز اس کے خلاف تھے۔

(ب) اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا سعی اس کے لیے ہوئی تھی تو جب کہ حسب شرط صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی تو پھر اب ان عہود و مواثیق کی رعایت باقی ہی نہیں رہی تھی جو کہ بحیثیت صلح ضروری تھیں اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا ان کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہو سکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسن تدبیر ہو اور یہ امر بنی امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزما یا جا چکا تھا تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بد اعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی ایک وہ شخص جو کہ فقیہ فی الاسلام ہے اور حسب دعوات مستجابہ ہادی اور مہدی ہے۔ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراہم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً کما مصداق اور ولكن اللہ حبیب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان کا مظہر کنتم خیر امة اخرجت للناس اور "اصحابی کالنجوام" اور "اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوہم غرضاً من بعدی۔" (مشکوٰۃ شریف ۵۵۴/۲) وغیرہ احادیث و آیات کا مورد ہے کیا وہ کسی مجاہد بالفسق والعصیان کو عالم اسلامی کی رقاب اور اموال وغیرہ کا ذمہ دار کر سکتا ہے۔ بخاری شریف کی بعض روایات سے کچھ نامزدگی کے اشارات معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں تصریح نہیں ہے صرف رغبت اور پروپیگنڈا مفہوم ہوتا ہے پھر یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ پروپیگنڈا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امر اور اطلاع سے ہو رہا ہے۔

(ج) اگر بالفرض یہ امور تسلیم بھی کر لیے جائیں تو غایت مافی الباب ایک خطا کا ارتکاب معلوم ہوتا ہے جو کہ انسانی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے جس سے کوئی مقرب یا ولی خالی نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے معصوم ہیں۔ اس کمزوری کا مرکز نہ صرف محبت اولاد ہے بلکہ یہ تجربہ اور ظن قوی بھی ہے کہ امت مسلمہ کے اس وسیع احاطے کو بجز ایسی قاہرہ ہستی اور ایسے منتظم اور مادی قوت والے شخص کے موجودہ قریش میں سے کوئی سنبھال نہیں سکتا تھا۔ بنی ہاشم اور دیگر اشخاص میں اگرچہ ایسی بے مثال ہستیاں موجود ہیں جو کہ تقویٰ اور خشیت الہی کے

آفتاب ہیں مگر یہ امر اتنے بڑے مہم امر کے لیے کافی نہیں ہے ورنہ سفک دماء اور اضاغہ اموال اور فساد فی الارض پیدا ہوگا اس لیے اہون البلیغین کو اختیار کرنا لازم ہے۔ ادھر تنافس خانگی بھی رنگ لاتا ہے۔ بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق حسن ظن جس کے لیے نصوص متعددہ وارد ہیں کسی حال میں چھوڑا نہیں جاسکتا۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے مخالف سے خالی نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالسرائر

(مکتوبات ۲۳۲/۱-۲۵۱)

## میلا د میں قیام

﴿س﴾

کیا مجلس میلا د میں ولادت شریفہ کے وقت قیام کا التزام درست ہے۔

﴿ج﴾

مجالس مولد قیام برائے صلوٰۃ و سلام ہونا خلاف واقع ہے (کما سنذکر) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس وقت یعنی ذکر ولادت شریفہ کی تخصیص کرنی یہ تخصیص مطلق ہوئی جو کہ بالاتفاق فقہاء درست نہیں۔

(مکتوبات ۲۳۲/۱)

## میلا د میں قیام کی حقیقت

﴿س﴾

میلا د میں قیام کرنے کی کیا حقیقت ہے۔

﴿ج﴾

واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام ذکر ولادت کے لیے کیا جاتا ہے جس میں عموماً پڑھنے والے اور سننے والے جناب رسول اللہ ﷺ کا استقبال اور تعظیم بالقیام سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر اس کے تارک کو تارک تعظیم جناب رسول سرور کائنات ﷺ سمجھتے اور کہتے ہیں، درود شریف کے پڑھنے کے لیے قیام کوئی نہیں سمجھتا۔

اردو موالد میں پڑھا جاتا ہے، ع ”اٹھو بہر تعظیم آتے ہیں حضرت“ اور بعضوں میں اس کے ہم معنی اشعار اور کلمات ہوتے ہیں، بنا بریں بہت سے عامی تو یہ سمجھتے ہیں کہ جناب سرور کائنات ﷺ خود مجلس مولود میں اس وقت تشریف لاتے ہیں اگرچہ ہم نہیں دیکھتے۔ اس لیے تعظیماً کھڑا ہونا چاہیے اور بہت سے وہ لوگ جو کہ اپنے

آپ کو سمجھدار اور واقف سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ جناب سرور کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت کا استحضار بالذکر ہوا ہے تو جبکہ آپ جناب والدہ ماجدہ کے لطن مبارک سے اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے ہیں اس کا خیال آنے پر ہم کو آپ کی تعظیم بجالانی چاہیے یعنی وہ معاملہ کرنا چاہیے جو کہ آنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے، بہر حال یہ کہنا کہ آپ مجلس مولود میں تشریف لاتے ہیں یا یہ کہنا کہ صورت ولادت کا استحضار کرتے ہوئے کھڑے ہونا چاہیے ہر دو میں تعظیم قادم ان لوگوں کے ذہن میں ہوتی ہے، اور قیام نہ کرنے والے کو جناب رسول اللہ ﷺ کی تعظیم نہ کرنے کا مرتکب خیال کیا جاتا ہے، یہ کہیں نہیں سمجھا جاتا کہ یہ قیام درود شریف پڑھنے کے لیے ہے، یہ توجیہ القول بما لا یرضی قائلہ ہے، ان دونوں امور کی سخافت ظاہر ہے۔ یعنی ہر مجلس میلاد میں جناب رسول اللہ ﷺ کا تشریف ارزانی فرمانا کسی نص ضعیف یا قوی سے ثابت نہیں جس پر عقیدہ جمایا جائے اور معاملہ مناسبہ عمل میں لایا جائے، یہ امر اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے کہ استحضار صورت ولادت کیا جائے اور مولود کی تعظیم بجالائی جائے اس کی کوئی شریعت میں نظیر نہیں۔

پھر اگر جملہ عوارض سے قطع نظر کی جائے تو غایۃ مانی الباب اباحت یا استحسان کہا جاسکتا ہے، مگر ایسے امور پر نفس مداومت بھی شرعاً مکروہ ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء تصریح فرما رہے ہیں کہ ان سورتوں پر عملاً مداومت کرنا جن کو کبھی کبھی جناب رسول اللہ ﷺ سے کسی نماز میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے مکروہ ہے، چہ جائے کہ اس پر اس قدر تشدد کیا جائے کہ تارک قیام کی بے عزتی، گالی گلوچ، مار پیٹ وغیرہ کی نوبت آجائے، ان امور کے ہوتے ہوئے تو وہ اباحت و استحسان بھی مبدل بالکراہت بلکہ بالحرمت ہو جائے گا۔

(مکتوبات ۲۳۲/۱-۲۳۳)

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا



حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگ مشکل کشا کہتے ہیں، مگر یہ لفظ مجھ پر گراں گزرتا ہے کیونکہ مشکل کشائی تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کیوں کہا جاتا ہے۔



حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق مشکل کشا کا لفظ نہ معلوم کس وجہ سے طبیعت کو گراں ہوتا ہے، زمانہ سابق میں یہ لفظ بمنزلہ لقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے مستعمل ہوتا تھا، اسی زمانہ میں شجرہ تصنیف کیا گیا ہم نے زمانہ طفولیت میں سن رسیدہ لوگوں کی زبان پر اس کو بہت زیادہ جاری پایا مگر یہ لفظ عربی کے حلال المعاقدا کا

ترجمہ ہے حسب معنی لغوی خصوصیت ذات خداوندی کے ساتھ نہیں رکھتا معانی شرعیہ کے اعتبار سے مشکل حیم مجمل و متشابہ ہوتا ہے جس کا مصداق ہر فقیہ صاحب الرائے ہو سکتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بوقت ارسال یمن جبکہ انہوں نے شکایت فرمائی کہ میں حدیث السن ہوں اور آپ مجھ کو قاضی اور حاکم بنا کر بھیجتے ہیں! تو جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ مرتضویہ پر دست مبارک مارا (۱) جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ”فما شککت فی قضیة بعد“ پھر ان کے وہاں کے مشکل سے مشکل فیصلے جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کئے گئے ہیں جن پر آپ ﷺ نے اظہار خوشنودی فرمایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لولا علی لہلک عمر وہ ایسے مشکل مقام میں تھا جو کہ مشہور ہے۔ مشکلات کے حل کرنے میں زمانہ صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مشہور ہو گئے تھے تا آنکہ سخت فیصلہ میں یہ مثل صحابہ کرام کی مشہور ہے قضیة ولا ابا حسن لہا بہر حال کجھ میں نہیں آیا کیا وجہ اس لفظ کے ابا کی اگر کوئی خصوصی الوہیت (۲) یا نبوة ہوتی تو محل کلام تھا۔ (مکتوبات ۱/۲۰۶) (۳)

(۱) یہ واقعہ جمع الفوائد میں ترمذی اور ابو داؤد کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے لیکن اس میں سیدہ پر دست مبارک مارنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ آپ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ فریقین کے بیانات غور سے سنے جائیں۔ پھر فیصلہ کیا جائے۔ جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”فمازلت قاضیا و ما شککت فی قضاء بعد“ (جمع الفوائد ۱/۲۵۹-۲۶۰) (مرتب)

(۲) شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل ہیں اور انہیں ”علی مشکل کشا“ کہتے ہیں، اپنے اس عقیدہ کو رائج کرنے کے لیے خوب پروپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ سنی لوگوں کی زبان پر بھی یا علی مشکل کشا چڑھ گیا۔ شیعوں نے اس کے لیے دو شعر بھی کہے ہیں۔

تا علیاً مظہر العجائب      شجرہ عونا لک فی النوائب  
کل ہم و غم سینیلی      بنو تک یا محمد و بولایک یا علی

ترجمہ: علی کو پکارو جو عجائبات ظاہر کرنے والے ہیں۔ تم مضائب میں ان کو اپنا مددگار پاؤ گے۔ سارے رنج و غم دور ہو جائیں گے۔ اے محمد ﷺ آپ کی نبوت اور اے علی آپ کی ولایت کی بدولت۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیعوں کا ایجاد کردہ ہے۔ ہم اہل سنت کو یہ لفظ نہ بولنا چاہیے۔ (مفتی حبیب الرحمن خیر آبادی)

(۳) کما قال القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ تحت قولہ ﷺ لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (أنت منی بمنزلة ہارون و موسی) الحدیث ”وفی شرح مسلم: قال القاضی عیاض: هذا مما تعلقت بہ الروافض و سائر فرق الشیعة أن الخلافة كانت حقاً لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و وصی له بها فکفرت الروافض سائر الصحابة بتقدیہم غیرہ، و زاد بعضهم: فکفر علیاً؛ لانه لم یلق فی طلب حقہ..... ولا شک فی تکفیر هؤلاء، لان من کفر الامة کلاها و الصدر الاول خصوصاً، فقد ابطال الشریعة و هدم الاسلام، و لا حجة فی الحدیث لاحد منهم..... و لیس فیہ دلالة علی استخلافه بعدہ لان النبی ﷺ إنما قال هذا حين استخلفه علی المدینة فی غزوة تبوک، و یؤید هذا ان ہارون المشبہ به لم یکن خلیفة بعد موسی، لانه توفی قبل وفاة موسی بنحو اربعین سنة، و انما استخلفه حين ذهب لمقاتل ربه للمناجات۔ (المرقاة شرح المشکوٰۃ، کتاب المناقب، باب مناقب علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الفصل الاول ۲۵۵/۱ مکتبہ حقاہہ پشاور)

## کیا شیعہ کافر ہیں

﴿س﴾

شیعی مذہب رکھنے والا مسلمان ہے یا کافر۔

﴿ج﴾

شیعی مسلمان ہے یا کافر یہ مسئلہ قابل غور اور مختلف فیہ ہے۔ خود شیعہ بھی سنیوں کو کافر کہتے ہیں اور مسلمان نہیں مانتے، چنانچہ ان کے مجتہد نے کلکتہ میں حیدرہ فنڈ کے متعلق ہائی کورٹ میں بحث کرتے ہوئے اس کا اعلان کیا تھا اس کی صورت میرے پاس موجود ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب اور بہت سے علماء ان کے کافر ہونے کے قائل ہیں بعض متوقف ہیں۔ بعضوں کا قول فیصل ہے کہ ان کے علماء کافر ہیں اور جہلاء فاسق ہیں۔ یقیناً قرآن میں تحریف کے ماننے والے، اللہ تعالیٰ کے علم یا جزئیات کا انکار کرنے والے، بد ا کے قائل ہونے والے کافر ہیں، علیٰ ہذا القیاس حضرت صدیقہؓ پر تہمت رکھنے والے (۱) وغیرہ وغیرہ۔

(مکتوبات ۲۸۰/۱-۲۸۱)

## سنی کی جانماز پر شیعہ کے نماز پڑھنے کا حکم

﴿س﴾

کسی سنی کی جانماز پر کسی شیعہ نے نماز پڑھ لی تو کوئی حرج تو نہ ہوگا۔

﴿ج﴾

اگر وہ سنی کی جانماز پر نماز پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ فقط (مکتوبات ۲۷۸/۱)

(۱) الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنہما والعیاذ باللہ فہو کافر۔ ولو قذف عائشۃ بالزنا کفر باللہ ویجب اکفار الروافض فی قولہم ہرجعة الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح و بانتقال روح الالہ الی الائمة وبقولہم فی خروج امام باطن وبتعطیلہم الامر والنہی الی ان ینخرج الامام الباطن وبقولہم ان جبرئیل غلط فی الوحی الی محمد ﷺ دون علی ابن ابی طالب وھولاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامہم احکام المرتدین کذافی الظہیریہ (عالمگیری ۲۶۳/۲)

## شیعوں کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے

﴿س﴾

شیعوں کے یہاں کھانا صحیح ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

نہایت شہرت کو پہنچ چکا ہے کہ شیعہ اگر کسی سنی کو کھانا پانی دیتے ہیں تو اس میں نجاست ضرور ملا دیتے ہیں۔ اگر کوئی موقع نہیں ملتا تو تھوک ضرور دیتے ہیں۔ اس لیے حتی الوسع اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

(مکتوبات ۱/۲۷۹)

## عیدین کے بعد مصافحہ کا حکم

﴿س﴾

عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ یا مصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے۔ لوگوں کی اختراعات اور بدعات میں سے ہے۔ احادیث میں جہاں تک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا، غیبت کے بعد مصافحہ اور طویل غیو بیت پر معانقہ ثابت ہے۔ مگر عید کی نماز کے بعد ان کا ثبوت نہیں ہے۔ یہاں یہ حالت ہے کہ وہ رفقاء جو نماز میں شریک بلکہ برابر کھڑے تھے۔ سلام اور خطبہ کے بعد معانقہ ہوتے ہیں اور اس کو دینی امر سمجھتے ہیں اس لیے یہ غلط چیز ہے (۱)۔ (مکتوبات ۱/۲۸۴)

## مرزا قادیانی اور عنایت اللہ مشرقی بے دین ہیں

﴿س﴾

مرزا غلام احمد قادیانی اور عنایت اللہ خاں مشرقی مسلمان ہیں یا کافر مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر پر علماء ہند

(۱) وموضع المصافحة في الشرع انما هو عند لقاء المسلم لآخره لافي ادبار الصلوة، فحيث يضعها الشرع يضعها فينهي عن ذلك ويزجر فاعلها لما اتى به من خلاف السنة۔ شامی ۳۸۱/۶ ونقل قبلها انها من سنن الروافض۔

نے فتویٰ دیا ہے یا نہیں؟ جو مرزا کو مسلمان کہے کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے یا نہیں، ایسے شخص کو جو کافر نہ کہے اس کا کیا حکم ہے؟ علیٰ ہذا القیاس عنایت اللہ خاں مشرقی کے عقائد کفریہ بھی امرت سر کے رسالہ خاکساری فتنہ وغیرہ سے ظاہر ہیں اس کا حکم بھی بیان فرمانا چاہیے۔

### ﴿ج﴾

مرزا غلام احمد قادیانی اور عنایت اللہ خاں مشرقی بے دین اور ملحد ہیں دونوں برطانیہ پرست واقع ہوئے ہیں۔ ہردو کے متعلق علماء دین اسلام کے کفر کے فتویٰ شائع ہو چکے ہیں۔ ہردو کے کفر میں تامل کرنے والا یا تو ناواقف ہے جس کو ان کے عقائد کفریہ پر اطلاع نہیں یا اگر مطلع ہو کر تامل کرتا ہے تو گمراہ و ضال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (رجسٹر فتاویٰ مدرسہ شاہی مراد آباد) (۱)

## کیا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ختم نبوت کے منکر تھے

### ﴿س﴾

بعض اہل بدع یہ الزام لگاتے ہیں کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے ختم نبوت کا انکار فرمایا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے۔

### ﴿ج﴾

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ العزیز کی طرف جو مضمون انکار ختم نبوت زمانی کا نسبت کیا گیا ہے بالکل جھوٹ اور افتراء ہے۔ حضرت مولانا مرحوم توجنا ب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تین قسم کی خاتمیت ثابت کرتے ہیں۔ خاتمیت ذاتی (مرتبتی) خاتمیت مکانی اور خاتمیت زمانی کو قطعی ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نبوت تمام انبیاء سے آخر میں واقع ہوا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ جو شخص اس کو نہ مانے اور انکار کرے وہ مسلمان نہیں ہے، حضرت مولانا مرحوم صفحہ: ۸ سے خاتمیت زمانی کے عقلی دلائل شروع فرما کر صفحہ ۱۰ میں بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) وقد اخبر الله تبارك وتعالى في كتابه ورسوله صلی اللہ علیہ وسلم في السنة المتواترة عنه انه لا نبی بعده، ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعده، فهو كذاب وأفك دجال ضال مضل تفسیر ابن کثیر (الاحزاب: ۴۰: ۶۵۲، ۳) مکتبہ دار الفیحاء بیروت او دعوی النبوة بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع (شرح الفقہ الاکبر لملا علی القاری: ۶۲۳، قدیمی)

تخذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مندرجہ ذیل عبارت ہے۔

سواگر استغراق اور عموم ہے (یعنی لفظ خاتم النبیین مذکورہ آیت میں) تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ لزوم خاتمیت زمانی بدالالت التزائی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی ”انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ إلا انه لا نبی بعدی“ (۱) (ترمذی شریف ۲/۲۱۴) جو بظاہر بطرز مذکور اسی خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی رہا۔ کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا گو الفاظ مذکورہ بسند متواتر منقول نہ ہوں اور یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں۔ جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا بھی منکر کافر ہوگا۔ (تخذیر الناس صفحہ ۱۰ مطبوعہ قاسمی پریس) صفحہ ۲۱ میں فرماتے ہیں:

”ہر حادث زمانی کے لیے ایک عمر کہ جس کی وجہ سے محققان صوفیاء کرام ہر حادث میں قائل تجدید امثال ہوئے ہیں۔ کیونکہ زمانہ ایک حرکت ہے۔ چنانچہ اس کا متحد و غیر قار الذات ہونا بھی اس کا مؤید ہے اس صورت میں مسافات متعددہ اور حرکات متعددہ منجملہ حرکات سلسلہ نبوت بھی تھی سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی ﷺ مہدل، بسکون ہوئی اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپ ﷺ کے ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔ (تخذیر الناس ص ۲۱ مطبوعہ قاسمی پریس)

مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جبکہ حرکت سلسلہ نبوت ختم ہو کر مہدل بہ سکون ہو گئی، تو پھر کوئی نبی کیونکر آسکتا ہے، حضرت مولانا کی تحریرات میں متعدد مقامات پر آپ ﷺ کی خاتمیت زمانی کا زور و شور سے اقرار کیا گیا، اور آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کے امکان کا سختی سے انکار موجود ہے، دیکھو! مناظرہ عجیبہ اور ہدیۃ الشیعہ وغیرہ رسالہ تخذیر الناس میں عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ تمام انبیاء سے اونچا اور آخری ہے، آپ ﷺ سے اوپر کسی نبی کا مرتبہ نہیں ہے اور آپ ﷺ کا زمانہ سب سے آخر ہے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور اسی طرح آپ کا مکان اور وہ زمین جس میں آپ مبعوث ہوئے (وہ بھی آخری ہے)۔ (مکتوبات ص ۳۳۸-۳۵۰، ج ۲)

## مسئلہ علم غیب

﴿س﴾

حفظ الایمان میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر عالم الغیب کے اطلاق کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔ حالانکہ یہ مسلم ہے کہ حضور ﷺ کو تمام مخلوق سے زیادہ علوم غیب عطا کئے گئے

(۱) ترمذی شریف ابواب المناقب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ج ۲ صفحہ ۶۳ مکتبہ رحمانیہ

ہیں اس اعتبار سے تو آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس کی توجیہ کیا ہے۔



کسی چیز کا نفس الامر میں متحقق ہونا دوسری بات ہے اور اس پر کسی لفظ کا اطلاق کیا جانا دوسری چیز ہے۔ بسا اوقات کوئی چیز متحقق ہوتی ہے مگر اس کے اسم کا بولنا ممنوع ہوتا ہے دیکھئے جملہ اشیاء کا پیدا کرنے والا خداوند کریم ہے لیکن اس کو خالق القردة والحنازیر یعنی پیدا کرنے والا سور اور بندروں کا کہنا ممنوع ہوا ہے۔ بوجہ شبہ ابانت کے علی ہذا القیاس خود باری تعالیٰ فرماتا ہے اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (۱) مگر لفظ زارع کہنا ممنوع ہوا کہ موہم ابانت ہے اس قسم کے بہت سے الفاظ ہیں کہ باعتبار معنی کے صحیح ہوتے ہیں مگر ان الفاظ کا بولنا ذات خداوندی یا ذات رسالت مآب ﷺ کے واسطے ممنوع ہوتا ہے بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے الفاظ کے بولنے میں کوئی شرط درکار ہوتی ہے مثلاً عالم کا لفظ ہر اس شخص پر بولنا عرفاً جائز نہیں ہے جو کہ ایک مسئلہ کا جاننے والا ہو بلکہ اگر کسی نے دس پندرہ مسئلہ بھی یاد کر لیے تو اس کو بھی عالم نہیں کہا جاسکتا ہے اگرچہ باعتبار لغت کے وہ عالم ہو گیا ہے علی ہذا القیاس ہر مالدار کو سیٹھ نہیں کہہ سکتے ہیں دیکھئے لغت میں تنخواہ دینے اور کھانا کھلانے کو رزق کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ مشہور کتب لغت میں ہے رزق الامیر الجند یعنی امیر نے لشکر کو رزق دیا مگر لفظ رزاق کا بولنا اس پر درست نہیں اس کی بہت سی مثالیں شرع و لغت و عرف میں موجود ہیں پس جناب مولانا تھانوی مدظلہ اس بحث میں فقط اس امر سے بحث فرما رہے ہیں کہ حضرت ﷺ پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرنا اور یہ کلمہ بولنا آیا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں کلام نہیں کر رہے کہ مغیبات میں سے کسی چیز کا علم آپ کو آیا حاصل ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہدایت معلوم ہے اور خود مولانا بھی بعد کو تصریح کر رہے ہیں کہ جتنے مغیبات لازمہ برائے نبوت ہیں وہ سب آپ ﷺ کو معلوم کر دیئے گئے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں غیر لازمہ بھی آپ کو گئیں جن کے ذکر سے احادیث بھری ہوئی ہیں پس خلاصہ مولانا کی بحث کا یہ ہے کہ لفظ عالم الغیب کہنا آپ کی ذات مقدسہ کے واسطے جائز نہیں اور اس کے لیے دو دلیلیں ذکر فرمائیں۔ اول یہ کہ حسب قول سائل حضور ﷺ کا علم غیب ذاتی نہیں ہے بلکہ بتعلیم اللہ تعالیٰ ہے اور چونکہ عالم الغیب اس کو کہتے ہیں (۲) جس کا علم ذاتی اور بغیر تعلیم کے ہو اور اس وجہ

(۱) پارہ ۲۷ سورۃ الواقرہ کو ع ۲، ۱۵ آیات نمبر: ۶۳

(۲) قال اللہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدًا، الا من ارتضیٰ من رسول فانه یسلک من بین یدیه ومن سفہ رصداً (سورۃ الجن ۲۶، ۲۷ پارہ ۲۹) وقال اللہ تعالیٰ وما ان کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولكن اللہ یجتبیٰ من رسلہ من یشاء (سورۃ آل عمران ۷۹ پارہ ۴) قال اللہ تعالیٰ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب (سورۃ الانعام ۵۰ پارہ ۷)

قال اللہ تعالیٰ وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا هو (سورۃ انعام ۵۹ پارہ ۷)

قال اللہ تعالیٰ لو کنت اعلم الغیب لاسنکثرت من الخیر وما مسنی السوء (سورۃ الاعراف ۱۸۸ پارہ ۹)

سے خداوند کریم اپنے آپ کو عالم الغیب فرماتا ہے اس لیے حضور ﷺ کے لیے یہ لفظ کہنا ممنوع ہوگا جیسے کہ لفظ خالق و رزاق خدا و معبود وغیرہ کہنا ممنوع ہوا اگرچہ یہ الفاظ دوسرے معانی کے اعتبار سے صحیح ہوں مگر ایہام کے سبب ناجائز ہوئے دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ عالم الغیب جس کا اطلاق ذات مقدسہ نبوی پر ہوا ہے کس معنی کے اعتبار سے کرتے ہو؟ یعنی اگر عالم کے یہ معنی ہیں کہ تمام مغیبات کا جاننے والا ہو تو یہ معنی آپ میں موجود نہیں، جملہ مغیبات کا علم سوائے خداوند کریم کسی کو نہیں اور اگر اس لفظ کے معنی ہیں کہ بعض مغیبات کا جاننے والا ہو تو بعض کا علم تو سب کو ہے کیونکہ کروڑہا کروڑ بھی بعض ہے اور ایک بھی بعض ہے غرض کہ لفظ عالم الغیب کے معنی میں دو شقیں فرمائی ہیں۔ اور ایک شق کو سب میں موجود مانتے ہیں۔ یہ نہیں کہہ رہے کہ جو علم غیب رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا وہ سب میں موجود ہے۔ بلکہ اس معنی کو سب میں موجود مانتے ہیں۔

(الشہاب الثاقب ص ۱۰۲ تا ۱۰۶)

## اعتراف کمال

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

”حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی آسمان علم و ہدایت کے آفتاب اور زہد و ورع میں یگانہ زمانہ اور جہاد تخلص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں، ہندوستان کے مسلمان ان کی ذات گرامی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے۔ وہ علم ہدایت اور مستحق منصب قیادت ہیں۔ ان کی مذہبی و وطنی خدمات سے تمام مسلمانان ہند واقف ہیں۔ اور ان کے اخلاص و دیانت کے مخالف بھی معترف ہیں۔ اوزان کی بے غرضانہ محبت کا لطف وہی حاصل کر سکتا ہے جو ان کی صحبت و معیت سے بہرہ ور رہا ہو۔“

(بیس بڑے مسلمان ۵۱۱)





ISBN: 978-969-9753-03-9



9 789699 753039

